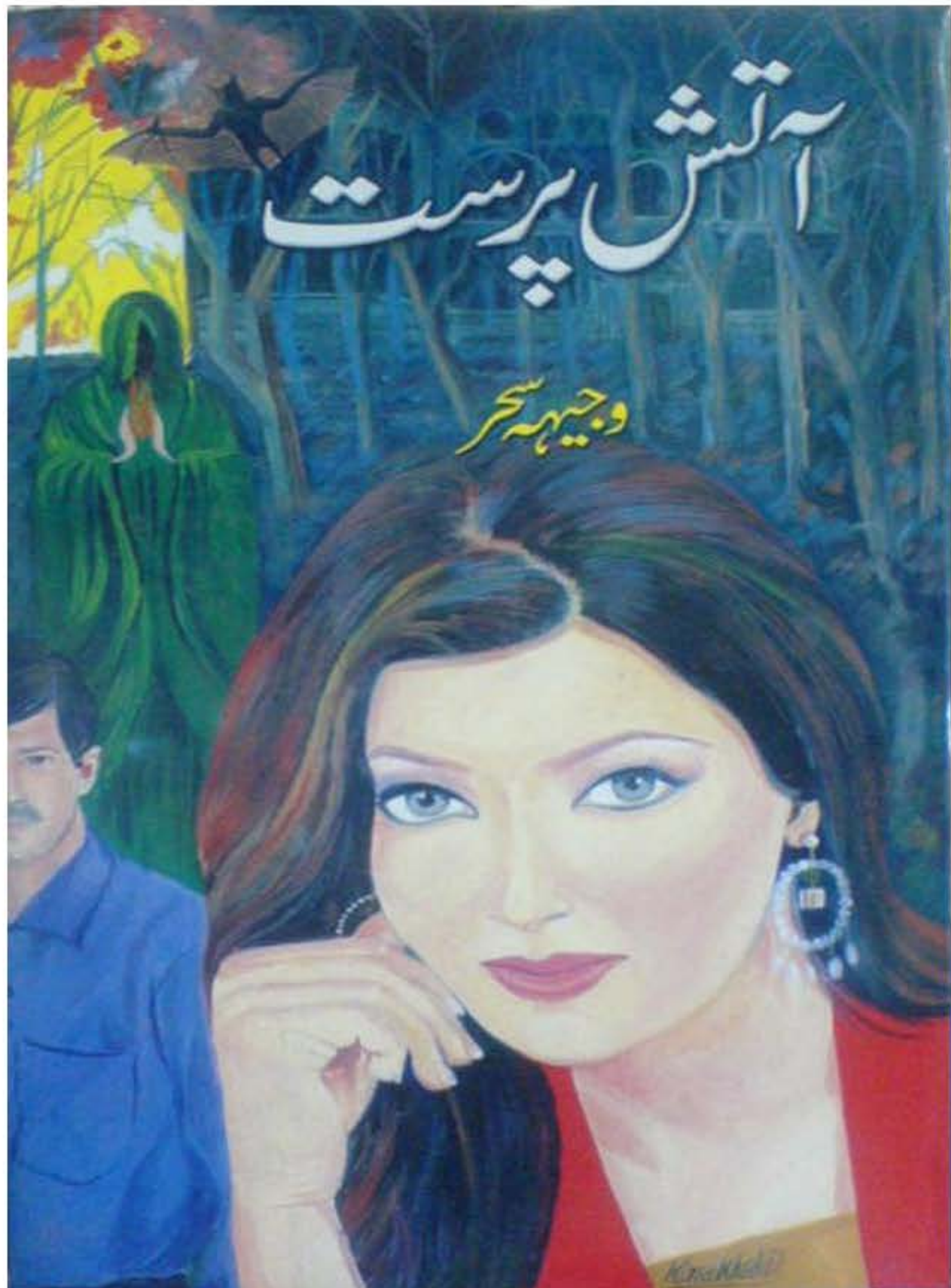


# آتش پرست

وجیهہ سحر



”فیملی“ میگزین میں شائع ہونے والے سنسنی خیز ناول ”راکھ، بحر زادہ، طلسم“ کی مصنفہ وجیہہ سحر کا ایک اور شاندار ناول

# آتش پرست

وجیہہ سحر

ناشر

علی میاں پبلی کیشنز

20 - عزیز مکیٹ اردو بازار لاہور - پاکستان

فون نمبر - 092-042-37247414



## پیش لفظ

میں نے لکھنے کا آغاز کب کیا، یہ ایک ادیبہ کے لیے بتانا مشکل ہے۔ کیونکہ تخلیقی ذہن تو بچپن سے ہی من گھڑت کہانیوں کے کرداروں میں الجھنے لگتا ہے۔

ایف ایس سی کے دو سالوں میں میں نے دو معاشرتی ناول ”روح کے زخم، اندھیروں کا مسافر“ اور افسانہ ”نیلی آنکھوں والی“ لکھا۔ لیکن ایک سروس ہمیشہ میرا تعاقب کرتی رہی، جو اس قدر سحر انگیز تھی کہ میں اسے تنہائی میں سہہ نہ سکتی تھی۔ میں نے دل تھام کے اسے سنا، وہ سروس تحیر انگیز اور ہوشربا کہانیاں خود میں سموئے ہوئے تھی۔ جن کے صفحات میرے ذہن میں خود بخود پلٹنے لگے۔ میں نے قلم اٹھایا اور اس مافوق العقل مخلوق پر لکھنا شروع کر دیا جن کے وجود و تخلیق کے بارے میں قرآن پاک میں آیت ہے۔ ”(اللہ تعالیٰ نے) انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکھاتی مٹی سے پیدا کیا۔ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔“

جنات کے وجود کی حقیقت بالکل ایسے ہی ہے جیسے انسانی زندگی کے ارتقاء کی۔ انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اس مافوق العقل مخلوق پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ جنات کبھی اچھائی کے روپ میں کبھی برائی کے روپ میں ہماری زندگیوں میں شامل ہوتے ہیں۔ ہم ان کی موجودگی سے غافل ہوتے ہیں۔ انسان کے دل و دماغ پر اگر شیطان کا راج ہو جائے تو وہ ان جنات سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ کالے جادو سے ان جنات کا استعمال کر کے دنیا میں تباہی پھیلا سکتا ہے۔

جب کوئی شیطان پیدا ہوتا ہے تو نسل انسانیت کو بچانے کے لیے فرشتہ سیرت انسان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اچھائی اور برائی کی یہ جنگ ازل سے جاری ہے۔

ہفت روزہ ”فیملی“ میگزین میں شائع ہونے والے میرے سنسنی خیز ناول ”راکھ، سحر زادہ، طلسم“ اور اب زیر نظر ناول ”آتش پرست“ اسی طرح کے موضوعات پر لکھے گئے ہیں۔

وجہ بہ سحر



ماہرین آثار قدیمہ میں ہمسیم کا ایک نام تھا۔ دن رات کی محنت اور تنگ و دو نے کم عمری میں ہی اسے اس مقام پر پہنچا دیا تھا۔

آفس کے معاملے میں وہ بہت اصول پسند اور وقت کا پابند تھا۔ وہ بار بار وال کلاک کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شازہ اور جاسم ابھی تک آفس میں نہیں پہنچے تھے۔ ہمسیم غصے سے لال پیلا ہو رہا تھا۔

شازہ اور جاسم سب سے سبب انداز میں آفس میں داخل ہوئے۔ ہمسیم کمرے میں ٹھہلتے ٹھہلتے رکا پھر ان دونوں کی طرف بڑھا۔ اس نے غصیلی نظروں سے انہیں سرتاپا دیکھا۔ وہ دونوں مجرم بنے اس کے سامنے کھڑے تھے۔

ہمسیم لفظوں کو چبا چبا کے بولنے لگا۔ ”جاسم صاحب کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ بروقت آفس پہنچ جائیں۔“

جاسم نے شازہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میں روز اس کی وجہ سے لیٹ ہوتا ہوں۔“

شازہ بھی جھٹ سے بولی۔ ”یہ دیکھیں!“ اس نے اپنے سینڈل کی طرف اشارہ کیا۔

”جاسم مجھے اس طرح دوڑا کے لایا ہے کہ میری سینڈل کی ہیل ہی ٹوٹ گئی ہے۔“

ہمسیم تعجب سے بولا۔ ”تم لوگ پیدل آئے ہو؟“

”نہیں! یہ آپ کے کمرے تک پہنچنے میں ٹوٹی ہے۔“ شازہ نے بالوں کی لٹ کان کے پیچھے سے گزارتے ہوئے کہا۔

شازہ کی بات سن کے ہمسیم ہنس پڑا۔ ”ایک تو تم دیر سے آتے ہو اور آگے سے تم لوگوں کو کوئی معقول بہانہ بھی نہیں ملتا۔“ پھر اس نے اپنی

کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے جاسم سے کہا۔ ”کل جو میں نے تمہیں فائلز دیں تھیں اس کا کام مکمل ہو گیا تھا۔“

فائلیں جاسم کے ہاتھ میں ہی تھیں۔ اس نے میز پر رکھ دیں اور منہ بسورتے ہوئے کہا۔ ”اب ہم جائیں۔“

ہمسیم نے جاسم کو سرتاپا دیکھا۔ ”جاسم میری بات کا غصہ مت کیا کرو۔ جس آفس میں وقت کی پابندی کا خیال نہ کیا جائے وہاں ترقی کی

کوئی امید نہیں رکھی جاسکتی۔“

جاسم نے سنجیدگی سے کہا۔ ”آئندہ کوشش کریں گے کہ آپ جناب کو شکایت کا موقع نہ ملے۔“

ہمسیم شرارتا مسکراتا ہوا جاسم کی طرف بڑھا اور اسے شانوں سے پکڑ کے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

”یہ آپ جناب کیا لگا رکھی ہے۔ چلو بیٹھو پہلے چائے پیتے ہیں پھر کام کریں گے۔“

جاسم اور شازہ ہمسیم کے بالمقابل کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ہمسیم نے ملازم سے چائے لانے کا کہا تو جاسم نے ہاتھ سے نفی کا اشارہ کیا۔ ”میں

نہیں پیوں گا، شازہ سے بھی پوچھ لو۔“

ہمسیم نے شازہ کی طرف دیکھا تو شازہ جھٹ سے بولی۔ ”منگوا لو۔“

”اس کو تو چاہے دس کپ پلا دو۔“ جاسم نے کہا۔ ہمسیم نے ملازم سے چائے کے دو کپ منگوا لئے۔ ہمسیم اور جاسم کسی کیس کے متعلق



بات کرنے لگے۔

جاسم نے ایک فائل سے کچھ لیبارٹری ٹیسٹ ہیم کے آگے رکھے۔ ”میں نے اس Animal کی ڈیڈ باڈی کے کچھ باڈی ٹیسٹ لئے تھے۔ اس جانور کا اس پرانی نسل سے کوئی تعلق نہیں جس کا ہم خیال کر رہے تھے۔“

ہیم نے اس کی بات کا نٹے ہوئے فائل بند کر دی۔

”نہیں جاسم! ابھی سے اتنے وثوق سے تم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو۔ یہ تو بہت تھوڑے ٹیسٹ ہیں اس پر مزید ریسرچ کرو۔ تم اپنے ذہن میں تین روز کا ٹارگٹ رکھو کہ تین روز کے اندر اندر تم نے رزلٹ میرے سامنے لانا ہے۔ باقی کام جو تمہارے ذمے ہیں وہ تو یاد ہیں نا۔“ ہیم کی اس بات پر جاسم نے اپنی نظریں پورے کمرے میں گھمادیں۔

”اس آفس کے کام مجھے رات بھر سونے نہیں دیتے۔ خواب میں بھی کوئی دیو بار بار مجھے ان کاموں کی یاد دہانی کراتا ہے۔“

”کون سا دیو؟“ شارزہ نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کے ہنسی روکنا چاہی۔

جاسم نے اپنی فائلیں میٹیں اور کرسی پر سے کھسکتے ہوئے کہا۔ ”یہ دیو جو ہمارے سامنے بیٹھا ہوا ہے۔“

ہیم چلایا۔ ”خبیث انسان! ایک منٹ سے پہلے میری نظروں کے سامنے سے غائب ہو جا۔“

”جار باہوں بابا۔“ جاسم نے ہنستے ہوئے کہا۔

جاسم اپنی لیبارٹری میں جا کے کام میں مصروف ہو گیا۔

آثار قدیمہ کے محکموں میں اس محکمے کا ایک نام پیدا کرنے میں جاسم کا بھی بہت ہاتھ تھا۔ وہ ایک ماہر ڈاکٹر تھا۔ ہنسی مذاق اپنی جگہ لیکن اپنے پروفیشن کے معاملے میں وہ پوری طرح سنجیدہ تھا۔

شارزہ ایک اچھی فوٹو گرافر تھی۔ اس کے ذمے یہی کام تھا۔ آفس میں اور بھی لوگ کام کرتے تھے لیکن یہ تین دوست ہی اس آفس کے ستون تھے۔ آفس کے باقی ارکان کے ذمے چھوٹا موٹا کام تھا۔

پانچ سال قبل ہیم کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کی چھوٹی سی فیملی تھی، اس کی ماں اور اس سے دو برس چھوٹی بہن رباب۔ یہ تینوں ایک دوسرے پر جان نچھاور کرتے تھے۔ کام کی زیادتی کے باعث رات دیر سے گھر آنا ہیم کا معمول بن گیا تھا۔ ایک رات وہ گھر لوٹا تو اس کی والدہ کا موڈ بہت خراب تھا۔

ہیم اپنے گلے میں بندھی ہوئی ٹائی کو ڈھیلا کرتے ہوئے ماں کی طرف بڑھا۔ ماں کے چہرے پر کھنچی خفگی کی لکیریں پڑھتے ہوئے اس نے ماں کے گلے میں اپنی بائیں ہاتھ لکڑی۔

”کیا کروں امی! آفس میں کام ہی اتنا ہوتا ہے۔ کوشش کرتا ہوں کہ جلدی گھر آ جاؤں لیکن آ نہیں سکتا۔“

”تو نہ آیا کرو۔ تمہیں کسی سے کیا۔ ہم ماں بیٹی اکیلے پڑے رہیں گے گھر میں۔ تمہارے علاوہ اور کون ہے ہمارا۔“



ہمسیم صوفے پر سے اٹھ کر ماں کے قدموں کے قریب بیٹھ گیا۔ ”آپ خفانہ ہوں میں کوشش کروں گا کہ جلدی آجایا کروں لیکن وعدہ نہیں کر سکتا کیونکہ اپنے پروفیشن کے ساتھ بے ایمانی نہیں کر سکتا۔ آپ میری مجبوری سمجھا کریں۔“

مسز وقار مسکرا دیں۔ ”تم چیخ کر لو۔ میں تمہارے لئے کھانا لگاتی ہوں۔“

ہمسیم اپنا موبائل ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کے ہاتھ روم چلا گیا۔ موبائل کی گھنٹیاں بجتی رہیں۔ وہ موبائل اینڈ نہ کر سکا۔ وہ چیخ کر کے باہر آیا تو اس نے موبائل سے کال کا نمبر پڑھا۔ یہ نمبر حماد کا تھا۔ وہ ہمسیم کا قریبی دوست تھا۔ چند ماہ پہلے اس کی شفٹنگ کسی گاؤں میں ہوئی۔ وہ ایک قابل ڈاکٹر تھا۔ اس گاؤں میں ڈاکٹرز کی کمی محسوس کرتے ہوئے کافی اچھے اچھے ڈاکٹرز کی شفٹنگ ادھر ہوئی۔

مسز وقار ہمسیم کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ”بیٹا آ جاؤ! کھانا کھا لو۔“

”امی! میں ذرا حماد کو فون کر لوں پھر کھانا کھاتا ہوں۔“

مسز وقار نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

”پہلے کھانا کھا لو پھر بات کر لینا۔“ ہمسیم نے ماں کی بات ماننے ہوئے پہلے کھانا کھایا۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ اپنے کمرے میں گیا اور اس نے حماد کو فون کیا۔ وہ بہت جلدی موڈ میں اپنے نرم گداز بیڈ میں گھسا، موبائل کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ وہ حماد کی عادت سے واقف تھا۔ وہ اس وقت ٹی وی کے آگے بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کی حماد سے بات ہوئی۔ حماد اس سے اپنے گاؤں آنے کے لئے اصرار کر رہا تھا۔

”دیکھ یار! تمہیں کل دوپہر تک میرے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ میں نے اپنے ہاسپٹل کی بنیاد ڈالی ہے کل میں نے اپنے خاص خاص دوستوں کو مدعو کیا ہے۔“

ہمسیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تو میں کون سا تمہارا خاص دوست ہوں۔“

حماد دانت پیس کے بولا۔ ”مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“

”اچھا بابا! آ جاؤں گا۔ اب راضی ہو۔“ ہمسیم نے کہا۔

”شازہ اور جاسم کو میں نے کہہ دیا ہے۔“

”مر گئے بھی! اس کا مطلب ہے کہ میرا آفس بند ہوگا۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ایک دن کے لیے تمہارا آفس بند ہو جائے گا۔“ حماد ایک بار پھر غصیلے لہجے میں بولا۔ گاؤں میں بھی حماد کا گھر انتہائی خوبصورت اور ہر آسائش سے بھرپور تھا۔

دعوت پر حماد نے خاصا اہتمام کیا تھا۔ کھانے کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی پروگرام تھا سب دوست بہت لطف اندوز ہوئے۔

شام کو سب دوست ہاسپٹل کی بنیاد دیکھنے گئے۔ سب دوست حماد کو اپنی اپنی رائے دے رہے تھے۔



ہصیم اور جاسم نے نقشے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”اس ہسپتال پر بہت پیسہ لگے گا اس لئے اتنی جلدی نہیں تعمیر ہو سکے گا۔“  
حماد مسکراتا ہوا ان دونوں کے قریب آیا۔ ”نقشہ پسند آیا؟“

”ہاں! ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے لیکن یا راتنا بڑا ہسپتال کیسے بنائے گا۔ اتنے پیسوں کا بندو بست کیسے کرے گا؟“ ہصیم نے پوچھا۔  
”خدا مدد کرے گا۔ گھر جا کے چائے پیتے ہیں۔“  
”ابھی کچھ دیر یہاں رکتے ہیں۔ کیسی ٹھھرتی ہوا چل رہی ہے۔ رنگین موسم مزاج بھی رنگین کر دیتے ہیں۔“ ہصیم نے تازہ ہوا میں لمبا سانس کھینچا۔

حماد نے ہصیم کا ہاتھ پکڑا۔ ”گھر چلو تمہاری دلچسپی کے لیے ایک اور چیز بھی ہے میرے پاس۔“  
”کیا چیز ہے!“ ہصیم نے تجسس سے پوچھا۔  
”گھر چلو دکھاتا ہوں۔“

حماد اور اس کے سب دوست گھر گئے۔ انہوں نے چائے پی اور پھر گپ شپ کے لئے کھلے میدان میں کرسیاں رکھ کے بیٹھ گئے۔  
حماد نے جاسم سے پوچھا۔ ”شائزہ کیوں نہیں آئی؟“  
”یار وہ یہاں آ کے کیا کرتی اس کی بھی کوئی سہیلی ہونی چاہئے۔“ جاسم نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔  
ہصیم نے حماد سے پوچھا۔ ”وہ چیز تو دکھاؤ جس کا ذکر تم کر رہے تھے۔“  
”ایک منٹ! میں لے کر آتا ہوں۔“

تھوڑی دیر کے بعد حماد ایک چھوٹا سا ڈبہ لے کر ہصیم کے پاس آیا۔ اس نے ڈبہ کھول کے ہصیم کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ”دیکھو ذرا اس میں کیا ہے۔“  
”اوہ میرے خدایا!“ ہصیم کے حلق سے تجسس بھری آواز نکلی۔

اس ڈبے میں انتہائی پرانے طرز کا ایک لاکٹ تھا۔ ہصیم نے وہ لاکٹ اپنی ہتھیلی پر رکھا اور اس کا بغور جائزہ لینے لگا۔ وہ جوں جوں اس لاکٹ کا جائزہ لے رہا تھا جیسے کسی گہری کھائی میں اترتا جا رہا تھا۔ پھر وہ غیر معمولی تاثرات کے ساتھ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ ”یہ لاکٹ تمہیں کہاں سے ملا؟“  
”یہ لاکٹ مجھے ان مزدوروں نے دیا ہے جنہوں نے ہسپتال کی بنیاد ڈالنے کے لئے زمین کی کھدائی کی۔“  
”تمہارا مطلب ہے کہ یہ لاکٹ انہیں زمین کی کھدائی کے دوران ملا ہے۔“ ہصیم تیز تیز بولا۔  
”ہاں۔“ حماد نے لاپرواہی سے کہا۔

ہصیم گرج کے بولا۔ ”یہ لاکٹ ملنے کے بعد تم نے بنیاد کا کام روکا کیوں نہیں۔“

”کیا مطلب! میں کیوں کام روکاتا۔ ویسے بھی لاکٹ مزدوروں نے مجھے اس وقت دیا جب وہ بنیاد کا کام ختم کر چکے تھے۔“ حماد الجھے ہوئے لہجے میں بول رہا تھا۔



جاسم کی توجہ بھی اس لاکٹ کی طرف مرکوز ہوگئی۔ ہمسیم نے حماد کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”تمہیں معلوم ہے کہ جانوروں کی ہڈیوں سے بنا ہوا یہ لاکٹ کئی سو سال پرانا ہے۔ ایسی چیزیں ڈھونڈنے کے لئے جیالوجسٹ اپنی پوری عمر گزار دیتے ہیں۔“ جاسم نے لاکٹ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

”اس لاکٹ سے نہ جانے کتنے راز منسوب ہیں۔“ اس نے اپنی جیب سے ایک سفید رومال نکالا اور اس میں وہ لاکٹ لپیٹ کر ایک چھوٹی سی ڈبیہ میں ڈال ڈیا۔ ہمسیم نے لاکٹ کی وہ ڈبیہ اپنے پاس رکھ لی۔ دعوت ختم ہونے پر ہمسیم اور جاسم وہاں رات نہیں ٹھہرے۔ وہ واپسی کے لئے روانہ ہو گئے۔ وہ رات کے نو بجے وہاں سے روانہ ہوئے انہیں پانچ گھنٹے کا سفر طے کرنا تھا۔ ہمسیم گھر پہنچا تو رات کے دو بج رہے تھے۔ جاسم بھی اس کے ساتھ اس کے گھر ہی ٹھہر گیا۔

اگلے روز ہمسیم اور جاسم آفس پہنچے تو جاسم لاکٹ لیب میں لے گیا اور اس نے اور شائزہ نے لاکٹ کا انتہائی باریک بینی سے معائنہ کیا۔ وہ جوں جوں لاکٹ کا معائنہ کرتے رہے ان کی ساری توجہ اس لاکٹ کی طرف مبذول ہوگئی۔ اس کیس کی پیچیدگیوں نے جاسم کو مجبور کر دیا کہ اپنے دوسرے سارے کیس ایک طرف کرتے ہوئے صرف اس کیس پر کام کرے۔

ہمسیم جاسم کے پاس آیا۔ ”کچھ معلوم ہوا اس لاکٹ کے بارے میں؟“

جاسم کی نظریں کمپیوٹر کی ڈیسک ٹاپ پر مرکوز تھیں۔ اس لاکٹ کے بارے میں چند تفصیلات وہ اس میں فیڈ کر چکا تھا۔ کی بورڈ پر اس کی انگلیاں تیزی سے حرکت کر رہی تھیں۔ اس نے اپنے کام سے دھیان نہ ہٹاتے ہوئے ہمسیم کی بات کا جواب دیا۔

”آج کچھ نہیں بتا سکتا میں خود الجھا ہوا ہوں تمہیں کل ہی کچھ بتاؤں گا۔ اس کیس کی فلاپی میں گھر لے کر جا رہا ہوں۔“

”بہتر ہے فی الحال اپنی ساری توجہ اس کیس کی طرف دو۔“ ہمسیم کی اس بات پر جاسم نے کی بورڈ پر اپنے ہاتھوں کو زور سے جھٹکا۔

”جناب! ایسے کیسز کی اہمیت کو میں اچھی طرح سے جانتا ہوں بہر حال اس کیس کے متعلق تم سے کل بات ہوگی۔“

جاسم اپنے کمرے میں بیٹھا اس لاکٹ کو اپنی آنکھوں کے سامنے پنڈولم بال کی طرح گھما رہا تھا۔ ایک غیر معمولی بات جس نے اس کی نیندیں اُڑا دیں تھیں وہ اس لاکٹ کے اوپر لکھی ہوئی زبان تھی۔ اس نے فلاپی ڈسک کمپیوٹر کے سی پی یو میں ڈالی تو اس کیس سے متعلقہ تمام تفصیلات کمپیوٹر کے ڈیسک ٹاپ پر آ گئیں۔ وہ کافی دیر تک اس لاکٹ پر لکھی زبان کو سمجھنے کے لئے کام کرتا رہا لیکن کوئی درست تفصیل اس کے سامنے نہیں آئی۔ اس نے اپنے موجود تمام ریکارڈ چیک کئے لیکن پرانے سے پرانے کسی ریکارڈ میں وہ زبان نہیں تھی۔

بالآخر وہ تھک کے سو گیا۔

اگلے روز ہمسیم اور جاسم نے آفس کی لائبریری سے اس قسم کے کیس کی فائلز ڈھونڈیں وہ دونوں کئی گھنٹوں اس کام میں مصروف رہے۔

”واؤ!“ جاسم نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

”بالکل وہی زبان باقاعدہ ترجمے کے ساتھ۔ اب ہمیں کوئی سراغ ضرور مل جائے گا۔“



جاسم ایک خستہ حال پرانی سی کتاب اٹھائے لیبارٹری کی طرف چل دیا۔ وہ کتاب لے کر کمپیوٹر کے آگے بیٹھ گیا۔ ہمسیم بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہ دونوں اپنی ذہانت سے کمپیوٹر پر سرچ کرتے رہے۔ پھر یہ مشکل پہلی حل ہو کے ان کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ چار ہزار سال پرانی اس زبان کا ترجمہ ان کے سامنے کمپیوٹر کی سکرین پر لکھا تھا۔ جاسم نے پریشانی سے کہا۔ ”یہ لکھائی جگہ جگہ سے مٹی ہوئی ہے۔ چند سطریں ہی پڑھ سکیں گے۔“ یہ کہہ کے جاسم نے پڑھنا شروع کیا۔

”سیاہ رات میں چیخیں..... شیطانی عملوں کے گیان..... ایک موت کے بعد ہزاروں سال جنے گی۔ اک شرط جو پوری ہو جائے تیری شکلیاں دو گنی ہو جائیں گی۔“

ہمسیم کے وجود میں سنسناہٹ کی ایک لہر دوڑ گئی۔

”کس قدر عجیب باتیں ہیں اور یہ ان جملوں کے ساتھ سانپ کا نشان کیوں ہے؟“

”ایک طرف سانپ کا نشان ہے اور دوسری طرف آگ کا نشان ہے۔ جس کتاب سے میں نے یہ زبان حاصل کی ہے اس میں لکھا ہے کہ یہ زبان بولنے والے لوگ آگنی دیوتا اور ناگ دیوتا کو پوجتے تھے۔“ جاسم نے کہا۔ ہمسیم کسی گہری سوچ میں جہیں پیائی کرنے لگا۔ پھر کھڑے ہو کر اس نے جاسم کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ ”اس لاکٹ پر لکھے ہوئے سب جملے ادھورے ہیں۔ کہنے والا ان ادھورے جملوں میں بہت کچھ کہہ گیا ہے ان جملوں میں کئی راز دفن ہیں یہ راز افشاء کرنے کے لئے ہمیں حماد کے ہاسپٹل کا کام روکنا ہوگا۔“

”حماد اس کے لئے کبھی تیار نہیں ہوگا۔“ جاسم مضطرب ہو کر بولا۔

”اے کیسے منانا ہے یہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔“ ہمسیم نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

ہمسیم اگلے روز ہی حماد سے ملنے اس کے گاؤں چلا گیا۔

حماد نے اس کی بہت خاطر مدارت کی لیکن جب ہمسیم نے ہاسپٹل کی زمین کے بارے میں بات کی تو وہ آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے ہمسیم کو صاف صاف انکار کر دیا کہ کچھ بھی ہو وہ اس سے یہ امید کبھی نہ رکھے کہ میں ہسپتال کا کام روک دوں گا۔

ہمسیم واپسی کے لئے بیگ سیٹ کر رہا تھا۔ حماد اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ”ناراض ہو مجھ سے۔“

”اور کیا خوش ہوں گا کتنا مان تھا مجھے اپنی دوستی پر۔ تم تو ایک چھوٹی سی بات نہیں مان سکتے۔“ حماد بجلی کے جھٹکے کی طرح کھڑا ہو گیا۔

”تم اسے چھوٹی سی بات کہہ رہے ہو جس بات کے لئے میں تمہارے جیسے دوست کو انکار کر دوں وہ چھوٹی کیسے ہو سکتی ہے۔ تم میری مجبوری سمجھنے کی کوشش کرو۔“

”یہی بات اگر میں تم سے کہوں تو؟“

”میں معذرت خواہ ہوں۔ میں ہاسپٹل کا کام نہیں روک سکتا۔“ حماد نے کہا۔

”میں جارہا ہوں۔“ ہمسیم بیگ شانے سے لٹکائے چابی گھمانے لگا۔



حماد نے ہمسیم سے بیگ چھین لیا۔ ”دوپہر کا کھانا کھا کر جانا۔“ ہمسیم کو حماد کی بات ماننا پڑی اور وہ دوپہر کے کھانے پر رک گیا۔

”کوئی ایسا طریقہ نہیں ہو سکتا کہ تمہارا اور میرا دونوں کا مسئلہ حل ہو جائے۔“ حماد نے کہا۔

ہمسیم نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”میں بھی یہی سوچ رہا تھا ایک تجویز ہے میرے پاس۔“

”وہ کیا؟“

”تم ہاسپٹل کا کام رکھ دو۔ میں چند جگہوں کی کھدائی کرواؤں گا اگر مطلوبہ نتائج نہ حاصل ہوئے تو تم کام دوبارہ شروع کروا دینا۔ اگر مجھے

کھدائی کے دوران کوئی خاص چیز مل گئی تو یہ پلاٹ میں تم سے خرید لوں گا۔ تم کسی دوسری جگہ پلاٹ لے کر ہاسپٹل کا کام شروع کروا لینا۔“

ہمسیم کی تجویز سن کر حماد سوچ میں پڑ گیا۔ ”میں کل تمہیں فون پر بتا دوں گا۔“

”ٹھیک ہے اب مجھے اجازت دو۔“ یہ کہہ کر ہمسیم وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ہمسیم کی زندگی میں وقت کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ وہ خواہ مخواہ

وقت برباد کرنے والے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا تھا۔

حماد کے گھر سے روانگی کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو نصف رات گزر چکی تھی۔ اس قدر دیر سے آنے کے باوجود وہ صبح ہی صبح آفس پہنچ گیا۔

ہمسیم سارا دن حماد کے فون کا انتظار کرتا رہا۔

رات کو اس وقت حماد کا فون آیا جب ہمسیم اپنی امی کے ساتھ بیٹھا گپ شپ میں مصروف تھا۔ حماد نے ہمسیم کی تجویز قبول کر لی، فون بند

ہوتے ہی ہمسیم نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

”ہرے.....“

”کیا ہوا؟“ ہمسیم کی والدہ نے تعجب سے پوچھا۔

”حماد نے میری بات مان لی ہے ہم ان شاء اللہ کل ہی اپنی ٹیم کے ہمراہ روانہ ہوں گے۔“ ہمسیم نے ایک لمبا سانس کھینچا۔

مسز وقار نے ہمسیم کے بال سہلائے۔ ”بیٹا کل رات تو تم وہاں سے واپس آئے ہو۔“

ہمسیم نے اپنی والدہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ ”امی میں اس کیس میں تھوڑا سا بھی وقت برباد نہیں کرنا چاہتا یہ کیس

بہت اہم ہے۔“

”جیسی تمہاری مرضی اب آرام کر لو کل پھر تم نے جانے کی تیاری کرنی ہے۔“

والدہ کے کمرے سے جاتے ہی ہمسیم نے جاسم کو فون کیا۔

”ہیلو! جاسم حماد مان گیا ہے۔ اس مشن پر ہم کل ہی روانہ ہوں گے باقی تفصیلات صبح آفس میں کریں گے۔ کل دس بجے ہم نے روانہ

ہو جانا ہے۔ ہمارا آٹھ افراد کا گروپ ہوگا تین ہم اور باقی پانچ آفس کے دوسرے لوگ ہوں گے۔ صبح آفس جلدی پہنچنا۔“ یہ کہہ کر ہمسیم نے فون بند

کر دیا اور موبائل ہاتھ میں لئے کمرے میں ٹہلنے لگا۔



پھر اس نے الماری سے ایک چارٹ نکالا اور اسے میز پر پھیلا کے اس پر کوئی نقشہ کھینچنے لگا۔

پروگرام کے مطابق وہ لوگ اگلے روز گاؤں روانہ ہو گئے۔ گاؤں پہنچنے پر ہمسیم نے اپنا کام شروع کیا۔ حماد اس ساری صورت حال میں خاصا پریشان تھا لیکن ہمسیم کی بات ماننا اس کی مجبوری تھی۔ کھدائی کا کام شروع ہوا تو ہمسیم اور جاسم نے اپنے لئے خیمے بنانا شروع کر دیئے۔ حماد تعجب سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ہمسیم سے مخاطب ہوا۔ ”یار! یہ کیا کر رہے ہو؟“

”ہم کھدائی کے دوران کوئی غفلت برتنا نہیں چاہتے۔ یہ ہمارے کام کا اصول ہے جب تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچتے، رات ادھر ہی سوئیں گے۔“ ہمسیم نے خیمے کی رسی باندھتے ہوئے کہا۔

حماد نے تاسف بھرے انداز میں آہ بھری۔ ”جاگ لو جتنا جاگنا ہے تمہیں یہاں سے کچھ نہیں ملے گا۔“

جاسم نے پیرا شوٹ کا تکیہ اس کے سر پر دے مارا۔ ”ایسی بات منہ سے نہ نکالو۔“

رات ہو گئی۔ حماد ان لوگوں کے لئے گھر سے کھانا لے آیا۔

ہمسیم نے اپنے گروپ کے افراد کو کھانے کے لئے بلایا کھانے سے فارغ ہو کے وہ لوگ دوبارہ کام پر لگ گئے۔ ہمسیم اور جاسم بھی ان کے ساتھ کام میں مشغول ہو گئے۔ حماد بھی ان کے ساتھ ہی ٹھہر گیا۔

ہمسیم سارا جائزہ لے کر سوچ میں پڑ گیا۔ ایک ور کرنے کہا۔ ”سر! میرا خیال ہے کہ یہاں کچھ نہیں ہے۔ ابھی تک ایسی کوئی انٹیک نہیں ملی جس سے کچھ سوچا جاسکے۔“

ہمسیم نے لائٹر سے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ ”یہ کیس 4000 سال پرانا ہے ہمیں تھوڑی کھدائی اور کرنی ہوگی۔ کسی بھی کام میں جلدی ہمت نہیں ہارتے امید ترقی کا زینہ ہوتی ہے اور مایوسی شکست کی نشانی ہے۔“ وہ ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ جاسم نے ہاتھ ہلاتے ہوئے ہمسیم کو پکارا۔ ”ہمسیم جلدی آؤ۔“ ہمسیم سگریٹ پھینک کے دوڑتا ہوا جاسم کی طرف گیا۔

جاسم نے پھولے ہوئے سانس کو درست کرتے ہوئے کہا۔ ”ہمسیم! اس کے نیچے لکڑی کی کوئی چیز ہے۔“

ہمسیم نے جاسم کے ہاتھ سے بیلچہ لے لیا۔ اس نے بیلچے سے مٹی پیچھے کی اور پھر ایک خاص اوزار لے کر کھودی گئی جگہ پر اتر گیا اور اس سے آہستہ آہستہ مٹی ہٹانے لگا۔ لکڑی کی وہ چیز جس سے ہمسیم کا اوزار ٹکرا رہا تھا اب دکھائی دینے لگی۔

غالباً وہ کوئی تابوت تھا۔ ہمسیم اور جاسم نے مل کر وہ تابوت باہر نکالا تو حماد سر تا پا کانپ کے رہ گیا۔ حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ گروپ کے سارے ممبر تابوت کے گرد جمع ہو گئے۔

حماد نے تجسس بھری نظروں سے تابوت کی طرف دیکھا۔ ”دیکھو تو اس میں کیا ہے؟“

ہمسیم نے نفی میں سر ہلایا۔ ”نہیں! اسے قطعاً یہاں نہیں کھولنا، ہم یہ تابوت اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔“

”تم یہ تابوت کھولو تو سہی جب جانا ہوگا تو بند کر کے ساتھ لے جانا۔“ حماد نے پھر اصرار کیا۔



ہصیم نے ہاتھ ہوا میں اکڑا لیا۔ ”تم اس بات کو نہیں سمجھ سکتے چند ضروری لوشن اور کیمیکلز کی موجودگی میں ہم یہ تابوت کھولیں گے۔ جو کچھ اس میں ہے وہ اس آب و ہوا میں خراب بھی ہو سکتا ہے۔“

ہصیم اور جاسم نے بہت محنت کی کہ شاید کوئی اور چیز بھی مل جائے جس سے کیس سمجھنے میں آسانی ہو لیکن انہیں مزید کچھ نہیں ملا۔ عملہ حماد کے پلاٹ کو ٹھیک کرنے میں لگا رہا اور ہصیم اور جاسم تابوت لے کر روانہ ہو گئے۔ اپنے شہر پہنچنے کے بعد وہ گھر جانے کے بجائے آفس پہنچ گئے۔ ان دونوں نے بہت احتیاط کے ساتھ تابوت لیبارٹری میں رکھا اور دونوں نہادھو کر فریش ہو گئے۔

فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ رات کی سیاہ چادر آہستہ آہستہ فضا سے ہٹ رہی تھی۔ ادھوری صبح کی دھیمی دھیمی روشنی میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جاسم اور ہصیم وقت کی گھڑیوں سے بے نیاز تابوت کھولنے کی کوشش میں مصروف تھے۔

زنگ آلود کیل جو نکلنے کا نام نہ لیتے تھے اور وہ دونوں تابوت کو جھٹکے دینا نہیں چاہتے تھے بالآخر کافی کوشش کے بعد تابوت کھل گیا۔ تجسس سے ان کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے ہصیم نے تابوت کے دروازے پر ہاتھ رکھا تو اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے موبائل اٹینڈ کیا تو حماد لائن پر تھا۔

”ابھی تم ہمیں ڈسٹرب نہ کرو میں خود تمہیں فون کر کے سب کچھ بتا دوں گا۔“ یہ کہہ کر ہصیم نے فون بند کر دیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنی سانسیں درست کیں اور تابوت کا دروازہ کھول دیا۔ دونوں پر ہڈیانی کیفیت طاری ہو گئی ایک انتہائی خوبصورت لڑکی اس تابوت میں سوئی ہوئی تھی۔ اس نے 4000 سال پرانی تہذیب کے کپڑے پہن رکھے تھے جو جوں کے توں موجود تھے۔ گزری صدیوں کا ان پر بھی کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ زخموں میں خون ابھی تک تازہ تھا۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں پر کٹ لگے ہوئے تھے جیسے قتل کرنے والا اس کے جسم سے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینا چاہتا ہو۔ جاسم نے جلدی سے اپنا کیمیرہ نکالا اور اس کی تصاویر لینا شروع کر دیں۔ یہ تصاویر اپنے ملک میں ہی نہیں پوری دنیا میں سنسنی پھیلانے کے لئے کافی تھیں۔

جاسم خوشی سے چلا رہا تھا۔ ”یہ خبر تو اخبارات میں تہلکہ مچا دے گی۔“ لیکن ہصیم انتہائی متانت سے لاش کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے دو شیشوں کی سلائیڈز لیں پھر ایک سلائیڈ پر اس نے لاش کے خون کے چند قطرے لگائے اور دوسری سلائیڈ کو اس لاش سے چھو کر جاسم کو دیں۔

جاسم نے ان سلائیڈز کا خوردبینی جائزہ لیا اور رپورٹ تیار کر کے ہصیم کے آگے پیش کی۔ ”اوہ میرے خدایا۔“ ہصیم کی بھنویں جیسے پیشانی پر چڑھ گئیں۔ ”میں تو خود ہکا بکارہ گیا ہوں جو کیمیکل اس لاش پر استعمال کئے گئے ہیں وہ آج کے دور کی نئی ایجاد ہے۔ یہ کیمیکل اس کیمیکل سے کئی گنا طاقتور ہے جس نے 2000 سال تک اس لاش کو محفوظ رکھا۔“ ہصیم نے کہا۔ ”لیکن انہوں نے ایسا کیوں کیا۔“ جاسم کے ذہن میں سوال ابھرا۔



ہمسیم نے اپنے سر کو خفیف سے انداز میں ہلایا۔

”ہمیں ابھی بہت سے سوالوں کے جواب ڈھونڈنے ہیں فی الحال اس لاش کو شیشے کے بلاک میں رکھتے ہیں۔“

ان دونوں نے مل کر لاش کو اٹھایا تو ان دونوں کی نظریں تابوت پر مرکوز ہوئیں۔ تابوت پر اسی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا جس زبان تک جاسم رسائی حاصل کر چکا تھا۔ تابوت پر لکھا ہوا جملہ غالباً خون سے لکھا ہوا تھا۔

ان دونوں نے لاش کو شیشے کے بلاک میں محفوظ کیا اور دونوں تابوت کے قریب آ گئے۔ تابوت پر لکھا تھا۔ ”جاگو علیشہ تمہارے جاگنے کا وقت آ گیا ہے۔“

یہ جملہ پڑھ کے تھر تھراہٹ کی ایک لہر دونوں کے جسموں میں دوڑ گئی۔ جاسم کی زبان سے اگلے ہوئے جملے نکلے۔ ”یہ..... یہ..... کیا لکھا ہے۔“ خوف کے تاثرات ہمسیم کے چہرے پر بھی عیاں تھے لیکن اس نے حوصلے سے کہا۔ ”یہ پرانے زمانے کے لوگوں کی توہم پرستی ہے۔ تم جانتے ہو کہ آتش پرست قوم کس قدر توہم پرست ہوتی تھی۔ ان کا خیال ہوگا کہ ان کے کالے جادو کے ٹونوں اور خوفناک عملوں سے یہ لڑکی جس کا نام ”علیشہ“ ہے ایک بار پھر جاگے گی اور نئے روپ میں نیا جیون لے گی۔“ ہمسیم یہ باتیں تضحیک آمیز انداز میں کہہ رہا تھا جب کہ جاسم سوچ کی گہری کھائی میں گرتا چلا جا رہا تھا۔

”یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ علیشہ کی لاش کو اتنا عرصہ صحیح حالت میں رکھنے کی وجہ صرف یہ کیمیکلز نہ ہوں۔“ جاسم کو اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ ہمسیم نے کہا۔ جاسم نے ہمسیم کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ دیں۔

”تمہاری عقل اس چیز کو تسلیم کرتی ہے کہ کیمیکلز سے اتنا عرصہ لاش محفوظ رہ سکتی ہے۔“ ہمسیم نے جاسم کو کریدنا چاہا۔ ”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”جو سوچ رہا ہوں تم اس سے کبھی اتفاق نہیں کرو گے بہر حال ہماری سوچ سے حقیقت ہمارے سامنے آ جائے گی۔“

جاسم نے ہمسیم سے اپنے من کی بات چھپالی ان دونوں نے لیبارٹری کو قفل لگایا اور آفس بند کر کے گھر چلے گئے۔

دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ جاسم کے سائیڈ ٹیبل پر پڑا اس کا موبائل فون مسلسل بج رہا تھا اور وہ تکیے میں منہ گھسائے دھت سو رہا تھا۔

بالآخر جاسم نے آنکھیں کھول دیں۔ جسم کی ڈھیلی ڈھالی حرکت کے ساتھ اس نے موبائل اٹھایا تو شارژ کی گرج دار غصیلی آواز سے اس کی

آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ جاسم بے زاری سے نظریں گھماتا ہوا کافی دیر تک اس کی بات سنتا رہا۔ پھر وہ ایک کشن سے پشت لگائے ٹھیک طرح سے بیٹھ گیا۔ ”کچھ میری بھی سنو گی یا یونہی بولتی رہو گی۔“

جاسم کی اس بات پر شارژہ نے کہا۔ ”کل میں نے تمہیں کتنے فون کئے دن کے وقت بھی اور رات کے وقت لیکن تم نے جان بوجھ کر میرا

فون اٹینڈ نہیں کیا۔“

جاسم نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”تم جس سلسلے میں مجھ سے فون پر بات کرنا چاہتی تھی میں اور ہمسیم اسی کیس میں اس قدر

مصروف تھے کہ کسی سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ تمہیں معلوم ہے کہ حماد کے گاؤں سے واپس آنے کے بعد ہم دفتر میں رہے ہیں۔ صبح گھر آیا ہوں۔

رات بھر جاگنے کی وجہ سے اب تک سو رہا ہوں۔“



”ایسی کیا بات تھی اس کیس میں؟“ شازہ نے تعجب سے پوچھا۔

”چونکا دینے والی خبریں ہیں تمہارے لئے۔ سنوگی تو شپٹا کے رہ جاؤ گی۔“ جاسم ولولہ انگیز انداز میں چلایا۔  
”کیا مطلب.....“

”تمہیں فون پر کچھ نہیں بتاؤں گا۔ میں ابھی آدھے گھنٹے میں تیار ہو کے آفس پہنچتا ہوں۔ تم بھی تیار ہو کے آفس پہنچو۔“ جاسم نے یہ کہہ کر فون بند کرنا چاہا۔

جاسم کی بات سن کر شازہ کا تجسس مزید بڑھ گیا۔ وہ پھر اصرار کرنے لگی۔ ”آفس تو میں پہنچ جاؤں گی تم مجھے کچھ تو بتاؤ۔“

”بالکل نہیں میں تمہیں فون پر کچھ نہیں بتا سکتا۔ تم اٹھو اور جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“ جاسم فون بند کر کے بستر سے اٹھ گیا۔

شازہ حسب معمول دیر سے تیار ہوئی اس نے اپنا کیمرا چیک کیا۔ وہ آفس پہنچی تو جاسم اور ہصیم اپنے کمروں میں موجود نہیں تھے۔  
شازہ نے آفس کے ایک کارکن سے ہصیم اور جاسم کے بارے میں پوچھا۔

”ہصیم صاحب تو سردخانے میں ہیں۔ یقیناً جاسم بھی ادھر ہی ہوگا۔“

”سردخانے میں؟“ شازہ نے تعجب سے کہا اور سردخانے کی طرف چل پڑی۔

وہ سردخانے میں گئی تو اس کے سارے وجود میں لرزش سی پیدا ہو گئی۔ ہصیم اور جاسم ایک ٹیبل پر جھکے کوئی فائل دیکھ رہے تھے۔ جاسم ہصیم کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

شازہ ان کے قریب کھڑی ہو گئی۔ دونوں اپنی باتوں میں اس قدر مشغول تھے کہ انہیں شازہ کے آنے کا علم ہی نہ ہوا۔ شازہ کے پکارنے پر انہوں نے شازہ کی طرف دیکھا۔

”آخر معاملہ کیا ہے؟“ شازہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

ہصیم نے شازہ کی طرف فائل بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ اس کیس کی فائل ہے جس پر ہم کام کر رہے ہیں۔ تم یہاں بیٹھ کے یہ فائل پڑھو۔“

فائل پڑھنے کے بعد بلاک نمبر 9 کے پاس آجانا۔ میں اور ہصیم ادھر ہی جا رہے ہیں۔“

شازہ نے فائل پڑھی تو ایک بار تو اس کا سر گھوم گیا۔ وہ اس طرح کے کیمرز سے گھبراتی تھی لیکن اپنی ڈیوٹی بخوبی انجام دیتی تھی۔

وہ انگشت پیمائی کرتے ہوئے مہین سے انداز میں بولی۔ ”اس قدر پیچیدہ اور پراسرار کیس.....“ اس نے پورے سردخانے میں نظر دوڑائی

تو ہر طرف تھر تھراتی خاموشی اور سناٹے کا نہ سنائی دینے والا شور۔ اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جیسے مرنے والوں کی آوازیں کسی ایک سروں کی شکل میں اس کے کان میں سرگوشی کر گئیں۔ وہ بلا وجہ چیخ اٹھی اس کی چیخ سن کر جاسم دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا۔

”کیا ہوا تمہیں.....“

شازہ بوکھلا سی گئی۔ ”کچھ نہیں.....“



”ابھی تو تم نے علیشہ کی لاش نہیں دیکھی۔ لاش دیکھنے کے بعد تمہارا کیا حال ہوگا۔“

جاسم شازہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔

شازہ نے لاش دیکھی تو اس کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس نے پتھرائی ہوئی آنکھوں سے علیشہ کو سرتاپا دیکھا۔

”ویری سٹریچ! یہ تو بالکل اس طرح لگ رہی ہے جیسے اسے مرے چند منٹ ہی گزرے ہوں۔“ پھر اس نے اپنا کیمرا اٹھایا اور اس کی تصاویر اتارنے لگی۔

ہمسیم نے جاسم اور شازہ کو سختی سے تاکید کی کہ یہ خبر ہمارے ادارے سے باہر نہیں جانی چاہئے، جب تک وہ نہ کہے۔ اس نے جاسم کو بتایا

کہ کل چار افراد جنہیں وہ اعتماد میں لے چکا ہے لاش کے معائنے کے لئے آئیں گے اور یہ سب میٹنگ انتہائی رازداری میں ہونی چاہئے۔“

”تم بے فکر ہو، ہم محتاط رہیں گے۔“ جاسم نے اسے تسلی دی۔ اگلے روز میٹنگ میں ڈاکٹر زوہیب وقار، ڈاکٹر احمر اور ماہر روحانیات

پروفیسر زمان نے اس کیس کی اچھی طرح جانکاری کی۔

اس پراسرار کیس نے سب کے ہوش اُڑا دیئے تھے۔

اس میٹنگ سے مشترکہ رائے کے بعد ایک رپورٹ تیار کی گئی جس میں لکھا گیا۔

”علیشہ کو قتل کیا گیا تھا۔ یہ قتل کسی ایک آدمی نے نہیں کیا۔ یہ قتل چار افراد نے مل کر کیا تھا۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا سینہ

چاک کیا گیا تھا اس کے بعد اس کے جسم کے مختلف حصوں پر اس طرح کٹ لگائے گئے تھے کہ دیکھنے والے کی روح کانپ جائے۔“

”فی الحال آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کل ہم پھر آئیں گے مزید معلومات کے لئے۔“ ڈاکٹر احمر نے ہمسیم سے کہا۔ ہمسیم نے انہیں

چائے پیش کی۔ ماہر روحانیات پروفیسر زمان اپنی ڈائری میں کچھ لکھ رہے تھے۔ ہمسیم نے ان کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے کہا۔

”کوئی اور بات بھی ہے آپ کے ذہن میں؟“

پروفیسر زمان نے خاموشی سے ہمسیم کی طرف دیکھا اور پھر دوبارہ ڈائری میں کچھ لکھنے لگے۔ ہمسیم خاموشی سے اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

ڈاکٹر احمر نے پروفیسر زمان کو کریدنے کی کوشش کی۔ ”پروفیسر صاحب کا مشاہدہ ہم سب سے زیادہ گہرا ہے۔ ضرور کوئی بات ہے۔“

پروفیسر نے احمر کی طرف دیکھا۔ ”تم نے علیشہ کی کلائی پر بندھا شیشے کا بال نہیں دیکھا۔ سیاہ ڈوری سے بندھا ہوا چھوٹا سا شیشے کا بال، نہ

جانے اس کا کیا مقصد ہے۔ اس لاش کے ساتھ اچھی علامتیں منسوب نہیں ہیں۔ اس کا باہر آنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔“ پروفیسر زمان کی بات سن

کے سب سوچ میں پڑ گئے۔ کیونکہ پروفیسر زمان کوئی معمولی آدمی نہیں تھے۔ اپنے پیشے میں ان کا ایک نام تھا۔ وہ بڑے بڑے مسائل کا حل آسانی سے

نکال لیتے تھے۔ ڈاکٹر احمر نے گہری نظر سے ہمسیم کی طرف دیکھا۔

”خدا پر بھروسہ رکھیں۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔“ انہوں نے اپنی میٹنگ ختم کی۔

دل ہی دل میں وہ سب بہت خوش تھے۔ کتنے عرصے کے بعد انہیں ایسا دلچسپ کیس ملا تھا جو ان سب کی ترقی کا زینہ بن سکتا تھا۔ ان سب



کے ذہنوں کو اس کیس نے ایک خوفناک پہیلی کی طرح جکڑ لیا تھا۔ ان سب کی تمام تر توجہ اب اس کیس کی طرف تھی۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ باہر اس آب و ہوا میں یہ لاش کب تک ٹھیک رہ سکتی ہے۔ وہ دن رات اس لاش کے ساتھ تجربات کرنے میں مصروف تھے۔ کافی حیرت انگیز باتیں سامنے آرہی تھیں۔ انہوں نے پلاننگ کے مطابق چار دن بعد خبر منظر عام پر لانی تھی۔ اس لئے وہ سب دن رات اس کیس پر کام کرنے لگے۔

شائزہ نے اخبارات کے لئے ایک زبردست تہلکہ مچا دینے والا فیچر تیار کر لیا تھا۔ وہ دنیا کو ایک ایسی خبر سنانے جا رہے تھے جو انسانوں کے روٹنے کھڑے کر دے۔

کام سے فارغ ہونے کے بعد جاسم اور ہصیم اپنی اپنی گاڑیوں میں سوار ہو گئے۔ جاسم کے ساتھ شائزہ بھی اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ جاسم کی گاڑی اسٹارٹ نہیں ہوئی اس نے اسٹیرنگ پر مکہ رسید کیا۔

”پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔“

ہصیم کو ان کی ہنسی اڑانے کا موقع مل گیا۔ ”آ جاؤ! میں تم دونوں کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔“

جاسم نے دانت پیستے ہوئے شائزہ کی طرف دیکھا۔ ”اس کو بہت ہنسی آرہی ہے نا..... آج اسی کی گاڑی میں بیٹھتے ہیں۔“

شائزہ اور جاسم گاڑی سے اتر کر ہصیم کی طرف بڑھے تو اس کی ساری ہنسی ہوا ہو گئی۔ ”بڑے ڈھیٹ ہو یا ر فوراً تیار ہو گئے۔“ ہصیم نے جاسم کو چوٹ لگائی۔

جاسم اور شائزہ بہت ڈھٹائی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ”چلو چلو زیادہ نخرے نہ دکھاؤ..... پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔“

ہصیم اکیلا گھر جاتا تو وقت پر گھر پہنچ جاتا لیکن جاسم اور شائزہ کی وجہ سے وہ خالصتہً ہو گیا کیونکہ جاسم اور شائزہ کے گھر کی نسبت اس کا گھر کافی فاصلے پر تھا۔

اس نے اپنی گھڑی دیکھی تو اس نے اسٹیرنگ پر ہاتھ دے مارا۔ ”اوہ! شٹ! آج تو امی بہت غصے میں ہوں گی۔ گیارہ بج رہے ہیں۔“ اس نے گاڑی کو ریس دینا شروع کی اور ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ سپیڈ زیادہ ہونے کی وجہ سے گاڑی اس کے کنٹرول سے باہر ہو رہی تھی۔

اس وقت ایک ذمے دار افسر نے چھچھورے لڑکے کا روپ دھارا ہوا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا سامنے سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا کہ یکا یک تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اس نے غور سے دیکھنا چاہا کہ روشنی کس چیز کی ہے لیکن روشنی اس قدر تیز تھی کہ وہ اپنی آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو گیا اس نے بازوؤں سے اپنی آنکھیں چھپالیں۔ اس کی گاڑی کو شدید جھک لگا پھر اس کی گاڑی ہوا کے کسی بھنور میں داخل ہو گئی۔ جس میں اس کی اور اس کی گاڑی کی حیثیت

کاغذ کے کسی پُرزے کی سی تھی اور گاڑی بھنور میں چرخی کی طرح گھوم رہی تھی۔ وہ چیخ رہا تھا لیکن اسے اپنی چیخیں بھی سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

آہستہ آہستہ وہ اپنا ہوش کھو بیٹھا۔ اس کے دماغ نے تب کام کرنا شروع کیا جب اس کی گاڑی مٹی کے کسی ڈھیر پر گری۔ اس جگہ دُور دُور



تک آبادی نہیں تھی۔ وہ پریشانی میں ادھر ادھر نظر دوڑانے لگا۔

تاریکی میں ڈوبے ہوئے اس پر ہول ویرانے میں اسے کسی جانور تک کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ”یہ سب میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟“ اس کا دماغ جو حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا یہ سب سمجھنے سے قاصر تھا۔

اس نے اپنی گھڑی دیکھی۔ ”اوہ شٹ!“  
گھڑی اب کام نہیں کر رہی تھی۔

وہ بلند آواز میں چلایا۔ ”کوئی ہے۔“ اس کی بازگشت ہی اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اسے کوئی جواب نہ ملا۔

وہ تھکے تھکے قدموں سے گاڑی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ گاڑی کے ٹائر نصف نصف ریتیلی مٹی میں دھنسے ہوئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اکیلا گاڑی باہر نہیں نکال سکتا۔ اس نے گاڑی کے بونٹ پر ایک مکار سید کیا۔ ”اس نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا۔“ پھر اچانک اسے روشنی سی محسوس ہوئی اس نے پلٹ کر دیکھا تو نو دس لوگ مشعلیں اٹھائے اس کی طرف آرہے تھے۔

وہ لوگ اتنے فاصلے پر تھے کہ ہمسیم کو صرف مشعلیں دکھائی دے رہی تھیں۔ آنے والوں کے اجسام دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

آہستہ آہستہ وہ لوگ ہمسیم کے قریب آتے گئے۔ ہمسیم نے اپنا لائٹر لگا کے انہیں اپنی طرف آنے کا اشارہ دیا۔

ان لوگوں نے اپنے قدم تیز کر لئے۔

وہ لوگ جب ہمسیم کے قریب پہنچے تو ہمسیم انہیں دیکھ کے چونک اٹھا۔ ان کے جسموں پر لباس برائے نام تھا۔ سب نے مالٹے رنگ کی لنگوٹیاں پہن رکھی تھیں۔ وہ سب اسے مبہوت نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر نہ سمجھ میں آنے والی زبان میں آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ان میں سے ایک آدمی سے رہا نہ گیا اور وہ ہمسیم کے قریب آ کے اس کے کپڑوں کو چھو کے دیکھنے لگا۔

دوسرے شخص نے اسے جھٹکے سے اپنی طرف کھینچ لیا اور ہمسیم کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کچھ بولنے لگا۔ اس کے بولتے ہی وہ سب آدمی ہمسیم پر جھپٹ پڑے۔ ہمسیم نے بھاگنے کی بہت کوشش کی لیکن انہوں نے ہمسیم کو زنجیروں میں جکڑ لیا۔ ہمسیم نے اپنے آپ کو ان آدمیوں کی گرفت سے چھڑوانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ خود کو چھڑا نہیں سکا۔

وہ لوگ اسے جانور کی طرح گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ کچھ فاصلے پر انہوں نے اپنے گھوڑے کھڑے کر رکھے تھے۔

وہ سب اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ایک شہہ سوار نے ہمسیم کو اپنے گھوڑے پر اٹا لٹا دیا۔

اس نے گھوڑا دوڑانا شروع کیا تو ہمسیم کی پسلیاں بھیج کر رہ گئیں۔ اسے گھڑسواری کا کوئی تجربہ نہیں تھا اس لئے اسے اپنی جگہ سے ہلنے میں موت نظر آرہی تھی وہ جوں کا توں ہی لٹکا رہا۔

اس گھمبیر تاریکی میں وہ اسے کہاں لے جا رہے تھے۔ ہمسیم کچھ بھی ٹھیک طرح سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس اتنا اندازہ کر سکتا تھا کہ ان کے گھوڑے دیو پیکل پہاڑوں کے وسط میں دوڑ رہے تھے۔



طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد انہوں نے اپنے گھوڑے ایک بڑی سی حویلی کے آگے روکے۔ ہمسیم کو جب انہوں نے گھوڑے سے اتارا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وہ حویلی جیسے ابرام مصر کا کوئی شاہکار تھی۔ یہ سمجھنا مشکل تھا کہ یہ حویلی ہے یا مندر میں بیس فٹ کے عجیب شکل و شباہت کے مجسمے باہر دیواروں پر ایستادہ تھے۔

حویلی کے باہر لاتعداد مشعلیں روشن تھیں۔ ہمسیم یہ سب سکتے کی سی کیفیت میں دیکھ رہا تھا کہ ایک آدمی نے اسے پیچھے سے دھکا دیا۔

”کیا دیکھ رہے ہو۔ اندر چلو۔“ وہ آدمی اسے حویلی کے اندر لے گیا۔

وہ حویلی کے اندر داخل ہوا تو اندر کا منظر ہی کچھ اور تھا۔ اسے ایسے لگا جیسے کسی پہاڑ کی غار میں داخل ہو گیا ہو۔ اس وقت اس کا دماغ کسی ویڈیو کیمرے کی طرح کام کر رہا تھا۔

یہ سب کچھ ایسے تھا جیسے کوئی جاگتے میں خواب دیکھتا ہے کہ کبھی کوئی ناظم مشین اسے کئی ہزاروں سال پیچھے وقت میں لے جائے اور وہ کھلی آنکھوں سے وہ جیتے جاگتے مناظر دیکھ سکے۔ جن کی راکھ اور مٹے ہوئے اثرات سے ماہرین آثار قدیمہ وہاں کے رہنے والوں کی زندگیوں کا کھوج لگانے میں اپنی زندگی وقف کر دیتے ہیں۔ ہمسیم کچھ ایسا ہی دیکھ رہا تھا۔

بل کھاتی ہوئی غیر ہموار گلیوں سے گزرتے ہوئے چند اشخاص ہمسیم کو ایک ہال نما کمرے میں لے گئے۔ یہ غالباً کوئی دربار تھا۔ جہاں دس بارہ افراد قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے ایک مدبر شخص تخت پر بیٹھا تھا۔ غالباً وہ ان کا سردار تھا۔ ہمسیم کو سردار کے سامنے پیش کیا گیا۔ دربار کے تمام افراد نے وہی لباس زیب تن کیا ہوا تھا جو لباس ہمسیم کو پکڑنے والے افراد نے پہنا ہوا تھا۔

سردار کا لباس تھوڑا مختلف تھا۔ اس کے لباس میں نگینے جڑے ہوئے تھے۔ جو اس کے سردار ہونے کی علامت تھے۔ انہوں نے ہمسیم کو بازوؤں سے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ انہوں نے سردار کو اپنی مخصوص زبان میں کچھ سمجھایا۔ اس کے جواب میں سردار نے اسی زبان میں ان سے بات کی۔ سردار ہمسیم کے نزدیک آیا اور اسے سر تاپا دیکھتے ہوئے اپنی مخصوص زبان میں اس سے کچھ پوچھنے لگا۔

ہمسیم اس کی زبان سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس نے اپنی زبان میں بولنا شروع کر دیا۔ جس سے سردار سوچ میں پڑ گیا۔ سردار نے ایک آدمی سے ہمسیم کی تلاشی لینے کو کہا۔ ہمسیم کی جیب سے ایک بوٹے کے علاوہ کچھ نہیں ملا اور وہ بوٹہ بھی خالی تھا۔ سردار نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ہمسیم کو مہمان خانے میں ٹھہرانے کے لیے کہا۔ سردار کا یہ رویہ ہمسیم کی توقع کے خلاف تھا۔

سردار غالباً ایک اچھا آدمی تھا۔ اس نے جیسے ہمسیم کا چہرہ پڑھ لیا تھا۔ اس نے ہمسیم کے بارے میں کسی شک کا اظہار نہیں کیا سوائے اس کے کہ وہ ہمسیم کے لباس اور اس کی گاڑی سے حیران و پریشان تھا۔

مہمان خانے میں ہمسیم کا بہت خیال رکھا گیا۔ ہمسیم کو گھومنے پھرنے کی پوری آزادی تھی۔ نہ جانے سردار نے اس کے چہرے پر ایسا کیا پڑھ لیا تھا کہ اس نے اس پر ذرہ برابر بھی شک نہیں کیا۔



ہمسیم حیرت کے اس مقام پر تھا جہاں اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جن حالات سے دوچار تھا۔ اس کے پروفیشن کے لئے کوئی لائٹری نکل جانے کے برابر تھا لیکن وہ جب بھی ریسرچ کے لئے ذہن بناتا تو اس کے سامنے ایک سوالیہ نشان بن کے رہ جاتا۔ کبھی اسے یہ گمان ہونے لگتا کہ کہیں وہ مرنے نہیں چکا اور اس کی روح کسی دوسری دنیا میں بھٹک رہی ہو۔

پھر وہ اپنے بازوؤں کی چٹکی لے کر خود کو اپنے مادی وجود کا احساس دلاتا۔ وہ انہی سوچ کی بھول بھلیوں میں کھویا ہوا حویلی سے باہر نکل گیا۔ اسے حویلی سے نکلتا دیکھ کے ایک ملازم گھوڑا لے کر اس کی طرف بڑھا۔ اس نے کچھ بولے بنا گھوڑا ہمسیم کے حوالے کر دیا اور اسے ایک تلوار بھی دی۔ ہمسیم نے تلوار دیکھ کے انکار میں اپنا سر ہلایا تو ملازم نے اسے اشارہ کی زبان میں سمجھایا کہ اسے جنگل سے گزرنا ہوگا جہاں خطرناک جانور ہیں۔

اس کے اشارے سمجھتے ہوئے ہمسیم نے تلوار رکھ لی اور گھوڑا دوڑاتا ہوا ڈور نکل گیا۔ وہ دل ہی دل میں سردار کی خوش اخلاقی کی تعریف کر رہا تھا۔

ہمسیم کو اندازہ نہیں تھا کہ اسے کسی دوسری آبادی تک پہنچنے کے لئے کس قدر فاصلہ طے کرنا ہوگا۔ جنگل تھا کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ رات ہو گئی تھی۔ اس خوفناک تاریکی میں ہمسیم بہت حوصلے سے گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ وہ سردار کے ملازم کا مشکور ہو رہا تھا جس نے اسے ایک مشعل بھی تھما دی تھی۔ اس نے کپڑے بھی ویسے ہی پہن رکھے تھے جیسے ادھر کے باشندے پہنتے تھے۔ اس لئے وہ بغیر کسی خوف کے ریسرچ کرنے نکل گیا تھا۔

طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس نے اپنا گھوڑا روکا تو ایک آدمی جو شاید پہلے سے ہی اس کا منتظر تھا۔ اس نے روایتی انداز میں ہمسیم کو خوش آمدید کہا۔

ہمسیم نے پوچھنا چاہا کہ اس کے ادھر پہنچنے کی اطلاع ان لوگوں کو کیسے تھی لیکن ہمسیم نہ کسی سے کچھ کہہ سکتا تھا اور نہ کسی کی بات سمجھ سکتا تھا۔ چند افراد ہمسیم کو لے کر ایک بڑی سی حویلی میں داخل ہو گئے۔ یہاں علیحدہ علیحدہ گھر بنا کے رہنے کا رواج نہیں تھا۔ وہ قبائل کی شکل میں رہتے تھے۔ ایک حویلی میں کئی خاندان رہ رہے تھے۔ ہمسیم کو حویلی کے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ یہ ہمسیم کے لئے اچھا موقع تھا کہ وہ ان لوگوں کے رہن سہن پر غور کر سکے۔

رات گزارنے کے بعد صبح صبح ہی ہمسیم گشت پر نکل گیا۔ حویلی کے سارے کمرے ابھی بند تھے۔ شاید وہاں کے رہائش پذیر ابھی گہری نیند سو رہے تھے۔ ہمسیم ابھی تک یہ بھی نہ جان سکا تھا کہ وہ کہاں ہے۔ ابھی صبح اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ افروز نہیں ہوئی تھی۔ دھندلی سی نیلی نیلی روشنی میں ہر چیز دھندلی دکھائی دے رہی تھی۔

شاید ہمسیم کے لئے یہ وقت زیادہ مناسب تھا جب اس پر کوئی نظر نہ رکھ سکے۔ وہ ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے حویلی کے پچھلے حصے کی طرف بڑھا تو وہاں ایک کمرے میں کسی کھڑکی سے روشنی چھن کے باہر آرہی تھی۔ تجسس کی ایک لہر ہمسیم کو کھینچتے ہوئے اس کمرے تک لے گئی۔



وہ کمرے کی کھڑکی کے قریب گیا تو کمرے میں کینڈل اسٹینڈ میں لاتعداد موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ان کی سرخ روشنی ہی چھن کر باہر آرہی تھی۔

ہمسم نے گہری نظر سے کھڑکی میں جھانکا تو ایک بوڑھا آدمی مور کے پر سے کچھ لکھ رہا تھا۔

ہمسم نے بغیر کچھ سوچ کر دروازے پر دستک دے دی۔ بوڑھے آدمی نے اپنا قلم رکھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

بوڑھے نے دروازہ کھولا تو ہمسم کو سامنے پا کر اس نے اپنی مخصوص زبان میں ہمسم سے اس کا تعارف پوچھا۔ ہمسم کو کچھ سجھائی نہ دیا کہ وہ کیا کہے۔ اس نے اپنی زبان باہر نکالتے ہوئے ہاتھ سے انہیں اشارہ کیا جس سے بوڑھے نے خیال کیا کہ وہ گونگا ہے۔

پھر ہمسم نے اس سے اشارتا اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اس نے بڑے خلوص سے اسے اندر بلا لیا۔

بوڑھا آدمی اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

ہمسم اس کے ساتھ رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

کھڑکی کے باہر سے میز پر جو کاغذ دکھائی دے رہے تھے وہ کاغذ نہیں تھے۔ بڑے بڑے پتوں کی نمی کو کسی خاص انداز سے اس طرح خشک کر کے ایک کتاب تیار کر رکھی تھی۔

ہمسم نے اشارے سے پوچھا کہ وہ یہ کتاب پڑھ سکتا ہے۔

بوڑھے نے کتاب اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

کتاب کے پہلے صفحے نے ہی ہمسم کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔

وہ چار ہزار سال پہلے کے دور میں تھا اور اس صفحے پر جو زبان لکھی تھی وہ وہی زبان تھی جو اس نے عیشیہ کے کیس میں پڑھی تھی۔

اس تصور سے کہ وہ ماضی میں کیسے پہنچ گیا، تھر تھراہٹ کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بوڑھے شخص کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ من ہی من میں سوچ رہا تھا کہ جن لوگوں میں ہے ان سب کو مرے چار ہزار سال گزر چکے ہیں۔ میں ان لوگوں میں کیسے پہنچ گیا کہیں میں بھی تو..... اس کے لئے اپنا وجود ایک بار پھر بے یقین ہونے لگا۔ وہ لمبے لمبے سانس لینے لگا اس کا چہرہ پسینے سے شرابور ہو گیا۔

وہ چلا اٹھا۔ صفحے اس کے ہاتھ سے پھسل گئے۔

بوڑھا شخص مبہوت نظروں سے اس کی یہ حالت دیکھ رہا تھا۔

بوڑھا اٹھ کے اس کے قریب گیا اس نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اس کا دل جیسے باہر آ رہا تھا۔

بوڑھے نے اسے انتہائی پیار سے بستر پر لٹا دیا۔

ہمسم کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اسے بستر پر نہیں قبر میں لٹا دیا گیا ہے وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا۔



بوڑھے نے اس کی خراب حالت دیکھتے ہوئے اسے نیند کی دوا پلا دی۔ وہ جلد ہی گہری نیند سو گیا۔  
اسے نہیں خبر تھی کہ وہ کتنی دیر سویا رہا۔ البتہ پازیب کی مدھری جھنکار سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

خوبصورت، سڈول جسم کی نقاب پوش لڑکی کمرے کی چیزوں کی جھاڑ پونچھ کر رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت سے چوڑیوں کی چھن چھن کی آواز سے فضا میں جیسے رعنائی سی آگئی۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مگن تھی کہ اسے ہصیم کے اٹھنے کی خبر تک نہ ہوئی۔  
جونہی اس کی ہصیم پر نظر پڑی وہ چھوٹی موٹی کے پھول کی طرح شرما کے کمرے سے باہر بھاگ گئی۔ اس نے ہصیم کو نظر بھر کے دیکھا بھی نہیں۔  
”یہ تو مجھے دیکھ کے ایسے بھاگی ہے جیسے میں کوئی بھوت پریت ہوں۔“ ہصیم نے خود کلامی کی۔

اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ ہصیم نے فوراً میز کی طرف دیکھا۔ میز پر وہ کتاب پڑی ہوئی تھی جو بوڑھا شخص لکھ رہا تھا۔ ہصیم ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بوڑھے کی نشست پر بیٹھ گیا۔

اس نے کتاب پڑھنا شروع کی۔ شروع کے صفحات میں اس کے علاقے کے لوگوں کے مختلف رسم و رواج کا ذکر تھا۔ وہ صفحات پلٹتا رہا۔  
ایک صفحے پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔ اس صفحے پر لکھا تھا۔

”ایک دوسرے کو دور دراز کے علاقوں میں پیغام پہنچانا اب ہمارے لئے مسئلہ نہیں ہے۔ کالے جادو کے پیشوا اور شیطانی شکلیوں کے مالک و دھات سوامی اپنی آسبھی طاقتوں کی مدد سے ہمارا بڑے سے بڑا کام کر دیتے ہیں۔“  
اس صفحے کے بعد اگلے صفحے میں..... بھی جو بات لکھی تھی وہ تعجب خیز تھی۔

”پورے پانچ روز بعد اماؤس کی بھیا نک رات آنے والی ہے۔ خون کی پیاسی یہ رات نہ جانے اس بار کس کا خون بہائے گی۔ آگ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے معصوم لڑکیوں کی لمبی دینے کا یہ ظالمانہ کھیل آخر کب ختم ہوگا۔“

اس دوران ہصیم کو قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے کتاب بند کر دی اور وہ آگے نہ پڑھ سکا۔  
بوڑھا شخص کمرے میں داخل ہوا۔ ہصیم چار پائی پر لیٹ چکا تھا۔ وہ ہصیم کے قریب آیا۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کے اس کا بخار دیکھنے لگا۔  
پھر اس نے ہصیم کے لئے کچھ کھانے کے لئے منگوایا۔

کچھ کھانے کے بعد ہصیم باہر چلا گیا۔ مزید جانکاری کے لئے وہ دوسرے لوگوں سے بھی ملا۔  
پھر اس نے سمجھداری سے کام لیا اور وہاں سے نکل پڑا۔ اس ارادے کے ساتھ کہ وہ دوبارہ ادھر آئے گا۔

اسے گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ ایک ویران سی جگہ پر اس نے اپنا گھوڑا روک دیا۔ اس نے ایک گھنے درخت کے تنے سے گھوڑے کی رسی باندھی اور درخت کے ساتھ پشت لگا کے بیٹھ گیا۔ اس کے ذہن میں سوچوں کا لامتناہی سلسلہ چل پڑا۔

اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔  
اس کا ذہن وہ سطریں بار بار دہرا رہا تھا جو اس نے بوڑھے شخص کی کتاب میں پڑھی تھیں۔ جس میں آگ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے



معصوم لڑکیوں کی لمبی دینے کا ذکر تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے گہری سوچ میں گم تھا کہ یک لخت ٹھٹھرتی ہوا کے جھونکے نے درخت کے پتوں میں بھونچال سا چا دیا۔ پھر اچانک کوئی نرم گداز سا ہاتھ اس کے چہرے کو چھو کے گزر گیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو پاس کوئی نہیں تھا۔

وہ جھٹ سے کھڑا ہو گیا اور چاروں طرف نظر دوڑائی، دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ چہرے کے جس حصے پر ہاتھ کا لمس محسوس ہوا اس نے وہ حصہ چھوا۔ ”میرا اس طرح اس جگہ موجود ہونا غیر معمولی بات ہے۔ یقیناً ایسی کوئی نہ کوئی طاقت ہے جو یہ سب کر رہی ہے۔ جیسا مجھے ابھی محسوس ہوا۔ یہ میرا وہ نہیں تھا۔“ اس نے لمبی سانس کھینچی۔ ”میرے رب میرے ذہن کو اتنی وسعت دے کہ میں یہ سب کچھ سمجھ سکوں۔“

اس پراسرار احساس کے بعد اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار بوڑھے شخص کی کتاب کا وہ صفحہ آنے لگا جس میں کسی کالے جادو کے پیروکار کا ذکر تھا۔ یہ صفحہ اس کی آنکھوں کے سامنے کبھی نہ دکھائی دینے والے رستے پر مشعل کی طرح جگمگانے لگا۔ اسے غائبانہ طور پر یہ احساس ہونے لگا کہ چھپے ہوئے راز جنہوں نے اس کے دماغ میں بھونچال مچا رکھا ہے، افشا ہو جائیں گے اگر وہ کسی طرح اس سوامی کے پاس پہنچ جائے۔

اسے وہاں سے ابھی آنا نہیں چاہئے تھا اسے منزل پانے کے لئے سر پر کفن باندھ لینا چاہئے۔ اپنے مقصد کی لگن کے جوش میں وہ شہسوار ایک بار پھر اس قبیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

لیکن سارے راستے ایک خیال نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ جس نبی طاقت کو اس نے اپنے ارد گرد ہوا میں محسوس کیا وہ کون تھی.....؟ وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے.....؟

ہمسیم نے کسی طرح اس سوامی کا پتہ لگا لیا۔ سوامی کا ٹھکانہ قبیلے سے چار کلومیٹر دور تھا۔ جس جگہ وہ رہتا تھا وہ کوئی گھر نہیں تھا بس ایک پہاڑی سلسلہ تھا۔ بوڑھے شخص کے کہنے کے مطابق وہ سوامی کسی پہاڑ کی غار میں رہتا تھا۔ اس کا ٹھکانہ ڈھونڈنا ڈھونڈنا ہمسیم آخر اس غار تک پہنچ گیا۔

غار اتنی وسیع و عریض تھی کہ اس غار میں سینکڑوں لوگ رہ سکتے تھے۔ غار کی دیواروں پر بیسیوں مجسمے ایستادہ تھے۔ ہمسیم کے قدم رک گئے۔ ایک نوجوان آگ جلانے آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگ کے اوپر اکر اکر رکھے تھے۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ شاید اپنی عبادت میں مصروف تھا کیونکہ یہ لوگ آتش پرست تھے۔ ہمسیم کچھ بولنے کے بجائے اس جوان کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ من ہی من میں سوچ رہا تھا کہ یہ یقیناً اس سوامی کا بیٹا ہوگا جس کے علوم کی پورے قبیلے میں دھوم مچی ہے۔ ہمسیم آدھا گھنٹہ بیٹھا رہا لیکن اس جوان نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن اس نے اپنی مخصوص زبان میں پوچھا ”کون ہو.....؟“ ہمسیم نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

جوان نے آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھوں میں جیسے انگارے دہک رہے تھے۔ اس نے ہاتھ آگ پر سے ہٹائے تو اس کے دونوں ہاتھوں پر چھالے بن گئے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے سینے پر پھیرتے ہوئے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ پھر اس نے تھوڑی مٹی لی اور ہاتھوں پر ملنے لگا۔



ہصیم نے ایک کاغذ اس کے آگے کیا جس پر اس نے ان لوگوں کی زبان میں لکھا تھا۔ ”میں اس سوامی سے ملنا چاہتا ہوں جس کے علوم کی دھوم پورے علاقے میں مچی ہوئی ہے۔“ جوان نے اشارے سے کہا۔ ”میں ہی وہ سوامی ہوں۔“

ہصیم اس کی طرف تعجب سے دیکھنے لگا جو کچھ ہصیم نے اس کے بارے میں سنا تھا۔ وہاں تک رسائی کے لئے ایک لمحہ درکار ہوتا ہے۔ ابھی وہ ہصیم کی طرف متوجہ ہی ہوا تھا کہ یک لخت اس کے چہرے پر تناؤ سا آ گیا۔ اس نے جھٹکے سے سامنے کی طرف دیکھا اور پھر ہوا میں باتیں کرنے لگا۔ غالباً اس نے کسی آسمانی مخلوق کو حاضر کیا تھا۔

اس وقت ہصیم کو شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ کسی طرح سے وہ اس زبان کو سمجھ سکے تو وہ بہت کچھ جان سکے۔ ہصیم کو اشتیاق ہو رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ہصیم کچھ دیر بعد ہی وہاں سے واپس آ گیا۔ وہ بوڑھے شخص کے گھر آیا اور اسے لکھ کے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ہصیم کو اپنی زبان بولنا سکھا دے۔

یہ زبان سیکھنا ہصیم کے لئے بہت مشکل تھا لیکن اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے چار روز کی محنت سے کافی حد تک زبان بولنا سیکھ لی۔ وہ زبان لکھنا جانتا تھا اسی لئے وہ یہ زبان بولنا جلدی سیکھ گیا۔ ہصیم ایک بار پھر اسی جادوگر کے پاس گیا۔

اس بار بھی وہ آنکھیں بند کئے گیان میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو ہصیم کو دیکھ کے مسکرا دیا۔ ہصیم نے اس سے اشارتا پوچھا کہ وہ ہوا میں کس سے باتیں کرتا ہے۔ ہصیم کے اس سوال پر اس نے زوردار قہقہہ لگایا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اتنا حوصلہ ہے دیکھ سکو گے۔“

یہ کہہ کر اس نے مٹھی بند کر لی اور ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کچھ پڑھنے لگا۔ پھر اس نے اپنی مٹھی پر پھونک دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ کو ہوا کی طرف اچھالتے ہوئے مٹھی کھول دی۔ خوفناک غراہٹوں کی آواز فضا میں گونجنے لگی جس کے ساتھ ہی ہصیم چیخ مار کر دیوار کے ساتھ جا لگا۔

سفید غبار میں ایک بھیڑ یا نما آدمی نمودار ہوا جس کی جسامت اس قدر بڑی تھی کہ ہصیم اور وہ سوامی اس کے آگے چیونٹی کی طرح محسوس ہو رہے تھے۔ اس کی خوفناک شکل دیکھ کے ہصیم کی گھگی بندھ گئی۔ وہ آنکھیں بند کر کے چیخنے لگا۔ یہ سب اس کی برداشت سے باہر تھا۔ سوامی اس بھیڑ یا نما آدمی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

اس نے اپنے دونوں بازو فضا میں اکڑائے اور سینہ تان کر فخریہ لہجے میں چلانے لگا۔ ”اس اماؤس کی رات بہت بڑا تجربہ کروں گا اس رات تمہارے جیسی جتنی بھی آسپی طاقتیں میرے پاس ہیں ان سب کی آزمائش ہوگی۔ میری پُر اسرار شکلیوں کا ایک دھماکہ ہوگا۔“



سوامی کے قہقہے فضا میں گونج رہے تھے اور اس وقت وہ خود ایک آسیب دکھائی دے رہا تھا۔ چند دنوں بعد اماوس کی رات بھی آگئی اس رات مندر پر بہت چراغاں کیا گیا تھا۔

لوگوں کا ایک ہجوم تھا۔ عورتیں اس طرح بھی سنوری تھی جیسے وہ کسی کی شادی کی تقریب میں آئی ہوئی ہوں۔ ہمسیم بھی مندر میں داخل ہو گیا۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد دیوہیکل مورتی کے آگے کھڑی تھی۔

وہ لوگ اس مورتی کو چڑھاوے چڑھا رہے تھے۔ مورتی کے دامن میں آگ دکھ رہی تھی۔ وہ چڑھاوا چڑھانے کے بعد کوئی چیز اس میں پھینکتے۔ جس سے آگ کا رنگ تھوڑی دیر کے لئے بدل جاتا۔ جس سے چڑھاوا چڑھانے والا نعرے بلند کرتا چلا جاتا۔ ”اس کی منشا پوری ہوگئی۔“ ایک آدمی زور سے چلایا۔ ”جلدی جلدی چڑھاوے چڑھاوے سردار صاحب کے آتے ہی رقص کی رسم ادا ہوگی۔“ ہمسیم نے ان لوگوں میں شامل ہونے کے لئے انہی کا لباس اوڑھ رکھا تھا۔

کچھ ہی دیر کے بعد سردار کی بگھی آگئی جس کے ساتھ ہی سب لوگ قطاروں میں زمین پر بیٹھ گئے۔ سردار اور اس کے ساتھی بھی سب سے آگے زمین پر بیٹھ گئے۔ ان کو مشروب پیش کیا گیا۔ پھر ایک پنڈت سردار کے پاس آیا۔

”سردار محترم! رقص کی رسم ادا کی جائے؟“ سردار نے مثبت انداز میں سر ہلایا تھوڑی ہی دیر کے بعد چار دیو داسیاں انتہائی خوبصورت لباس پہنے، قیمتی زیورات سے آراستہ ہو کے مورتی کے آگے پیش ہوئیں۔

انہوں نے رقص کے انداز میں نمستے کیا اور پھر مخصوص روایتی رقص میں مورتی کے آگے ناپنے لگیں۔ یہ دیو داسیاں جن کا کبھی بیاہ نہیں ہو سکتا جنہیں بھگوان کے لئے ہی وقف کر دیا جاتا ہے دلہن بنی ہوئی تھیں۔ وہ رقص کر چکیں تو ماحول ایک گھمبیر خاموشی میں ڈوب گیا۔

لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ دیکھو اس بار کون خوش نصیب دیوتا کے چرنوں میں قربان ہوتی ہے۔ کچھ ہی دیر کے بعد تین اور دیو داسیاں جنہوں نے دلہن کی طرح ہی سولہ سنگھار کیا ہوا تھا دیوتا کے چرنوں میں ڈھیر ہو گئیں۔ ان تینوں نے نقاب کیا ہوا تھا۔

ان میں ایک لڑکی اس بوڑھے شخص کی بیٹی تھی جس کے پاس ہمسیم اکثر جاتا تھا۔ ہمسیم نے اس نقاب پوش لڑکی کو پہچان لیا تھا کیونکہ ہمسیم کے سامنے وہ ہمیشہ نقاب اوڑھ کے آتی تھی۔

ہمسیم نے خود کلامی کی۔ ”یہ یہاں کیوں آئی ہے۔“ وہ تینوں لڑکیاں اسی روایتی انداز میں رقص کرنے لگیں۔ تینوں کے چہروں پر خوف کی پرچھائیاں تھیں ان کی آنکھوں کا کا جل پھیلا ہوا تھا۔ رقص کے بعد تینوں لڑکیوں نے یکے بعد دیگرے کانپتے ہاتھوں سے مورتی کے دامن میں جلی آگ میں کچھ پھینکا۔

نہ جانے ایسا کیا اشارہ ملا کہ مندر میں شور برپا ہو گیا۔ دیوتا کو یہ لڑکی بھاگتی ہے لوگ اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔



ہصیم کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا ایک پنڈت نے لوگوں کو ان کی جگہوں پر بٹھایا۔

دو لڑکیاں جا چکی تھیں۔ بوڑھے شخص کی بیٹی سامنے کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ پنڈت نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے نقاب ہٹایا تو ہصیم کے اوپر جیسے بجلیاں گر پڑیں۔

وہ علیشہ تھی۔

سنناہٹ کی ایک لہر سے اس کا پورا جسم کانپ اٹھا۔

چار پنڈت اس لڑکی کو لے کر کسی خاص جگہ چلے گئے۔

کچھ دیر کے بعد وہ پنڈت علیشہ کی خون میں لت پت لاش لے کر آئے اور اسے مورتی کے سامنے لٹا دیا۔

دو چار پنڈت آلتی پالتی مارے مورتی کے سامنے لاش کے پاس بیٹھ گئے اور کچھ پڑھتے ہوئے اس پر پھول پھینکنے لگے کہ ایک دم وہ چاروں ہڑبڑا کے اٹھے۔ علیشہ کی لاش غائب ہو چکی تھی۔

پورے مندر میں بھگدڑ مچ گئی لیکن ہصیم اپنی جگہ پر ہی کھڑا رہا اس کے ذہن میں سوامی کے فقرے گونج رہے تھے۔

”اس اماؤس کی رات بہت بڑا تجربہ کروں گا اس رات تمہارے جیسی جتنی بھی آسبی طاقتیں میرے پاس ہیں ان سب کی آزمائش ہوگی۔ میری پراسرار شکلیوں کا دھماکہ ہوگا۔“

ابھی یہ فقرے اس کے ذہن میں گونج رہے تھے کہ اچانک اس کا سر چکرانے لگا۔ اس کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں جیسے کسی نے اسے نیند کا انجکشن لگا دیا ہو وہ کب سو گیا اسے نہیں پتہ چلا۔

ہصیم نیند سے بیدار ہوا تو اس کی آنکھیں اس قدر بوجھل تھیں کہ وہ بمشکل کھول رہا تھا۔

جونہی اس کی آنکھیں کھلنے کے لیے کاپٹنے لگیں اس کے کانوں کو شور سانسائی دیا کوئی کہہ رہا تھا۔ ”ڈاکٹر صاحب جلدی آئیں ہصیم کو ہوش آرہا ہے۔“

یہ آواز اس کی ماں کی تھی۔

ہصیم ہوش میں تھا لیکن اس کا جسم جیسے بستر سے اٹھنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ ابھی تک نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے انجکشن دیا جس کے آدھے گھنٹے کے بعد ہصیم کو مکمل ہوش آ گیا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے بیڈ کے پاس اس کی ماں جاسم اور شازہ کھڑے تھے۔ خوشی کے مارے ان تینوں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

ہصیم کی ماں نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگالیا۔ ”خدا کا شکر ہے اس نے میرے بیٹے کو نئی زندگی دے دی۔“

”نئی زندگی.....“ ہصیم نے سوالیہ نظروں سے ماں کی طرف دیکھا تو ڈاکٹر اس کے قریب آیا۔ ”تم گزشتہ چھ مہینوں سے قوے میں ہو

تمہاری کنڈیشن اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ اگر تمہیں آج ہوش نہ آتا تو ہمارے لئے تمہیں بچانا مشکل ہو جاتا اس لئے تمہاری والدہ درست کہہ رہی



ہیں۔ آپ کو نئی زندگی مبارک ہو۔“

اس نے اپنی والدہ کے ہاتھ پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔ ”پلیز مجھے گھر لے جائیں مجھے بہت گھٹن ہو رہی ہے۔“  
 ڈاکٹر نے ہمسیم کے شانے پر تھپکی دی۔ ”صرف آج کا دن یہاں گزار لیں کل آپ واپس اپنے گھر چلے جانا۔“  
 جاسم اور شازہ کے لئے ہمسیم کا رویہ تشویشناک نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اسے قوے سے اٹھنے والا مریض تصور کر رہے تھے۔  
 جاسم کے موبائل کی رنگ ہوئی اس نے موبائل اٹینڈ کیا تو اس پر ”میج“ لکھا تھا۔  
 ”علیشہ زندہ ہو گئی۔“

جاسم نے یہ ”میج“ پڑھا تو کمرے میں کھڑے ہوئے لوگوں کے ہوش اڑ گئے۔ شازہ تعجب سے چیخ اٹھی۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“  
 ”یہ ہونا تھا میں جانتا تھا۔“  
 ہمسیم نے یہ کہہ کر اپنے ہاتھ سے ڈرپ کی سوئی نکال دی۔

”ہری اپ! ہمیں اسی وقت لیب میں پہنچنا ہے۔“ ہمسیم نے جاسم کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی چھین لی۔ ڈاکٹر اور جاسم نے ہمسیم کو روکنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن اس نے کسی کی نہیں سنی۔

جاسم اور شازہ ہمسیم کے ساتھ ہی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

جاسم چڑ کے بولا۔ ”کہیں گاڑی مار دو گے، مجھے ڈرائیونگ کرنے دو۔“  
 ہمسیم انتہائی طیش میں بولا۔ ”تم مجھے بیمار کیوں سمجھ رہے ہو، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“  
 شازہ اور جاسم کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اس آدمی نے جو کچھ فون پر کہا وہ سچ ہے۔  
 وہ لوگ آفس پہنچے تو آفس میں کوئی آدمی نہیں تھا۔

وہ تینوں آفس کے دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تو تھر تھراہٹ کی ایک لہر ان کے وجود سے اٹھی۔

شازہ کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی تو جاسم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ ڈیپارٹمنٹ کا بھاری بھر کم سامان اس طرح بکھرا ہوا تھا گویا کسی نے اٹھا کے یہ سامان دیوار سے مارا ہو۔

ان کے قدم جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے دہشت کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ ان کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی وہ لاشعوری طور پر ایک انجانے سے خوف کو محسوس کر رہے تھے۔ خوف سے تھر تھراتی ہوا ان کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھی کہ کچھ ہونے والا ہے۔  
 بکھرے ہوئے سامان میں سے راستہ نکالتے ہوئے وہ سرد خانے میں داخل ہوئے۔ سرد خانے میں بجلی کا نظام تباہ ہو چکا تھا وہاں بالکل اندھیرا تھا۔  
 جاسم نے ایمر جنسی لائٹ آن کی۔

وہ تینوں اس بلاک کی طرف بڑھے جہاں انہوں نے علیشہ کی لاش محفوظ کی ہوئی تھی۔



انہوں نے ہلاک کھولا تو شازہ کی خوف سے ہچکی نکل گئی۔ علیشہ کی لاش اپنی جگہ سے غائب تھی۔ اندھیرے میں ہصیم اور جاسم کے پاؤں کسی نرم گداز چیز سے ٹکرائے۔

ہصیم نے زمین پر لائٹ ماری تو خوف میں ڈوبی ہوئی کراہ ان کے حلقوم سے نکلی۔

جس آدمی نے موبائل پر میسج دیا تھا اس کی تیزاب میں جھلسی ہوئی لاش زمین پر پڑی تھی۔

ان تینوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور پورے سردخانے میں لائٹ مار مار کر علیشہ کی لاش ڈھونڈنے لگے۔ آدمی کی لاش دیکھنے کے بعد ان تینوں کے اوسان خطا تھے۔ سردخانے کے بہت سے حصے بری طرح جلے ہوئے تھے۔ جاسم نے جلے ہوئے حصوں پر روشنی ڈالی۔ ”لگتا ہے یہاں آگ لگی تھی۔“

”آگ لگی تھی تو اتنی جلدی کیسے بجھ گئی۔ یہ سب اتنی جلدی کیسے ہو گیا۔“ شازہ نے کہا۔ وہ تینوں کمپیوٹر سیکشن کی طرف بڑھے۔

کمپیوٹر سیکشن میں پانچ آدمی کام کر رہے تھے۔ وہ پانچوں لاشوں کی شکلوں میں زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ ان کی لاشیں اس طرح جھلسی ہوئی تھیں گویا انہیں کسی نے زندہ جلا دیا تھا۔

ہصیم اور جاسم نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ”اوہ میرے خدایا۔“

شازہ حواس باختہ ہو کے اونچی اونچی آواز میں چلانے لگی۔ ہصیم نے دہشت میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے ارد گرد دیکھا۔

”یہاں سے نکل چلو، یہاں موت کے سائے منڈلا رہے ہیں۔ جانے کب ہم لقمہ اجل بن جائیں۔“

جاسم نے ہصیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ”تمہارے منہ سے یہ بزدلوں والی باتیں..... جس نے ان سب کو قتل کیا ہے شاید وہ یہی کہیں ہو۔“

”ہم ان لوگوں کے قاتل کو آسانی سے نہیں پکڑ سکتے۔“

”کیوں؟“

”کیونکہ یہ قتل کسی انسان نے نہیں کئے۔“

ہصیم نے پریقین لہجے میں کہا۔

جاسم نے ہصیم کو سرتاپا دیکھا۔ ”تم یہ سب اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو۔ تم تو اس طرح کی باتوں پر کم ہی یقین کرتے ہو۔“

ہصیم نے جواب میں جاسم کا ہاتھ پکڑا۔ ”اس وقت یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں گھر جا کے تفصیلات بات کریں گے۔“

جاسم ہصیم پر چلانے لگا۔ ”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہاری منطق کچھ بھی سہی لیکن یہ سارے قتل ہمارے آفس میں ہوئے ہیں۔ ہمیں پولیس کو فون کرنا ہے اور ان لاشوں کی تدفین و تکفین کا بندوبست بھی کرنا ہے۔“ یہ کہہ کے جاسم شازہ سے مخاطب ہوا۔ ”شازہ تم ہصیم کو لے کر گھر جاؤ

میں ایسبولینس منگواتا ہوں۔“



”میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی۔“

”پلیز میری بات مانو..... تم اسے لے جاؤ۔“

”تم ایسبولینس منگواؤ اور پولیس کو بھی مطلع کرو میں اور ہمسیم کہیں نہیں جائیں گے۔“

جاسم نے موبائل سے نمبر ملائے کچھ ہی دیر میں پولیس ایسبولینس لے کر وہاں پہنچ گئی۔  
پورے آفس میں پولیس پھیل گئی۔

جاسم، ہمسیم اور شازہ ایک ٹیبل کے گرد پڑی ہوئی چیز پر بیٹھ گئے۔ جاسم میز پر انگلی سے لکیریں کھینچنے لگا۔

”آخر علیشہ کی لاش کہاں گئی؟“

”یہ سب کیسے ہو گیا۔“ جاسم بے چینی سے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ ہمسیم سکتے کی سی کیفیت میں چپ بیٹھا تھا۔ شازہ نے اس کی

خاموشی کو توڑا۔

”تم کیوں خاموش ہو کچھ تو بولو۔“ ہمسیم نے اپنی ویران آنکھوں سے شازہ کی طرف دیکھا۔

”جو کچھ میں جانتا ہوں یہاں نہیں بتا سکتا، گھر چلتے ہیں وہاں اس موقع پر بات کریں گے۔“

انسپکٹر ان کے قریب آیا۔ ”ایکسکیوز می سر! آپ تینوں سے چند سوال کرنے ہیں۔ امید ہے آپ تینوں اس کیس میں ہماری مدد کریں

گے۔“ یہ کہہ کر انسپکٹر نے ان تینوں سے چند سوال پوچھنے کے بعد ان کو جانے دیا۔

ایک رات ہمسیم نے جاسم اور شازہ کو اپنے گھر بلایا۔ وہ تینوں باہر لان میں بیٹھ گئے۔ جاسم اپنی کرسی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ”پولیس ابھی

تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچی۔ آخر ہمارے آفس میں لوگوں کا قتل عام کس نے کیا اور علیشہ کی لاش بھی کسی نے غائب کروائی۔ علیشہ کے کیس کی ہر جگہ

دھوم مچ گئی تھی۔ ہمیں اس کی سیکورٹی کا زبردست قسم کا بندو بست کرنا چاہئے تھا۔“

”تمہارے ایکسیڈنٹ اور طویل عرصے کی بیماری نے سارا کیس بگاڑ کے رکھ دیا۔“

ہمسیم خاموشی سے جاسم کی ساری بات سنتا رہا۔ پھر اس نے جاسم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”تم جس طرح سوچ رہے ہو ایسا نہیں ہے۔“

”تو پھر کیسا ہے کیا ہو رہا ہے یہ سب۔“ جاسم نے جذباتیت میں اپنے دونوں ہاتھ اکڑا لئے۔

شازہ ہمسیم کی طرف بڑھی۔ ”تمہارے من میں جو کچھ ہے وہ کہہ ڈالو میں محسوس کر رہی ہوں تم کچھ کہنا چاہتے ہو اور کہتے نہیں۔“

ہمسیم سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی آنکھیں دکھتے انگارے کی طرح سرخ ہو گئیں۔ چہرہ تپنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ ”میں

نے آج تم دونوں کو یہاں اسی لئے بلایا ہے۔ میں تمہیں ایک ایسی بات بتانے جا رہا ہوں جسے سننے کے بعد تم میری دماغی حالت پر شک کرو گے۔“

جاسم ہمسیم کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

”تم کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“



”تم لوگ کہہ رہے ہو کہ میرا یکسڈنٹ ہوا اور میں چھ ماہ کے لئے قوے میں چلا گیا۔ لیکن دوستو..... میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ میں اپنے دھیان میں ڈرائیو کر رہا تھا کہ اچانک ایک بھیاں گرا دبا میری گاڑی کو اڑا لے گیا۔ اس گرداب کے پُر زور چکروں میں میری گاڑی اس طرح تھی جیسے کاغذ کا پُر زہ۔“ پھر ہمسیم نے جاسم اور شازہ کو ساری بات تفصیلاً بتائی۔

ہمسیم کی بات سننے کے بعد جاسم اور شازہ مہبوت نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جاسم کچھ سوچتے ہوئے ٹہلنے لگا۔ شازہ نے بے چینی سے کہا۔ ”کیا سوچ رہے ہو تم۔“

جاسم دوبارہ ہمسیم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ”اگر تم یہ کہتے کہ تم کسی روح سے ملے ہو یا کسی جن، بھوت پریت کا ذکر کرتے، ہم یقین کر لیتے کیونکہ ہماری فیلڈ میں ہمیں کئی خوفناک واقعات پیش آتے ہیں۔ مگر یہ بات ہضم نہیں ہو رہی۔ تم چار ہزار سال پہلے وقت میں پہنچ گئے اور تم نے وہاں کیا کچھ دیکھا اس پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔“

ہمسیم نے مرتعش ہو کر جاسم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”کوئی یقین کرے یا نہ کرے تم تو یقین کرو میرے دوست۔“

جاسم نے ہمسیم کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ ”تمہیں علاج کی ضرورت ہے تم نے اپنے پروفیشن کو اپنے دل و دماغ پر اس طرح حاوی رکھا کہ بیماری کے دوران نہ جانے تمہارے دماغ میں کیا کیا کہانیاں بنتی رہی ہیں۔“

ہمسیم غصے سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ انتہائی طیش میں اونچا اونچا چیخنے لگا۔

”تم اس ساری سچائی کو کہانی کہہ رہے ہو۔ جب تمہیں حقیقت معلوم ہوگی تو بہت دیر ہو چکی ہوگی۔“

ہمسیم نے ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور غصے سے چل پڑا۔

جاسم اس کے پیچھے دوڑا ہمسیم ٹھہر تو لیکن ہمسیم نے کسی کی نہیں سنی وہ غصے میں بالکل پاگل تھا۔ اسی دوران ہمسیم کی والدہ ٹرائی میں چائے لے کر آگئی۔

جاسم اور شازہ کو دروازے کے قریب کھڑا دیکھ کے وہ پریشانی سے بولی۔ ”کیا بات ہے ہمسیم کہاں ہے؟“

اسی اثناء میں اسے گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔

وہ دروازے کی طرف لپکی تو ہمسیم گیٹ سے باہر نکل چکا تھا۔

وہ جاسم کے پاس آئی۔ ”ہمسیم کہاں گیا ہے؟“

جاسم نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”ناراض ہو گیا ہے ہم سے.....“

ہمسیم کی والدہ مسکراتی ہوئی ٹی ٹرائی کی طرف بڑھیں۔ ”تم لوگ چائے پیو آجائے گا ٹھہر کے.....“

شازہ اور جاسم نے ہمسیم کی والدہ کے ساتھ چائے پی اور اس کے بعد وہ کافی دیر تک ہمسیم کا انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہیں آیا۔

کافی انتظار کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔ ہمسیم کی والدہ بھی سوچ میں پڑ گئیں۔ ایسی کیا بات تھی جو ہمسیم اس قدر خفا ہو گیا۔



وہ چائے کے برتن کچن میں لے گئیں۔ اس لمحہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے فون اٹھ کیا تو دوسری طرف ان کی بڑی بہن مریم آن لائن تھی۔

ہمسیم کی والدہ روبینہ خوشی سے پھولی نہ سائی۔ اس کی بہن جو اپنی فیملی کے ساتھ لندن میں سیٹل تھی بات کر رہی تھی۔ گزشتہ دو سالوں سے اس کی اپنی بہن روبینہ سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی بہن نے اسے پیغام دیا کہ اس کی اکلوتی بیٹی واصلہ کل دس بجے کی فلائیٹ سے لاہور آرہی ہے۔ ہمسیم سے کہو کہ اسے ایئر پورٹ سے ریو کر لے۔ فون بند ہونے کے بعد روبینہ بہت خوش تھی کہ اس کی بھانجی آرہی ہے۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔

ہمسیم کی راہ دیکھتے دیکھتے رات کے دس بج گئے۔

سوا دس بجے ہمسیم گھر آیا۔

وہ بہت بھجا بھجا سا تھا۔ ماں سے کوئی بات کہے بغیر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ روبینہ اس کے پیچھے اس کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ بستر پر دھڑام سے گر گیا۔

روبینہ گھبرا کے اس کے بال سہلانے لگی۔

”تمہیں کیا ہو گیا ہے، میرے بیٹے.....“

”سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ جسم اس طرح نڈھال ہے جیسے جان ہی نہیں۔“  
روبینہ اس کے قریب بیٹھ گئی وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ”کس قدر خطرناک بیماری سے اٹھتے ساتھ ہی چلنا پھرنا شروع کر دیا۔ آرام نہیں کیا نہ ہی ادویات ٹھیک طرح سے لیں یہ تو پھر ہونا ہی تھا۔“

بیماری کا نام سن کر وہ پھر اشتعال میں آ گیا۔ ”بیماری بیماری..... کس طرح سمجھاؤں آپ لوگوں کو کہ میں کسی بیماری سے نہیں اٹھا.....“

”اچھا چلو چھوڑو اس بات کو میں تمہارے لئے کھانا لاتی ہوں۔“

”میں نے کھانا کھالیا ہے آپ مجھے کافی لادیں۔“

روبینہ ہمسیم کے لئے کافی لے آئی۔

صبح ناشتے پر روبینہ نے ہمسیم کو واصلہ کے بارے میں بتایا۔

”آج دس بجے کی فلائیٹ سے وہ آرہی ہے۔ تم اسے ایئر پورٹ لینے جاؤ گے۔“

ہمسیم نے بریڈ پر جام لگاتے ہوئے کہا۔ ”آئی نہیں آرہی ہیں۔“

”نہیں۔ وہ اکیلی آرہی ہے۔“

”دیکھو غفلت نہیں برتنی۔ بروقت ایئر پورٹ پر پہنچ جانا۔“



”آپ بے فکر رہیں۔ چلا جاؤں گا۔ چلو آپ کی تنہائی تو دور ہو جائے گی۔“

”میری تنہائی کی اتنی فکر ہے تو مجھے پیاری سی بہولا دو۔“

”بہو تو مل جائے گی لیکن پیاری ویاری نہیں ہوگی۔“

”کیوں نہیں پیاری ہوگی۔“

”مجھے کسی باصلاحیت لڑکی کی تلاش ہے۔ کوئی میری پسند پر پوری اترے گی تو ہی شادی کروں گا۔“ ہصیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بیٹے کو مسکراتا دیکھ کر کھل اٹھی۔

”خوش رہا کرو بیٹے۔ کتنے دنوں کے بعد تمہیں مسکراتے دیکھا ہے۔“

ہصیم واصلہ کو لینے کے لئے ایئر پورٹ گیا۔

ہصیم تھوڑا لیٹ ہو گیا تھا۔ واصلہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے جونہی ہصیم کو دیکھا تو ہاتھ سے اشارہ دیا۔ تھوڑی دیر کے لئے تو ہصیم

نے اسے پہچانا ہی نہیں وہ خاصی بدلی بدلی لگ رہی تھی۔

شارٹ شرٹ اور جینز میں اس کی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ بالوں کو بھی اس نے گولڈن کلر دے رکھا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی ہصیم کے قریب آئی لیکن ہصیم کا موڈ ایک دم خراب ہو گیا۔ ہصیم نے اس کا سامان گاڑی میں رکھا۔ وہ دونوں گھر کے لئے

روانہ ہو گئے۔

واصلہ بہت خوش تھی۔ اس کے لہجے میں اپنوں کے پیار کی مہک آ رہی تھی۔ وہ ہصیم سے بات کر رہی تھی لیکن ہصیم اس کی کسی بات کا ٹھیک

طرح سے جواب نہیں دے رہا تھا۔

واصلہ نے ہصیم کے سنجیدہ چہرے کی طرف بغور دیکھا۔ ”کتنی دیر سے میں تم سے بات کر رہی ہوں۔ تم ہو کہ میری بات کا ٹھیک طرح سے

جواب نہیں دیتے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیا تمہیں میرے آنے کی خوشی نہیں ہوئی۔“

ہصیم نے جواب میں خاموشی سے واصلہ کی طرف دیکھا۔ واصلہ بھی موڈ بگاڑتے ہوئے خاموش ہو گئی۔ گھر پہنچنے تک وہ دونوں خاموش

رہے۔ گھر پہنچے تو روبینہ اپنی بھانجی کو دیکھ کے خوشی سے پھولی نہ سائی۔

وہ دونوں کچھ دیر خوش گپیوں میں مصروف رہیں۔

اس کے بعد واصلہ چینیج کرنے چلی گئی۔ اتنی دیر میں روبینہ نے ٹیبل پر کھانا لگا دیا۔

واصلہ کمرے میں داخل ہوئی تو ہصیم کی آنکھیں جیسے اس پر ٹھہر گئیں۔ خوشبو بھرا کوئی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا جیسے اس کے جسم کو چھو کے گزر گیا۔

اس کی آنکھوں میں اپنائیت کی چمک تھی۔ ہونٹوں پر ایک انجانی مسکراہٹ بکھر گئی۔

واصلہ ایک انتہائی خوبصورت مشرقی لباس میں خراماں خراماں چلتی ہوئی صوفے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ ہصیم کو دیکھ کے مسکرائی تو اس



کے چہرے کے ڈمپلز نے اس کی معصومیت میں اضافہ کر دیا۔ روبینہ واصلہ کی طرف بڑھی۔ ”آ جاؤ بیٹا! کھانا کھا لو۔“

وہ تینوں کھانے کے ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ کھانے کے دوران روبینہ نے واصلہ سے پوچھا۔ ”تمہیں کوئی دقت تو پیش نہیں آئی۔“

واصلہ نے ترجیحی نظر سے ہصیم کی طرف دیکھا۔ ”ہاں بہت پریشانی ہوئی تھی۔ ہصیم مجھے کافی دیر سے لینے آیا تھا اور پھر سارے رستے موڈ

خراب کر کے بیٹھا رہا۔ اس نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا۔“

روبینہ نے حیرت سے ہصیم کی طرف دیکھا۔ ”ہصیم! کوئی مہمانوں سے ایسا برتاؤ کرتا ہے۔“

ہصیم نے آنکھیں جھکا لیں۔ ”واصلہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ سوری!“ ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھ کے کہا۔

کھانے کے بعد واصلہ کمرے میں آرام کے لئے چلی گئی۔ ہصیم کو جاسم فون پر فون کر رہا تھا لیکن ہصیم اس سے سخت ناراض تھا۔ وہ اس کا فون اٹینڈ نہیں کر رہا تھا۔ آفس میں بھی وہ جاسم اور شازہ سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ انہی دنوں روبینہ اور واصلہ نے ہصیم کے ساتھ کسی پہاڑی علاقے میں جانے کا پروگرام بنایا۔

روبینہ نے یہ پروگرام ہصیم کے لئے بنایا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر کی سخت تاکید تھی کہ ہصیم کو کچھ دنوں کے لئے مصروفیت سے دور کسی صحت افزا مقام پر لے جایا جائے۔ واصلہ کے بہانے ہصیم تیار ہو گیا ورنہ وہ کبھی بھی نہ مانتا۔

آفس میں قتل عام کے بعد اس طرح خوف و ہراس پھیلا کہ کوئی بھی شخص ملازمت کے لئے اس آفس میں نہیں آیا۔ سارا کام شازہ اور جاسم کے اوپر تھا۔ ہصیم کی عدم موجودگی میں ان دونوں کے لئے آفس سنبھالنا اور بھی مشکل ہو گیا۔ جاسم ہصیم کے آفس میں بیٹھا فائلز چیک کر رہا تھا۔ اس نے ہصیم کی بات کا یقین نہیں کیا تھا لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دماغ میں مسلسل ہصیم کی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ کافی دیر اس خیال سے فرار کی کوشش کرتا رہا لیکن وہ خیال کو اپنے ذہن سے جھٹک نہ سکا۔ بالآخر اس نے فائل میز پر دے ماری اور اپنا سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔

اسی دوران میں شازہ آفس میں داخل ہوئی۔

”خیریت ہے! سر کو پکڑ رکھا ہے۔“

”ہصیم نے میرا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ ایک تو عجیب عجیب باتیں کر کے پریشان کر رکھا ہے۔ دوسرے سارا کام مجھ پر چھوڑ کے سیر و

تفریح پر نکل گیا ہے۔“ جاسم غصے میں بول رہا تھا۔

شازہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تم اچھی طرح جانتے ہو کہ آنٹی ہصیم کو بہ مشکل ساتھ لے کر گئی ہیں۔ ابھی تک ہصیم ٹھیک نہیں ہے۔ اسے آرام کی ضرورت ہے۔ تم یہ

بھی جانتے ہو کہ ہصیم آفس کے کام میں بارے میں کس قدر سخت ہے۔“

”شازہ تمہاری سب باتیں درست ہیں لیکن تم مجھے ایک بات کا جواب دو۔ اس روز ہصیم نے اپنے گھر جو باتیں ہمیں بتائیں تمہیں کتنے

پرست ان باتوں پر یقین ہے۔“



جاسم کے اس سوال پر شازہ خاموش رہی۔

”بتاؤ ناں۔“

شازہ نے جاسم کی طرف دیکھا۔ ”تمہیں کیا پریشانی ہے۔ تم نے تو بغیر سوچے سمجھے جو بولنا تھا، بول دیا ہمسیم کے سامنے۔ اس کی بات پر ذرا بھی غور نہیں کیا۔“

”کیسے غور کرتا۔ اس کی باتوں میں سچائی کا کوئی پہلو نہیں تھا۔“

”تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ پتہ نہیں کیوں میرے دل کو ہر وقت ایک کھٹکا سا لگا ہے۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے علیشہ کے غائب ہو جانے کے بعد تباہی کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔“

”آخر علیشہ کی لاش کہاں گئی؟ ہمارے آفس کے لوگوں کو کس نے جلا ڈالا؟ پولیس کو بھی کوئی کھوج نہیں مل رہا ہے۔ کبھی ایسا لگتا ہے کہ ہمسیم بیمار نہیں ہے۔ وہ بالکل نارمل ہے۔ اگر اس کی ذہنی حالت پر شک ہوتا ہے تو اس کی باتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔“ جاسم الجھتا جا رہا تھا۔

”اس پیچیدہ رستے میں ایک راہ تو نکلی ہے۔“ شازہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

”کیا مطلب؟“ جاسم نے کہا۔

”واصلہ.....“ شازہ نے کہا۔

”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“ جاسم نے کہا۔

”جو خبر میں تمہیں سنانے جا رہی ہوں۔ وہ تمہارے لئے کافی فائدہ مند ہوگی۔ واصلہ جیولوجی کا کورس کر کے آرہی ہے۔ آئی رو بینہ بتا رہی تھیں کہ وہ ہمسیم کے ساتھ پریکٹس کرنا چاہتی ہے۔“ شازہ نے اپنا بیگ کندھے سے لٹکاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو واقعی اچھی خبر ہے۔ لیکن تم کہاں جا رہی ہو؟“

”مجھے کام ہے۔ تم اپنا کام ختم کرو۔ میں تمہاری گاڑی لے کر جا رہی ہوں۔ جلدی آ جاؤں گی۔“

”نہیں! آج کل تمہارا کیلے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ تھوڑا انتظار کر لو۔ ہم اکٹھے چلیں گے۔“

شازہ نے منہ بسور کے بیگ کندھے سے اتار دیا۔ ”میں کمپیوٹر سیکشن میں جا رہی ہوں۔“

کام ختم ہونے کے بعد وہ دونوں اکٹھے آفس سے باہر نکلے۔ راستے میں جاسم شازہ سے ہمسیم کے متعلق بات کرتا رہا لیکن ان کی گفتگو کسی نتیجے

تک نہیں پہنچی۔ آخر وہ یہ کہہ کے خاموش ہو جاتے کہ ہمسیم کے ساتھ کوئی دماغی مسئلہ ہے۔ ہمسیم تین روز کے بعد واصلہ اور رو بینہ کو لے کر واپس آ گیا۔

ان تین دنوں میں واصلہ اور ہمسیم کی علیشہ کیس پر تفصیلاً بات ہوئی۔ ہمسیم کی ہر بات پر واصلہ نے گہرائی سے سوچا۔ سیر سے واپس آنے کے بعد ہمسیم اور واصلہ اکٹھے آفس گئے۔ ہمسیم نے اسے جاسم اور شازہ سے ملوایا۔ ہمسیم نے واصلہ کو آفس کے تمام حصے دکھائے۔ آفس کے میوزیم، تہہ خانے اور سرد خانے میں اس طرح کی پراسرار چیزیں تھیں جو انسانی عقل کو دنگ کرنے کے لئے کافی تھیں۔



”بہت مشکل ہے ہمسیم اس قدر زیادہ کام تم تینوں کا سنبھالنا۔ تمہیں فوری طور پر اسٹاف کے لئے اخبار میں اشتہار لگانا ہوگا۔“  
واصلہ نے آفس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”لگانا ہوگا سے کیا مطلب۔ ہمارا اشتہار تو کب سے اخبار میں آرہا ہے لیکن علیشہ کے کیس نے لوگوں میں دہشت پھیلا رکھی ہے۔ کوئی بھی ہمارے آفس میں کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔“ جاسم نے پریشانی سے کہا۔

”فی الحال میں تو تم لوگوں کے ساتھ کام کروں گی۔“ واصلہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

شازہ نے خوشی کا اظہار کیا۔ ”بہت اچھی بات ہے۔ ہمیں آج کل تمہارے جیسے ساتھی کی ضرورت ہے۔“

ہمسیم نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ شازہ کی طرف دیکھا۔ ”کیونکہ تمہارا ایک ساتھی دماغی مریض بن چکا ہے۔“

شازہ کا چہرہ یک لخت اتر گیا۔ ”کیسی بات کر رہے ہو ہمسیم۔ میں اور جاسم تو تمہاری ذہانت کے قائل ہیں۔ اپنے پیشے میں اتنا نام کمانے کے بعد کوئی ایسی بات کرتا ہے۔“

لیکن ہمسیم نے شازہ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ واصلہ کے ساتھ کمپیوٹر سیکشن چلا گیا۔

اس نے وہاں سے علیشہ کے کیس کی فائل لی۔ پھر ہمسیم نے وہ فلاپی نکالی۔ جس میں علیشہ کے کیس کی مکمل تفصیل تھی۔

وہ دونوں کافی دیر تک کمپیوٹر کے ڈیسک ٹاپ پر یکے بعد دیگرے اس کیس کی تفصیلات دیکھتے رہے۔

”اوہ مائی گاڈ! یہ کیس تو اس قدر پراسرار ہے کہ جوں جوں ہم اس کی گہرائی میں جاتے ہیں ہمارے قدم جیسے زمین سے اٹھتے جاتے ہیں۔

ارد گرد کی ہر چیز جیسے غائب ہو جاتی ہے اور ہم خود کو کسی اور دنیا میں تصور کرتے ہیں۔ ایسا کرو تم یہ فلاپی گھر لے جاؤ۔ میں اس کے کچھ پوائنٹ نوٹ کرنا

چاہتی ہوں اور ہمسیم کوئی تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہے اسے اپنے ذہن سے نکال دو۔ تم کیا سوچتے ہو صرف یہ یاد رکھو۔ کل ہم چاروں میں اور تم،

شازہ اور جاسم اسی جگہ پر جائیں گے۔ جہاں سے تم لوگوں نے یہ کیس شروع کیا تھا۔“ واصلہ نے کہا۔

ہمسیم کے ماتھے پر لکیریں کھینچ گئیں۔ ”میں جاسم کے ساتھ۔“

”کیا ہو گیا ہے تمہیں یہ وقت جھگڑے کا نہیں ہے۔“ اس نے کافی نرم لہجے میں کہا۔

کافی بحث کے بعد واصلہ نے ہمسیم کو راضی کر ہی لیا۔ وہ لوگ ایک خاص تیاری کے ساتھ اس مشن پر روانہ ہوئے۔

سفر خاصا دلچسپ تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ اس سنسنی خیز مشن کو بھول گئے تھے۔ واصلہ نے ڈیک میں کیسٹ لگا کر دلفریب سر چھیڑ دیئے

تھے۔ وہ سب ہنستے کھیلتے سفر انجوائے کر رہے تھے۔

طویل سفر طے کرنے کے بعد دن کی روشنی رات کی تاریکی میں بدل گئی تھی۔ ان کا ایک گھنٹے کا رستہ ابھی باقی تھا۔ وہ ایک گھنٹے ویران جنگل

سے گزر رہے تھے کہ ان کی گاڑی چند جھٹکے لے کر رک گئی۔ ہمسیم نے گاڑی سٹارٹ کرنے کی بار بار کوشش کی لیکن گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی۔

جاسم گاڑی چیک کرنے کے لئے گاڑی سے اتر اور وہ سب گاڑی سے اتر گئے اور انگریزیاں لے کر اپنی کمریں سیدھی کرنے لگے۔



جاسم نے کافی دیر تک گاڑی کا معائنہ کیا لیکن اسے بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ وہ ہمسیم کے پاس آیا۔ ”میں نے سارا چیک کیا ہے گاڑی میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی۔ تم دوبارہ ٹرائی کرو۔“

”میں ہر طرح سے کوشش کر چکا ہوں۔ گاڑی نہیں سٹارٹ ہوتی۔“ یہ کہہ کے ہمسیم گاڑی سے اتر اور بونٹ کھول کے چیک کرنے لگا۔ واصلہ اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔ غلطی سے ہمسیم کا ہاتھ جل گیا۔ اس نے ”سی“ کی آواز کے ساتھ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا تو واصلہ نے یک لخت اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

ہمسیم واصلہ کی طرف دیکھ کے مسکرانے لگا۔

”تمہارا ہاتھ اس قدر بری طرح جلا ہے اور تم مسکرارہے ہو۔“

ہمسیم نے کہا۔ ”تمہارے چھونے سے تکلیف کا احساس نہیں ہو رہا۔“

واصلہ اس کے لہجے میں کھوسی گئی۔ جاسم ان کے قریب آیا تو واصلہ نے جلدی سے ہمسیم کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

”خرابی سمجھ میں آئی۔“ جاسم نے بونٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی خرابی سمجھ میں نہیں آرہی۔ سوائے اس کے کہ زیادہ گرم ہو گئی ہے۔ تم پانی لاؤ۔“

”موسم اچھا بھلا ہے۔ میں نے تو خیال بھی نہ کیا کہ گاڑی گرم ہو سکتی ہے۔ پانی میں نے نہیں رکھا۔ پانی جو پینے کے لئے رکھا تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔“

”بہت غلطی کی ہمیں پانی رکھنا چاہئے تھا۔“ شازہ نے کہا۔

جاسم نے ایک بار پھر گاڑی کا بونٹ کھول لیا۔ ”میرا نہیں خیال کہ مسئلہ پانی کا ہے۔ کوئی ایسا مسئلہ ہے جو ہماری سمجھ سے باہر ہے لیکن اس

جنگل میں ہمیں کوئی کاریگر کیسے مل سکتا ہے۔“

”چلو پانی تلاش کرتے ہیں۔ پانی ڈال کے دیکھتے ہیں اگر تب بھی نہ سٹارٹ ہوئی تو پھر اس جنگل میں بیٹھ کر خدا کو یاد کریں گے۔“ واصلہ

نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔

شازہ تیز تیز قدم چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئی۔ ”ایسی بات نہ کرو واصلہ۔ اس خوفناک جنگل میں ہم رات کیسے گزاریں گے۔“

ہمسیم ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چلتا ہوا واصلہ کی طرف آیا۔ اس نے ایک گیلن واصلہ کی طرف بڑھایا اور ایک گیلن اپنے دائیں ہاتھ میں

تھامے رکھا۔

”تم اور شازہ پانی کی تلاش میں اس طرف جاؤ۔ میں اور جاسم دوسری طرف جاتے ہیں۔“

واصلہ کے بجائے شازہ جلدی سے بولی۔ ”نہیں۔ ہم دونوں اکیلی نہیں جائیں گی۔ تم اور واصلہ جاؤ، میں اور جاسم جائیں گے۔“

”اچھا ٹھیک ہے! یہ ٹارچ لو۔“ یہ کہہ کے ہمسیم جاسم سے مخاطب ہوا۔ ”تم شازہ کے ساتھ جاؤ۔“

”واصلہ تم میرے ساتھ آؤ۔“ ہمسیم نے گاڑی سے ایک اور ٹارچ نکال لی۔ دونوں جوڑے مختلف سمتوں میں نکل گئے۔ جاسم اور شازہ



جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے۔ راستہ انتہائی دشوار ہوتا جا رہا تھا۔

لیکن اپنی ضرورت انہیں اس کٹھن رستہ پر چلنے پر مجبور کر رہی تھی۔

وہ دونوں خاردار جھاڑیوں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے سنگلاخ زمین پر گرتے پڑتے چل رہے تھے۔

رات کی گھمبیر تاریکی میں چھوٹے چھوٹے جانوروں کی مختلف آوازیں یکجا ہو کے خوفناک غراہٹوں میں تبدیل ہو گئی تھیں۔

ہصیم اور واصلہ ایک گھنے درخت کے قریب کھڑے دور دور تک نظر دوڑا رہے تھے۔

”مجھے تو یہاں پانی ملنا ناممکن نظر آ رہا ہے۔“ واصلہ نے کہا۔

”بہت مشکل ہے اس جنگل میں پانی ملنا۔ اوپر سے رات ہے۔ دن کے وقت ہم کوئی نہ کوئی جو ہڑیا تالاب ڈھونڈ ہی نکالیں گے۔“ ہصیم نے کہا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا! تم نے پانی کی تلاش ختم کر دی ہے جو ایسی بات کہہ رہے ہو۔ ہمیں یہاں رات گزارنے سے بچنا چاہئے۔ تم دیکھ

نہیں رہے کس قدر خوفناک جنگل ہے۔“

ابھی یہ بات واصلہ کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ ایک تناور درخت جڑ سے اکھڑ کے ان کی طرف گرنے لگا۔ دونوں چیخ کر بھاگے تو اکٹھے منہ

کے بل گر پڑے۔ درخت ان کے قدموں کے قریب گر پڑا۔

دھماکے کی آواز سن کے جاسم اور شائزہ بھی ادھر آ گئے۔

واصلہ کے پاؤں میں چوٹ آئی۔ جاسم اور شائزہ پہنچے تو ہصیم واصلہ کے پاؤں میں اپنا رومال باندھ رہا تھا۔ وہ دونوں حیرت سے ان کی

طرف لپکے۔

”یہ سب کیسے ہو گیا.....!“ جاسم نے گرے ہوئے درخت کی طرف دیکھ کے کہا۔

جاسم اور ہصیم نے بیک وقت اوپر دیکھا۔ درختوں کے گھنے جھنڈ بری طرح جھول رہے تھے۔ سرسراہٹ کا ایک شور تھا جس طرح کوئی چیز

تیزی سے ان کے بیچ سے گزری ہو۔

ہصیم نے تشویش بھری نظروں سے جاسم کی طرف دیکھا۔ ”ہمارا یہاں رات گزارنا مناسب نہیں ہے۔“

جاسم کی آنکھوں میں بھی خوف تھا۔ اس نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کسی خطرے کی بو میں بھی محسوس کر رہا ہوں لیکن یہاں رات

گزارنے کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔ دور دور تک پانی کا نام و نشان نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسی صورت ہے کہ ہم یہاں سے نکل

سکیں۔ خدا کا نام لے کر یہیں رات گزار لیتے ہیں۔“

جاسم کی بات سن کر ہصیم نے اثبات میں اپنا سر ہلایا۔ ”ویسے بھی اب تو خطروں سے کھیلنا ہی ہے۔ تم ایسا کرو ضرورت کا سامان گاڑی سے

نکال لو۔“ جاسم گاڑی سے سامان نکالنے لگا تو واصلہ اس کی مدد کے لئے اس کے پاس آ گئی۔



ہصیم نے ایک مناسب جگہ دیکھ کے سامان رکھنا شروع کر دیا۔

جاسم نے ترچھی نظروں سے ہصیم کی طرف دیکھا اور پھر واصلہ سے مخاطب ہوا۔ ”اس سے پہلے کبھی بھی ہم دونوں میں اتنی لمبی ناراضگی نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں اس بار ہصیم نے کیوں میری بات اپنے دل میں ہی رکھ لی۔“

واصلہ گاڑی سے پشت لگا کے کھڑی ہو گئی اس نے جاسم کو سرتاپا دیکھا۔

”تم نے ہصیم سے بات ہی غلط کی ہے۔ اس کی بات میں کتنی صداقت ہے یہ تو وقت کے ساتھ تمہیں سمجھ آ جائے گا۔ بہر حال ایک بات میں تمہیں پورے یقین سے کہتی ہوں کہ ہصیم ذہنی مریض نہیں ہے۔ وہ کل بھی جینیس تھا اور آج بھی جینیس ہے اس کا ذہن ایک عام آدمی سے زیادہ کام کرتا ہے۔ شاید تم سے اور مجھ سے بھی زیادہ ذہین ہے۔ کبھی کبھی ہماری کوئی غیر معمولی لاشعوری قوت ہمیں کسی غیبی دنیا میں پہنچا دیتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اس دنیا میں ہمارا جسم بھی موجود ہو۔“

”کیا مطلب؟“ جاسم نے تعجب خیز لہجے میں کہا۔

”یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اگر ایسی باتیں سمجھنے والے ہوتے تو کبھی بھی ہصیم کو ذہنی مریض نہ سمجھتے۔“ یہ کہہ کر واصلہ نے گاڑی سے پھلوں کی ٹوکری اٹھائی اور چل پڑی۔

جاسم کسی سوچ میں گم اپنی جگہ پر ہی کھڑا رہا۔ واصلہ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ”کیا سوچ رہے ہو آ جاؤ ساری چیزیں پوری ہو گئی ہیں۔“

جاسم نے گاڑی لاک کی اور واصلہ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

وہ چاروں کچھ کھانے پینے کا سامان لے کر ایک درخت کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ گپ شپ میں ایسے مصروف ہوئے کہ ڈراور پریشانی کے سائے سے دور ہو گئے۔

واصلہ نے جاسم کو اشارہ کیا کہ ہصیم کو منائے۔

جاسم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں واصلہ کو اس کے اشارے کا جواب دیا۔

جاسم ہصیم کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے ایک گلاس میں مشروب ڈالتے ہوئے گلاس ہصیم کی طرف بڑھایا۔ ہصیم نے گلاس لیتے ہوئے

گہری نظر سے جاسم کی طرف دیکھا۔ جاسم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

”یار اگر تمہیں میری بات اس قدر بری لگی ہے تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں لیکن تم مجھ سے اس طرح ناراض مت ہو۔ تمہاری اس

ناراضگی سے میں اتنا ڈیپر رہتا ہوں کہ کوئی کام مجھ سے ڈھنگ سے نہیں ہوتا۔“ جاسم نے ہصیم کے گرد بانہیں حائل کر دیں۔

واصلہ بھی ہصیم کے پاس بیٹھ گئی۔

”اب غصہ چھوڑ بھی دو۔ وہ کس طرح تمہیں منارہا ہے۔“

ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”بات ماننے یا نہ ماننے کی نہیں ہے۔ میں تم سب کو ایک آنے والی ناگہانی آفت سے بچانا چاہتا ہوں



لیکن یہ میری بات کا یقین نہیں کرتے.....“

”تم فی الحال اس بات کو چھوڑو۔ بس اپنی ناراضگی ختم کرو۔ ہم سب جس مشن پر نکلے ہیں اس سے سچائی سامنے ضرور آئے گی۔“  
ہصیم نیچے سر کر کے کچھ سوچنے لگا۔ جاسم نے ہصیم کو شانوں سے پکڑ کر جھکا دیا۔

”آرام سے مانتا بھی ہے یا نہیں۔“ جاسم نے باکسنگ کے لئے اپنے کئے تیار کر لئے۔

ہصیم نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو جاسم نے اس کے منہ پر مکار سید کیا۔ واصلہ جاسم کی طرف بڑھی۔ ”یہ کیا کر رہے ہو تم۔“  
”مجھے معلوم ہے یہ ایسے ہی راستے پر آتا ہے۔“ جاسم نے ایک اور مکار سید کرتے ہوئے کہا۔

ہصیم نے بھی جواب میں کئے رسید کئے اور پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھتے ہوئے قلابازیاں کھانے لگے۔

شانزہ اور واصلہ کی ساری پریشانی دور ہو گئی جب وہ لڑائی کے دوران قہقہے لگانے لگے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو گلے سے لگالیا۔

اچانک کسی بڑے پرندے کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ نے ان سب کا دھیان اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ ہصیم اور جاسم نے اس سروش پر

چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ واصلہ کی آواز ابھری۔ ”وہ دیکھو!“

ان سب نے اس کی انگلی کے اشارے کی طرف دیکھا سامنے درخت پر چار گدھ بیٹھے ہوئے تھے۔

”پروں کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز اسی پرندے کی ہوگی۔“ جاسم نے ابھی یہ جملہ کہا ہی تھا کہ وہ چاروں گدھ اپنی جگہ سے اڑے۔ ان کے

اڑنے پر فضا میں نسوانی چیخیں بلند ہوئیں اور خوفناک چیخوں کے ساتھ ان چاروں کی طرف بڑھیں اور چار خوبصورت لڑکیوں کی شکل میں ان کے سامنے

آکھڑی ہوئیں۔ خوف و دہشت سے ان کی زبان گنگ ہو گئی ہاتھ پاؤں سرد پڑ گئے۔ چاروں خوبصورت لڑکیاں چڑیلوں کا روپ دھار چکی تھیں۔

ہصیم چلایا۔ ”بھاگو.....“ ان چاروں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

لڑکیوں نے ایک بار پھر گدھوں کی شکل اختیار کر لی اور ان کے سروں پر اڑنے لگیں ان چاروں کے سانس پھول گئے لیکن وہ مسلسل

بھاگ رہے تھے۔

خوف سے واصلہ اور شانزہ کی ٹانگوں سے تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی ان سے بھاگنا نہیں جا رہا تھا اور اس احساس نے ان کی ہمت مزید کم

کر دی تھی کہ وہ ان خوفناک چڑیلوں سے آگے نہیں نکل سکتے۔ وہ ان کے سروں پر منڈلا رہی ہیں۔

ہصیم اور جاسم ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے ساتھ قدم ملانے پر مجبور کر رہے تھے لیکن وہ ان کے برابر بھاگ نہیں پا رہی تھیں۔ شانزہ کا ہاتھ

جاسم کے ہاتھ سے چھوٹا اور وہ منہ کے بل گر پڑی۔

اس سے پہلے کہ جاسم اس کی طرف بڑھتا خونخوار گدھوں نے شانزہ کے جسم پر اپنے پنجے گاڑ دیئے۔ وہ اسے لے کر ہوا میں بلند ہو گئیں۔ جاسم

چینٹا رہا لیکن اس کے بس میں کچھ نہیں تھا۔ ہصیم کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی اُن دیکھی ہستی نے اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھما کر اس کی مٹھی بند کر دی ہے۔

اس نے اپنی مٹھی کھولی تو اس کے ہاتھ میں وہی گول پتھر تھا جو علیشہ کی کلائی پر بندھا ہوا تھا۔ ہصیم کے لاشعور سے کوئی آواز آئی۔ جس پر



عمل کرتے ہوئے اس نے ہوا میں پرواز کرتی ہوئی گدھوں کی طرف اس پتھر کا رخ کیا۔

اس پتھر میں جانے کیا بات تھی کہ گدھ اپنی جگہ سے غائب ہو گئے اور شازہ ایک گھنے درخت کے اوپر جا گری۔ وہ ایک مضبوط سی ٹہنی سے لٹک گئی۔ جاسم اور ہصیم نے بہت مشکل سے اسے نیچے اتارا۔ اس کے جسم سے خون رِس رہا تھا۔ وہ شدید زخمی ہو گئی تھی۔ واصلہ نے گاڑی سے میڈیکل بکس نکالا اور اس کی مرہم پٹی کی۔

شازہ ابھی تک خوف کے اثر میں تھی اور وہ چیخ رہی تھی کہ کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ وہ پھر ہم پر حملہ کر دیں گی۔

سب کے رنگ فق ہو گئے تھے۔ وہ خود وہاں ایک پل بھی رکنا نہیں چاہتے تھے۔ پوری فضا خوف و دہشت سے لرز رہی تھی۔ جنگلی جانوروں کی مبہم سی آوازوں سے بھی وہ بار بار لرز جاتے تھے۔

جھاڑیوں میں سے چرچاہٹ کی آواز سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی جھاڑیوں کے بیچ سے ان کی طرف بڑھ رہا تھا اور کبھی فضا سے خوفناک غرغراہٹ کی آواز سنائی دینے لگتی۔

ہصیم تیزی سے اٹھا۔ ”جاسم! تم ان کا خیال رکھو، میں دوبارہ گاڑی دیکھتا ہوں۔“

جاسم نے ہصیم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”میں نے گاڑی کو ہر طرح سے چیک کیا ہے وہ شارٹ نہیں ہو سکتی۔ تم ادھر رہو ہمارے پاس رہو۔ اس وقت ہم میں سے کسی کو اکیلا نہیں رہنا چاہئے۔“

ہصیم نے اپنا ہاتھ چھڑوا لیا۔ ”مجھے گاڑی چیک کرنے دو۔“

ہصیم گاڑی کے پاس گیا، وہ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس نے جونہی چابی لگائی، گاڑی جھٹ سے شارٹ ہو گئی۔ شازہ اور واصلہ اور جاسم نے خوشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ سکون و طمانیت کی ایک لہر ان کے جسموں میں دوڑ گئی۔

وہ اپنی ٹارچ جلا کے گاڑی کی طرف بڑھے۔ وہ جونہی گاڑی میں بیٹھے۔ ہصیم نے گاڑی ہوا میں اڑانا شروع کر دی۔ وہ جلد از جلد اس خوفناک جنگل سے باہر نکل گئے۔ شازہ پر غنودگی طاری تھی وہ راستے میں سو گئی۔ وہ لوگ گاؤں پہنچے تو سب سے پہلے شازہ کو ہسپتال لے گئے۔

واصلہ اور جاسم شازہ کے پاس رک گئے۔ ہصیم حماد کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں اس کے کچھ دوسرے دوست بھی وہاں اس کے منتظر تھے۔

ہصیم ادھر پہنچا تو حماد نے سب سے پہلا سوال اس سے یہی کیا۔ ”تم خیریت سے تو پہنچ گئے ہونا۔ کوئی زخمی تو نہیں ہوا تم میں سے؟“

”کیوں! تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو۔“ ہصیم نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ حماد ہصیم کا ہاتھ پکڑ کے اسے مہمان خانے میں لے گیا۔

مہمان خانے میں چھ افراد بیٹھے ہوئے تھے جنہیں ہصیم نہیں جانتا تھا۔

ان سب کے چہرے افسردہ تھے وہ اس طرح سر جھکائے بیٹھے تھے جسے کسی کی تعزیت پر آئے ہو۔

ہصیم نے حماد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو حماد نے اسے بیٹھنے کو کہا۔



ہمسیم بیٹھ گیا۔

حماد نے ایک بار پھر پوچھا۔ ”جاسم اور شانزہ نہیں آئے تمہارے ساتھ؟“

ہمسیم نے کمرے میں بیٹھے ہوئے افراد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ آئے ہوئے ہیں میں تمہیں ان کے پاس لے چلوں گا۔ پہلے تم بتاؤ کہ یہ اشخاص کون ہیں۔“

حماد نے ان اشخاص کے افسردہ چہروں کی طرف دیکھتے ہوئے آہ بھری۔ ”ناگہانی افتاد کے ستائے ہوئے لوگ ہیں جو یہ آس لے کر آئے ہیں کہ شاید تم ان کے لئے کچھ کر سکو۔“

ہمسیم نے بہت خلوص سے ان اشخاص کی طرف دیکھا۔ ”جی فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

کمرے کے سکوت میں بوڑھے آدمی کی گلوگیر آواز ابھری۔

”بیٹا آسیب کا سایہ ہو گیا ہے اس گاؤں پر۔ ہر روز کوئی انہونی کسی نہ کسی شخص کی جان لے لیتی ہے۔ موت کی سیاہی آہستہ آہستہ اس گاؤں کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے۔ میری جوان بیٹی کو، جس کی عنقریب شادی ہونے والی تھی کسی نے اسے زندہ جلا دیا۔“ یہ بتاتے بتاتے بوڑھا شخص پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

اسی طرح وہاں بیٹھے ہر شخص نے ہمسیم کو اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا۔ یہ واقعات نہیں انسانوں کے قتل عام کی داستان تھی جس میں یکے بعد دیگرے بہت سے لوگ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے تھے۔ خوف و دہشت سے لبریز واقعات سن کے ہمسیم کے ذہن میں عجیب سے سی ہلچل مچ گئی تھی۔

ہمسیم سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکا۔ ”آپ لوگ تسلی رکھیں۔ میں اپنی ٹیم کے ساتھ کل خود آپ کے گھروں میں آ کے ساری صورت حال کا جائزہ لوں گا۔“

اتنے میں ایک لڑکے نے اندر آ کے اطلاع دی۔

”جاسم صاحب آگئے ہیں۔“ یہ بات سنتے ہی حماد اور ہمسیم مہمان خانے سے باہر نکلے۔

جاسم اور واصلہ شانزہ کو لے کر آ رہے تھے۔ حماد انہیں اپنے گھر لے گیا۔ اس کی ماں اور بہن شانزہ کے قریب بیٹھ گئی۔

وہ اس کی مرہم پٹی دیکھ کے تعجب سے پوچھنے لگیں۔ ”یہ سب کیسے ہو گیا۔“

جاسم کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کیا بتائے۔

اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا۔ ہمسیم نے بتایا کہ کسی جنگلی جانور نے حملہ کر دیا تھا۔

حماد نے کہا۔ ”تم لوگ تو اپنی گاڑی میں آئے ہو یہ سب کیسے ہو گیا۔“

جاسم نے اس کی بات کا جواب دیا۔ ”ہماری گاڑی خراب ہو گئی تھی۔ کچھ دیر کے لئے ہمیں جنگل میں ٹھہرنا پڑا اس اسی دوران یہ واقعہ پیش آ گیا۔“



حماد کی بہن ان کے لئے کھانے کا بندوبست کرنے چلی گئی۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہمسیم کا ارادہ تھا کہ باہر لان میں بیٹھ کے کچھ بات کی جائے لیکن رات بہت گزر چکی تھی۔ حماد نے ان سے کہا کہ اب وہ آرام کر لیں صبح بات کریں گے۔“

صبح ناشتے سے فارغ ہو کے وہ چاروں اس پلاٹ کی طرف نکل گئے جہاں سے انہوں نے علیشہ کے کیس کا آغاز کیا تھا۔ وہ اس جگہ پر پہنچے تو سب کچھ ایسا ہی تھا جیسا وہ چھوڑ کے گئے تھے۔ ہمسیم نے حیرت سے حماد کی طرف دیکھا۔ حماد نے اس کی نظروں کو بھانپتے ہوئے جواب دیا۔

”جب تم لوگوں نے یہاں سے علیشہ کی لاش نکالی تو نہ جانے کیوں میں نے دوبارہ یہاں کام شروع نہیں کروایا۔ ہر چیز ایسے ہی چھوڑ دی۔ سچ پوچھو تو یہ جگہ تو کچھ ایسی آسیب زدہ بنی کہ اس سے قریب گزرنے والا بھی کسی نہ کسی بیماری کا شکار ہو جاتا۔ میرے دل میں وہم آ گیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس جگہ میں نے اپنا کوئی پروجیکٹ شروع نہیں کرنا۔“

ہمسیم نے پلاٹ کا دور تک جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”تم نے اچھا کیا۔“

وہ چاروں اس زمین کی طرف بڑھے جو کئی جگہوں سے اس قدر گہری کھدی ہوئی تھی کہ گویا ان پر کانوں کا گماں ہو رہا تھا۔ وہ چاروں اس کھدی ہوئی جگہوں پر اتر گئے۔ ہمسیم نے واصلہ کو بتایا ”ہمیں یہاں سے علیشہ کی لاش کے علاوہ کچھ اور نہیں ملا کوئی ایسے آثار نہیں ملے۔ جس سے یہاں کی آبادی کا اندازہ لگایا جاسکے سب کچھ نیست و نابود ہو چکا ہے۔“

ادھر انسانوں کے رہن سہن کے کوئی آثار نہیں تھے لیکن ہمسیم کو اچانک محسوس ہونے لگا جیسے وہ اسی علاقے میں پھر رہا تھا جہاں پُر اسرار بگولہ اسے اڑا لے گیا تھا۔ فرق تھا تو شاید زمانے کا۔ وہ اس زمانے میں نہیں تھا لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اسی جگہ گھوم پھر رہا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اس احساس میں اتنا کھو گیا کہ اس کی آنکھوں میں ان چہروں کے عکس بننے لگے جن سے وہ ملا تھا۔ کانوں میں وہ لوگ سرگوشیاں کرنے لگے جنہیں مرے ہزاروں سال بیت گئے۔

ہمسیم کا دماغ ماضی کی طرف کھینچنے لگا اس کی آنکھوں کے پردہ بصارت پر کچھ منظر رونما ہونے لگے۔ ویران زمین ہزاروں سال پرانی آبادی میں بدلنے لگی۔ اس کے قدم زمین سے اٹھ رہے تھے وہ سرپکڑ کے چلانے لگا۔

پھر علیشہ کا خوبصورت چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ سیاہ چادر میں لپیٹی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اپنی طلسمی نگاہوں سے ہمسیم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہمسیم نے چیخنا چھوڑ دیا۔ اس کی زبان سے نکلا۔ ”علیشہ!“

واصلہ نے ہمسیم کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں کی پتلیاں اوپر چڑھ گئی تھیں جیسے کہ غائب ہو گئی ہوں۔ واصلہ نے اسے جھنجھوڑ کے رکھ دیا لیکن ہمسیم کو جیسے اس کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر اس کے کانوں میں علیشہ کی چیخیں گونجنے لگیں۔ یہ اس کی آخری چیخیں تھیں پھر اسے آگ دیوتا کی بھیئت چڑھا دیا گیا تھا۔



ہصیم کے حلق سے چیخ نکلی جس کے ساتھ ہی وہ جیسے کسی خواب سے باہر آ گیا ہو۔ واصلہ کا چہرہ اس کے سامنے تھا۔ واصلہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ہصیم کے چہرے کو تھاما ہوا تھا۔

اس نے گھبرا کے اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

ہصیم کے سر میں سخت درد ہو رہا تھا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی گھر چلتے ہیں۔“ واصلہ نے ہصیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہصیم نے جیسں پیا کی۔ ”نہیں ہم پہلے بہت وقت ضائع کر چکے ہیں۔“

جاسم اور شائزہ ان دونوں کے قریب آئے۔

”کیا معاملہ ہے ہصیم کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔“ ہصیم نے جاسم کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”میں ٹھیک ہوں بس ذرا سر درد کر رہا ہے۔ جاسم میں سوچ رہا ہوں کہ کسی طرح ایک نئی ٹیم تیار کرنا ہوگی۔ ہمیں یہاں نئے سرے سے کام

شروع کرنا ہوگا۔“

جاسم کی بجائے حماد نے جواب دیا۔ ”اس کا انتظام کر رکھا ہے ابھی تھوڑی دیر میں چار نو جوان پہنچ جائیں گے جو تمہاری مدد کریں گے۔“

باہر کے ممالک کی ٹریننگ کی وجہ سے واصلہ کا نوادرات ڈھونڈنے کا طریقہ تھوڑا مختلف تھا وہ اپنے طور پر ریسرچ کرنا چاہتی تھی۔ تھوڑی

دیر تک وہ چار نو جوان بھی آ گئے۔ ان کے پاس کھدائی کا مکمل سامان تھا اور اس شعبے سے متعلق جان کاری بھی رکھتے تھے۔ وہ سب شام تک اس کام

میں مصروف رہے۔ ہر پچھلی مرتبہ کی طرح اس بار بھی انہیں کوئی اور چیز نہیں ملی۔

وہ لوگ واپسی کے لئے سامان سیٹنے لگے۔

ہصیم ایک پتھر ملی چٹان کے ساتھ پشت لگائے مسلسل اس زمین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

واصلہ اس کے پاس آئی۔ ”کیا سوچ رہے ہو۔“

ہصیم کی نظر اس زمین پر مسلسل ٹھہری ہوئی تھی۔ ”مجھے سب کچھ صاف صاف دکھائی دے رہا ہے لیکن ان سب چیزوں کے آثار میں اس

زمین میں کیوں نہیں ڈھونڈ سکتا۔“ ہصیم بہت الجھا ہوا بول رہا تھا۔

واصلہ نے کہا۔ ”ہزاروں سال کے بعد کسی بھی قسم کے آثار اب یہاں موجود نہیں ہیں۔ علیحدہ کی لاش یہ یقین کر لینے کے لئے کافی ہے کہ

یہ سب کسی پُر اسرار علوم کی بدولت ہوا ہے۔ ایسے علوم جن تک رسائی ہمارے لئے ممکن نہیں ہے لیکن.....“ واصلہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

ہصیم نے اس کا جملہ مکمل کیا۔ ”لیکن خوفناک حقیقت کسی بھی ناک نتیجے کی شکل میں واشگاف ہوگی اور اس وقت تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔“

حماد ان دونوں کے قریب آیا۔ ”آ جاؤ اسب لوگ گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“

وہ دونوں ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہصیم ایک بار پھر رک کے پیچھے کی طرف دیکھنے لگا۔ واصلہ نے اسے



ایک بار پھر جھنجھوڑ دیا۔

”چلو نا.....“

جب وہ لوگ واپس آرہے تھے تو نصف رات گزر چکی تھی۔ گھر کے قریب پہنچ کے حماد نے گاڑی کسی انجان سے رستے پر موڑ لی۔ ہمسیم نے اس کے کندھے پر تھکی دی۔

”یہ کہاں جا رہے ہو؟“

”پتہ چل جائے گا تھوڑی دیر میں۔“

کچھ دیر کے بعد وہ ایک تنگ گلی میں داخل ہو گیا۔ ان کی گاڑی ہچکولے کھاتے ہوئے ایک پرانی طرز کے خستہ حال گھر کے قریب رکی۔ حماد گاڑی سے اترا۔ ”تم سب میرے ساتھ آؤ۔“

حماد نے لکڑی کے ٹوٹے ہوئے دروازے کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ اندر کوٹھری نما کمرے میں لائٹیں کی دھیمی دھیمی لو بتا رہی تھی کہ اندر کمرے میں کوئی موجود ہے۔

ان کے قدموں کی آواز پر در در میں رُندھی ہوئی آواز ابھری۔ ”کون ہے؟“

غالباً وہ شخص بیمار تھا۔

حماد نے کہا۔ ”باباجی میں ہوں حماد۔“

حماد کی آواز پر بوڑھا شخص جلدی سے اٹھ گیا۔ ”آؤ بیٹا! بیٹھو۔“

وہ سب بوڑھے شخص کی چار پائی کے بالمقابل چار پائی پر بیٹھ گئے۔ حماد نے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے گھر کی طرف دیکھا۔ ”کسی کو ٹھہرا لیں اپنے ساتھ کیوں اس طرح ویران گھر میں پڑے رہتے ہیں۔“

بوڑھا شخص جو کسی ذہنی اذیت میں مبتلا تھا کراہ کر بولا۔ ”مجھے کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو اپنی سانسیں گنتا ہوں۔ کب وہ سانس آئے جو مجھے اجل کی طرف لے جائے اور میں اپنی بیٹی کے پاس چلا جاؤں۔“

”بیٹی؟“ واصلہ نے سوالیہ نظروں سے حماد کی طرف دیکھا۔

”ان کی بیٹی بھی گاؤں کے ان لوگوں میں شامل ہے جو ہر اسرار موت مرے ہیں۔“

حماد کی اس بات پر بوڑھا شخص جلدی سے اٹھا اور فریم میں لگی ہوئی ایک تصویر لے کر ان کے قریب آیا وہ تصویر بوڑھے شخص کی اور اس کی جوان بیٹی کی تھی۔

شائرہ نے وہ تصویر اپنے ہاتھ میں لی تو وہ خوف سے چلا انھی۔ واصلہ نے تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی۔ ”اوہ میرے خدایا..... یہ تو ان تین لڑکیوں میں سے ایک ہے۔“



واصلہ کے منہ سے حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز نکلی۔

ہصیم نے تصویر اس کے ہاتھ سے لے لی۔

”کون سی تین لڑکیاں.....“ ہصیم نے کہا۔

ہصیم اور جاسم نے وہ تصویر دیکھی تو تھر تھراہٹ کی ایک لہر ان کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ یہ تصویر ان لڑکیوں میں سے ایک لڑکی کی تھی جنہوں نے خوفناک گدھوں کے روپ میں جنگل میں ان پر حملہ کیا تھا۔

خوف کی جس کیفیت سے شازہ بمشکل باہر نکلی تھی تصویر دیکھنے کے بعد وہ اسی کیفیت میں دوبارہ مبتلا ہو گئی۔ وہ تھر تھراہٹ کا پنے لگی۔ واصلہ نے اسے شال اوڑھادی تو اس کا جسم تپ رہا تھا۔

واصلہ گھبراہٹ میں بولی۔ ”شازہ کی طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے۔ ہمیں چلنا چاہئے۔“

جاسم نے شازہ کی طرف دیکھا اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔

اس نے اپنے رومال سے اس کا پسینہ پونچھا۔ ”کیوں ڈر رہی ہو شازہ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔“

شازہ اپنے کانپتے ہونٹوں سے کوئی جواب نہ دے پائی۔

حماد نے بوڑھے شخص سے کہا۔ ”باباجی! ہم صبح آئیں گے۔“

وہ سب جلدی وہاں سے نکل گئے۔

واصلہ نے شازہ کو سہارا دیتے ہوئے گاڑی میں بٹھایا۔

شازہ کانپتی ہوئی آواز میں بمشکل بولی۔ ”مجھے ہاسپٹل لے کر مت جانا۔ مجھے گھر لے جانا۔“

”تم فکر نہ کرو۔ ہم گھر پر ڈاکٹر بلا لیں گے۔“ جاسم نے اسے تسلی دی۔ پورے راستے شازہ کے منہ سے نکلتی ہوئی آوازوں سے سب انجانے سے خوف میں مبتلا رہے۔ حماد کے گھر پہنچے تو سب کو ڈراپ کر کے جاسم ڈاکٹر کو لینے چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد ہی جاسم ڈاکٹر کو لے کر گھر پہنچ گیا۔

ڈاکٹر نے شازہ کو نیند کا انجکشن دیا اور اس کے زخموں کی ڈرینگ کی۔

ہصیم نے ڈاکٹر حشام سے پوچھا۔

”ڈاکٹر صاحب شازہ کے زخم کیوں نہیں ٹھیک ہو رہے؟“

ڈاکٹر حشام کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

”جہاں تک میرا خیال ہے شازہ کے زخم کافی بہتر ہونے چاہئیں تھے یہ تو آج اس طرح ہے جس طرح یہ زخم ابھی شازہ کو لگے ہیں۔“

مجھے شازہ کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی تم اسے شہر لے جاؤ ہمارے پاس جدید قسم کا سامان نہیں ہے۔“

ہصیم نے کہا۔ ”آپ اپنی طرف سے پوری کوشش کریں کہ شازہ ٹھیک ہو جائے تین یا چار دن اس گاؤں میں ٹھہرنا ہماری مجبوری ہے۔“



”چلیں ایسا کرتے ہیں کہ چند ضروری ادویات آپ کسی طرح ہمیں شہر سے منگوا دیں۔ میں کوشش کرتا ہوں۔“  
 ”بہت بہت شکریہ آپ کا۔ میں آپ کو ادویات منگوا دوں گا۔ آپ مجھے پرچی پر لکھ دیں۔“ ہصیم نے کہا۔  
 ڈاکٹر حشام نے ایک پرچی پر ادویات لکھ دیں۔

جاسم ڈاکٹر حشام کو اس کے کلینک تک چھوڑ آیا۔  
 جاسم واپس آیا تو اس نے ہصیم سے علیحدگی میں پوچھا۔ ”ڈاکٹر شازہ کے متعلق کیا کہہ رہا تھا؟“  
 ہصیم نے جاسم کو ساری بات بتائی۔

جاسم کا چہرہ پہلے ہی اُترا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ وہ شازہ کے لئے بہت پریشان تھا۔ وہ نقاہت میں صوفے پر  
 براجمان ہو گیا۔ ہصیم اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”تم پریشان نہ ہو، میں صبح ہی یہ ادویات شہر سے منگوا دیتا ہوں۔ شازہ ٹھیک ہو جائے گی۔“

جاسم نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں اپنے مشن کے لئے شازہ کی جان داؤ پر نہیں لگا سکتا۔“ تم اور واصلہ یہیں ٹھہرو، میں صبح شازہ کو لے کر شہر  
 روانہ ہو جاؤں گا۔“

ہصیم جذباتی ہو گیا۔ ”میں کہہ رہا ہوں نا کہ ادویات صبح ہی منگوا دوں گا۔ ہمیں کچھ کرنا ہے۔ ادھر گاؤں میں جو سات گھر برباد ہو گئے ہیں،  
 تمہیں ان کی کوئی فکر نہیں۔“

”ہم سب ختم ہو جائیں؟ کوئی بھی اس گاؤں کے لئے اب کچھ نہیں کر سکتا۔ میں شازہ کو بہت چاہتا ہوں۔ اسے اس طرح تکلیف میں  
 نہیں دیکھ سکتا۔“

جاسم جبین پیائی کرنے لگا۔

ہصیم کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ ”جیسی تمہاری مرضی۔“

واصلہ ان دونوں کی ساری بات سن رہی تھی۔

ہصیم باہر لان میں بیٹھ گیا۔ اس کا موڈ سخت آف تھا۔ واصلہ اس کے پیچھے باہر لان میں آ گئی۔ وہ کرسی پر آنکھیں بند کئے بیٹھا ہوا تھا۔  
 واصلہ اس کی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے مسلسل اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے اپنی میٹھی سی آواز میں سکوت توڑ دیا۔

”تم جاسم کے محسوسات کو کیسے سمجھ سکتے ہو، تم نے کبھی محبت کی ہو تو ہی تم کسی ایسی مجبوری کو سمجھ سکتے ہو۔“

واصلہ کی بات سن کے ہصیم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ وہ بھی شریر سے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ اس نے اشارے سے اسے اپنے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے



کے لئے کہا۔

واصلہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس نے واصلہ کی طرف گہری نظروں سے دیکھا۔ ”محبت تو ابھی تک نہیں کی لیکن محبت کی زنجیروں کو اپنی طرف بڑھتا محسوس کر رہا ہوں۔“

”تو پھر دور ہو جاؤ ان زنجیروں سے۔“ واصلہ کی نظریں ہمسیم کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

”میں تو خود ان زنجیروں کی طرف بڑھ رہا ہوں۔“ ہمسیم نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

واصلہ جیسے اس کے لہجے کی گہرائی میں کھوس گئی وہ سر جھکائے سوچنے لگا۔

اچانک وہ رنجیدہ ہو گیا۔ ”کسی کو دکھ دیتے دیتے ہم عرصہ گزار دیتے ہیں لیکن کسی کو خوشیاں دینے کے لمحات بہت نایاب ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی ریت کی طرح ہاتھ سے پھسل جاتے ہیں۔ اس لئے کبھی ایسی بات کہنے میں دیر نہیں لگانی چاہئے جس میں کسی کے لئے خوشیاں چھپی ہوں۔“

واصلہ کندھے اچکاتے ہوئے بے اعتنائی سے بولی۔ ”نہ جانے مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ نہ کہتے ہوئے بھی تم نے مجھ سے سب کچھ کہہ دیا ہو۔“

”لیکن تمہارے لہجے میں امید اور مایوسی یکجا کیوں ہے؟“

”نہ جانے کیوں ایک کھٹکا سا لگا رہتا ہے۔ سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ ان حالات میں کسی امید کے ساتھ مایوسی تو ہوگی نا۔“ ہمسیم کی اس بات کا جواب حماد نے دیا جو چائے لے کر ان کے قریب آ رہا تھا۔

”ہاں حالات بہت سنگین صورت اختیار کر گئے ہیں۔“ اس نے ہمسیم اور واصلہ کو چائے پیش کی اور ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

”صبح مجھے تم دونوں کو کچھ اور لوگوں سے ملوانا ہے۔ جاسم اور شازہ تو صبح چلے جائیں گے۔ ان لوگوں سے جاسم کا ملنا بہت ضروری تھا۔ ان کے عزیزوں کی اموات جس جس طریقے سے ہوئی ہے اس سے تم بخوبی جان لو گے کہ ان اموات کی ذمہ دار کوئی مافوق الفطرت مخلوق ہے۔ میں تو خوف سے کئی راتیں نہیں سو سکا۔“

”تم جاسم کو جانے دو میں اور واصلہ ساری تفصیل معلوم کر لیں گے۔“

صبح شازہ نارمل حالت میں پھر رہی تھی۔ اس کے زخموں میں جیسے کوئی تکلیف نہ ہو۔ سب نے اکٹھے ناشتہ کیا تو جاسم نے شازہ سے شہر جانے کی بات کی۔

شازہ کچھ خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ ”میں کہیں نہیں جا رہی جب تک یہ مشن پورا نہیں ہو جاتا۔“ یہ کہہ کے شازہ ناشتہ چھوڑ کے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

جاسم بھی نیبل سے اٹھ کر اس کے پیچھے کمرے میں چلا گیا۔

شازہ پھولوں سے بھرے گلدان کے قریب کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ نازک خوبصورت پتیوں سے کھیل رہے تھے۔ جاسم اس کے پیچھے



کھڑا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے شازہ کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔

شازہ نے ہنستی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ جاسم نے پُر خلوص نظروں سے شازہ کی طرف دیکھا۔ ”کیا ہمارے بیچ صرف دوستی کا رشتہ ہے؟“

شازہ نے جواب میں اپنی پلکیں جھکا لیں۔ ”یہی سوال اگر میں تم سے پوچھوں تو.....“

شازہ کے اس سوال پر جاسم نے مسکراتے ہوئے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ”یہ بات میں نے تم سے کئی مرتبہ کہنا چاہی لیکن کہہ نہیں پایا۔ تم نے خود بھی کبھی ایسا سوال نہیں کیا۔ میں..... میں تمہیں چاہتا ہوں دل کی گہرائیوں سے لیکن تم میری بات نہ مان کر مجھے اذیت دے رہی ہو۔“ جاسم جذباتی انداز میں شازہ کی طرف پلٹا۔

”جاسم! تم حالات بھی تو دیکھو.....“

”میں کسی بھی حال میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ رات تمہاری حالت کس قدر خراب ہو گئی تھی۔ بس تم تیاری کرو، ہمیں شہر جانا ہے ورنہ میں تمہارے والدین کو خود ہی ساری صورت حال بتا دوں گا۔ وہ خود تمہیں لے جائیں گے۔“

”اگر تم نے ایسا کیا تو میں کبھی بھی تم سے بات نہیں کروں گی۔ تم کچھ بھی کہو لیکن میں ابھی شہر نہیں جاسکتی۔“

جاسم خفگی سے دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گیا۔

شازہ اس کے قریب آئی۔ ”اگر میری دوبارہ حالت خراب ہوئی تو تم مجھے اسی وقت شہر لے جانا۔ شہر جانے سے پہلے میں نہیں مروں گی۔“

شازہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

لیکن جاسم کے ہونٹوں پر کوئی ہنسی نہیں آئی تھی وہ جوں کا توں منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ شازہ نے اسے ایک بار پھر منانے کی کوشش کی۔

”اچھا ایک ایگریمنٹ کرتے ہیں۔ میں تم لوگوں کے ساتھ مشن کے دوران باہر نہیں جاؤں گی۔ میں ادھر حماد کے گھر ہی اس مشن پر کام کروں گی، تم لوگوں کی مدد کروں گی۔“

شازہ کی بات سن کے جاسم سر جھکائے بیٹھ گیا۔

”ٹھیک ہے نہیں جانا چاہتی نہ جاؤ لیکن مجھے یہ تو علم ہو گیا ہے کہ میری بات کی تمہارے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔“

”جاسم تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو.....“

شازہ کی بات ابھی ادھوری تھی، جاسم وہاں سے اٹھ کے چلا گیا۔

☆=====☆=====☆



حماد کی بہن فائزہ بہت پُر خلوص لڑکی تھی۔ اس نے سب کا بہت خیال رکھا۔

حماد، ہمسیم واصلہ اور جاسم کے ساتھ گاڑی میں نکلا۔ شائزہ فائزہ کے ساتھ گھر پر ہی تھی۔

راستے میں حماد نے بتایا۔ ”میں آپ لوگوں کو جس گھر کی طرف لے کر جا رہا ہوں وہاں کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا جس سے کہا جائے کہ وہاں ہونے والے قتل کسی مافوق الفطرت مخلوق نے کئے ہیں۔ افتخار حسین اور اس کی بیوی کی خون میں لت پت لاشیں ان کے گھر کے صحن میں ملیں اور اسی دن ان کی دو جوان بیٹیاں لاپتہ ہو گئیں۔“

”ان کی بیٹیاں والدین کے قتل کے بعد لاپتہ ہوئیں؟“ ہمسیم نے سوال کیا۔

”جب گاؤں والے لاشیں دیکھنے ان کے گھر پہنچے تو لڑکیاں گھر پر موجود نہیں تھیں۔“ حماد نے بتایا۔

واصلہ نے پوچھا۔ ”لاشیں کیا جلی ہوئی تھیں؟“

”نہیں، کسی نے ان دونوں کو بہت عجیب طریقے سے مارا۔ ان دونوں کے سینے چاک کئے گئے تھے۔“ حماد نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

حماد کی اس بات سے کوئی خوفناک منظر ہمسیم کے ذہن میں گھوم گیا جس کے ساتھ ہی اس کی زبان سے لفظ ادا ہوئے۔ ”علیشہ کا سینہ بھی چاک کیا گیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“ حماد نے حیرت سے ہمسیم کی طرف دیکھا۔

ہمسیم نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہا۔ ”تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے۔“

ان کی گاڑی جس گھر کے پاس رکی وہ تقریباً ویران علاقے میں تھا۔ حماد نے انہیں گاڑی سے اترنے کے لئے کہا۔ وہ سب گھر کی طرف بڑھے۔ حماد نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ وہ سب حماد کے ساتھ اندر چلے گئے۔ گھر میں داخل ہوتے وقت ان کا استقبال ان کی جسامت سے بڑے جالوں نے کیا۔ اس خالی گھر کی حالت ایسی تھی جیسے برسوں سے خالی پڑا ہے۔ سب کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ گرد سے اٹے ہوئے گھر میں داخل ہوتے ہی واصلہ کو کھانسی شروع ہو گئی۔ وہ سب مختلف کمروں میں تقسیم ہو گئے۔ وہ گھر کیا ایک حویلی تھی۔ وہ سب ایک دوسرے سے الگ ہو چکے تھے۔ خوفناک سناٹے میں تھر تھراتی یہ بھیا تک دو پہر انہیں حویلی میں محصور کر چکی تھی۔

لوگوں کی خوفناک اموات کے تصور کے ہیولے ان کے دماغوں کو جکڑے ہوئے تھے۔ واصلہ ایک بڑے سے کمرے کی دیواروں پر چسپاں تصاویر دیکھ رہی تھی۔ خوف کے تاثرات اس کے چہرے پر عیاں تھے۔

اس احساس سے اس کے جسم پر جھرجھری سی دوڑ گئی کہ وہ بالکل تنہا ہے۔ اسے ہر طرف خون کے چھینٹے دکھائی دے رہے تھے جو وہاں نہیں تھے۔ فضا سے خوفناک غرغراہٹ کی آوازیں ابھر رہی تھیں جو شاید اس کا واہمہ تھیں۔

اسے اپنی لانگ ہیل کی ٹک ٹک کی آواز جب دو گنا سنائی دینے لگی تو اس نے بے ساختہ ہمسیم کو آواز دی۔

ہمسیم جو شاید قریب ہی تھا اس کے پاس آیا۔ ”کیا بات ہے؟.....“



واصلہ اس کے قریب آئی۔ ”تم میرے ساتھ رہو۔“

ہصیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ڈر رہی ہو؟“

واصلہ نے کندھے اچکاتے ہوئے ارد گرد دیکھا۔ ”خوف کی کوئی پرچھائیں ہے جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ ہم خود کو کتنا ہی بہادر سمجھیں

لیکن ہم سب کے اندر ایک بزدل انسان چھپا ہوتا ہے۔“

ہصیم واصلہ کی طرف تضحیک آمیز انداز سے دیکھ رہا تھا۔ ”لڑکیاں زیادہ ڈر پوک ہوتی ہیں۔“

واصلہ نے ترچھی نظر سے اس کی طرف دیکھا۔

”تم ساتھ رہو گے تو کسی بھی جگہ بزدلی نہیں دکھاؤں گی۔“

”ہمارا کوئی ساتھی اکیلا نہیں ہوگا۔ ہم جوڑوں کی شکل میں کام کریں گے۔“

”تمہارے ساتھ کون ہوگا؟“ واصلہ نے اپنے بالوں کی لٹ کان کے پیچھے لے جاتے ہوئے کہا۔

ہصیم اس کے قریب آیا۔ ”میرے ساتھ وہی لڑکی ہوگی جسے میں زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں۔“

جاسم پورے انہماک کے ساتھ معائنے میں مصروف تھا۔

کمروں سے ہوتا ہوا وہ باہر صحن میں آ گیا۔ یہ صحن گملوں سے بھرا ہوا تھا جن کے پودے سوکھ چکے تھے۔

ایک بڑے حصے پر کیاری تھی جس کے پودے بھی مرجھا چکے تھے۔ جاسم کیاری کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک پودے کی طرف ہاتھ بڑھایا

تو اس گھنے پودے کے پیچھے دیوار پر اسے چند نشانات دکھائی دیئے۔ وہ کیاری میں اتر گیا۔ دیوار پر وہ نشانات تھے جو مجوسی اپنے آگ دیوتا کی پرستش

کے دوران لگاتے تھے۔ ان نشانات کے نیچے وہی زبان لکھی تھی جو علیشہ کی لاش کے تابوت پر لکھی تھی۔

جاسم ہصیم کی آواز پر چونک اٹھا۔ ”کیا کر رہے ہو جاسم؟“

”یہ دیکھو! ادھر نیچے آؤ۔“

جاسم نے کیاری کی دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

واصلہ اور ہصیم جاسم کے پاس آ گئے۔ ہصیم نے دیوار پر لگے نشانات دیکھے۔ اس نے دیوار پر لکھی زبان پڑھی تو فوراً اس کے لبوں سے یہ

جملہ ادا ہوا۔

”یہ زمین کھودو.....“

”ٹھہرو میں حماد کو بلا کے لاتا ہوں۔“ جاسم تھوڑی دیر کے بعد حماد کو لے آیا۔

جاسم حماد اور ہصیم تینوں مل کر زمین کھودنے لگے۔

تھوڑی سی زمین کھودنے کے بعد انہیں اپنا پلچہ کسی چیز کے ساتھ ٹکراتا ہوا محسوس ہوا۔ ہصیم نے فوراً انہیں ہوشیار کیا۔



”اب باقی کھدائی ہاتھوں کی مدد سے کرو۔“ وہ تینوں اپنے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ مٹی نکالنے لگے۔

آہستہ آہستہ اس مٹی میں ڈھکی چھپی کوئی چیز انہیں دکھائی دینے لگی لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چیز ہے؟“

ہمسیم اور جاسم نے برش کی مدد سے مٹی پیچھے کرنا شروع کی تو حماد کی چیخیں نکل گئیں۔ ان کی نظروں کے سامنے دو انسانی ڈھانچے عیاں تھے۔

ڈھانچوں پر سے گوشت تو ختم ہو چکا تھا لیکن چند ایسی نشانیاں تھیں جن سے پتہ چل رہا تھا کہ یہ دو لڑکیوں کے ڈھانچے ہیں۔

واصلہ خوف سے چلائی۔ ”اوہ میرے خدایا۔“

جاسم نے ڈھانچے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ہمسیم نے اسے روک دیا۔ ”اسے چھونا مت، یہ جس طرح دفن تھے انہیں اسی طرح دفن کر دو۔“

ہم اس کی مدد سے اس شیطانی گروہ تک پہنچیں گے۔“

واصلہ نے ہمسیم کی طرف دیکھا۔ ”ہم ان ڈھانچوں کے لیبارٹری ٹیسٹ سے بھی کافی حقائق جان سکتے ہیں۔“

واصلہ کی بات پر ہمسیم نے دیوار پر لگے نشانات کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہ نشانات دیکھ رہی ہو، یہ ان قبروں کے اوپر کیوں ہیں، یقیناً اس کا

کوئی مقصد ہوگا۔ آج رات ادھر ٹھہرتے ہیں کوئی نہ کوئی بات سامنے ضرور آجائے گی۔“

حماد جو ایک طرف کھڑا ساری باتیں سن رہا تھا، خوف سے اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ پریشان کن لہجے میں بولا۔ ”یہاں رات گزارنا

موت کو آواز دینے کے برابر ہے۔ میری بات مانو، ان ڈھانچوں کا لیبارٹری ٹیسٹ کر لیتے ہیں۔“

ہمسیم نے معنی خیز لہجے میں حماد کو سمجھایا۔

”جان جاتی ہے تو جائے، ہمیں ہر حال میں اس شیطانی طوفان کو روکنا ہے جو ہزاروں لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لینے والا ہے۔ تم گھر جاؤ

ہمیں سازہ اور گھر کی دوسری خواتین کو اکیلے نہیں چھوڑنا چاہئے۔“

جاسم نے آگے بڑھ کر حماد کو سمجھایا۔

”ہمسیم ٹھیک کہہ رہا ہے تم ہماری فکر نہ کرو، تم گھر خواتین کے پاس جاؤ۔ یہ آسیبی طاقتیں جن کی لپیٹ میں ہم سب آچکے ہیں، کسی گھر میں

قید نہیں، اس گھر کی ہوا میں موجود ہے۔“

حماد نے ان کی بات مان لی اور وہ گھر چلا گیا۔

جاسم، ہمسیم اور واصلہ ایک کمرے میں بیٹھ کے کچھ پلان کرنے لگے۔ کچھ دیر کی گفت و شنید کے بعد ہمسیم نے جاسم سے کہا۔

”رات کے لئے روشنی کا انتظام ہے؟.....“

جاسم نے اپنے بیگ سے دو ایرجنسی لائٹس اور دو عدد نارچ ہمسیم کو دکھائیں۔ وہ دونوں مل کر کچھ اور سامان بھی چیک کرنے لگے۔ واصلہ نے

اپنے بیگ کے کچھ کھانے کی اشیاء نکالیں۔





ایم اے راحت کے جادوئی قلم سے خوف و اسرار میں لپٹا ہوا دہشتناک ناول

ایک ایسے قبیلے کی داستان جو انسانی خون اور گوشت کا نذرانہ لیتا تھا  
خون پی کر کالی شکتی حاصل کرنے والا شخص کون تھا؟  
بچھو کے بھرپور انسانی چہرہ کس کا تھا؟

کچھو

مکمل اور ضخیم ناول

احمد اقبال کے قلم  
سے جاری ایڈ وچر سے  
بھرپور تہلکہ خیز سلسلہ

محترمہ  
بلقیس  
کنول

کے قلم سے ایک رومانوی معاشرتی ناول

مہندی رے ہاتھ

قیمت  
300/-  
روپے

مداری

قیمت  
150/-  
روپے

موصوم دلوں کی کہانی وہ دھڑکنوں کی ٹال پر  
محبت کے نغمے الاپ رہے تھے  
سلگتے ارمان اور مچلتے ارمان ایک دل گذار داستان

قیمت فی حصہ  
60/-  
روپے

پانچواں اور چھٹا حصہ شائع ہو گیا ہے

محی الدین نواب کے قلم سے معاشرے  
کے ارد گرد گھومتی ہوئی کہانی

علیم الحق حق کے شہرہ آفاق قلم سے  
نئی جڑجھج کے ساتھ دو بہترین کتابیں

طاہر جاوید غل کے قلم سے جہانی استاد  
کی ہنگامہ خیز سرگزشت

کچے رشتے

شناخت

قیمت = 100/- روپے

گھروندا

قیمت = 100/- روپے

نواوان

قیمت فی حصہ 60/- روپے

مکمل ایک تا پندرہ حصے دستیاب ہیں

اپنے قریبی بکسٹال یا ہا کر سے طلب فرمائیں

علی بکسٹال

نسبت روڈ، چوک میوہ پستال، لاہور۔

علی میاں پبلیکیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔

Ph: 7247414

براہ راست  
منگوانے  
کا پتہ



حماد گھر پہنچا تو شازہ نے اس سے ساری بات پوچھی۔ وہ تمام صورت حال جان کے خاصی پریشان ہوئی۔  
 ”میں ان کے ساتھ ہوتی تو.....“ شازہ پریشانی میں بولی۔

”اگر تم ان کے ساتھ ہوتی تو کیا کر لیتی، مجھے تو لگتا ہے وہ تینوں بھی کچھ نہیں کر پائیں گے۔“

شازہ نے اپنے موبائل سے اس کا نمبر ڈائل کیا۔

جاسم نے موبائل پر شازہ کا نمبر دیکھا تو مسکرانے لگا۔ اس نے موبائل آف کر دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب اس نے اپنا موبائل آن کیا تو پھر شازہ کا فون آیا۔ اس نے پھر موبائل بند کر دیا۔ ایسا اس نے تین مرتبہ کیا۔

چوتھی مرتبہ جب اس نے موبائل اٹینڈ کیا تو شازہ کی گھبرائی ہوئی آواز پر وہ ہنسنے لگا۔

شازہ غصے میں جل بھن گئی۔ ”تم اتنی دیر سے مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔“

”بنے بنائے کو کیا بنانا۔“ جاسم پھر ہنسنے لگا۔

شازہ کا پارہ مزید چڑھ گیا۔

”تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں تمہارے لئے کس قدر پریشان ہوں، اور تمہیں مذاق کی پڑی ہے۔“

”مطمئن رہو، زندہ سلامت ہیں فی الحال لقمہ اجل نہیں ہوئے۔“ جاسم ابھی تک سنجیدہ نہیں ہوا تھا کہ شازہ رونے لگی۔

جاسم بے چین ہو گیا۔ ”شازہ کیوں رو رہی ہو، کیا ہوا ہے؟“

”پتہ نہیں جاسم عجیب سی گھبراہٹ ہے جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ طرح طرح کے وسوسے ذہن میں آرہے ہیں۔“

”تم پریشان نہ ہو، ہم ان شاء اللہ صبح و سلامت آئیں گے۔ اس طرح کے حالات میں وہم ذہن میں آتے ہیں۔ بگلی! تمہیں تھوڑی دیر

کے لئے فریش کرنے کے لئے میں تم سے مذاق کر رہا تھا۔ اندر سے تو میں بھی پریشان ہوں۔ ہم سب پریشان ہیں لیکن یہ امید لے کر اس مشن پر نکلے

ہیں کہ ان شاء اللہ لوگوں کو اس ناگہانی افتاد سے بچالیں گے۔ ایک رات کی تو بات ہے، صبح آجائیں گے۔“

جاسم اسے معنی خیز انداز میں سمجھا رہا تھا لیکن نہ جانے اس کے من میں کیا بات تھی جو زبان پر آنے تک اپنا معنی بدل لیتی تھی۔

وہ عجیب انداز میں بول رہی تھی۔ ”جاسم آج کی رات کہیں ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا نہ کر دے۔“

”پلیز شازہ میری مدد کرو، تمہاری ایسی باتیں سن کے میں سب کچھ چھوڑ کے تمہارے پاس چلا آؤں گا۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ ہمیں

بہت سے لوگوں کی زندگیاں بچانی ہیں۔“

جاسم اپنی بات پوری نہیں کر پایا تھا کہ شازہ نے اپنا موبائل بند کر دیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جاسم سے ٹھیک طرح سے بات

نہیں کر پائے گی۔ جاسم موبائل پاکٹ میں رکھتے ہوئے بے چینی سے ٹھہلنے لگا۔

ہصیم اور واصلہ اس کے پاس آئے تو وہ کسی گہری سوچ میں غرقاب تھا۔



ہصیم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ جیسے کانپ کے رہ گیا۔

ہصیم اپنی گرجدار آواز میں بولا۔ ”کیا ہو گیا ہے تمہیں، تم بھی خوفزدہ ہو۔“

جاسم کی پیشانی پر پسینہ چمک رہا تھا۔ اس نے پسینہ پونچھا۔ ”میں خوفزدہ نہیں، شائزہ بہت خوفزدہ ہے۔“

ہصیم نے اسے اندر کمرے میں آنے کے لئے کہا۔

وہ تینوں کمرے میں بیٹھے تو ہصیم نے بات شروع کی۔

”میں نے حماد کو خاص تاکید کی ہے کہ وہ جونہی کوئی خطرے کی بات محسوس کرے ہمیں آگاہ کر دے ہم گھر سے زیادہ دور نہیں ہیں۔“

”تم حوصلہ رکھو ہم سب خطروں سے کھیل رہے ہیں۔ یہ آگ کا کھیل ہے۔ اس وقت ہماری سب سے بڑی طاقت قوت ارادی ہے۔“

واصلہ نے جاسم اور ہصیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لڑکیوں کو یہاں دفن کرنے کے بعد اس شیطانی مخلوق نے اس

گھر سے کوئی تعلق نہ رکھا ہو۔ جس طرح ہم اس وقت اس گھر میں بیٹھے ہیں، کیا پتہ ہماری رات بھی اسی طرح گزرے۔“

جاسم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“

ہصیم خاموش تھا۔

مغرب کا وقت ہوا تو دن کی روشنی مدھم ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ اندھیرا بڑھنے لگا اور پورا گاؤں رات کی سیاہی میں ڈوب گیا۔

ہصیم کی تاکید کے مطابق وہ تینوں اکٹھے ایک ہی کمرے میں موجود تھے۔

”ہصیم! معمولی سی روشنی کر لیتے ہیں بہت اندھیرا ہے۔“ جاسم نے ٹارچ جلائی تو ہصیم نے اس سے ٹارچ لے کر بند کر دی۔

”نہیں، ہمیں روشنی نہیں کرنی چاہئے۔“

ابھی یہ الفاظ ہصیم کی زبان سے ادا ہی ہوئے تھے کہ تڑاخ کی آواز سے دروازہ کھلا۔

سب کی سانسیں اٹک کے رہ گئیں۔

کچھ ہی دیر کے بعد دروازے کے قریب سے روشنی کا ایک ہیولا نمودار ہوا۔ تینوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

ہیولے میں مدھم سا خاکہ دکھائی دے رہا تھا جیسے سفید چولا پہنے کوئی بزرگ ہو لیکن ان کی شکل دیکھنا مشکل تھا۔ گویا کہ روشنی ہی انسانی

خاکے میں ڈھلی ہوئی تھی۔

انہوں نے کچھ دیکھنے کی کوشش کی تو اس منور جسم سے نکلنے والی شعاعوں سے ان کی آنکھیں چندھیا کے رہ گئیں۔

دہشت میں لبریز احساس جو انہیں موت کا یقین دلا رہا تھا، ساتھ ساتھ ان کا مقصد ان میں مقابلے کی قوت پیدا کر رہا تھا۔ اس منور جسم

سے انسانی آواز ابھری۔ ”اندھیرے میں چھپ کے تم اس آتشی مخلوق سے نہیں بچ سکتے۔ تمہارے جسم کی خوشبو انہیں تم تک پہنچا دے گی۔“

”آ..... آپ کون؟.....“ ہصیم گھبراہٹ میں بولا۔



منور جسم سے پھر آواز ابھری۔ ”یہ سوال کرنے کا وقت نہیں ہے۔ میں تم سے تیسری مرتبہ ملا ہوں۔ کبھی فرصت میں سوچنا سمجھ جاؤ گے۔ یہ لو سفوف.....“

ایک چنگاری اس منور جسم سے ابھری اور ہصیم کی آغوش میں جاگری جو ایک ڈبیہ میں بدل گئی۔

”ڈبیہ کھولو۔“ منور جسم سے آواز ابھری۔ ہصیم نے ڈبیہ کھولی تو اس میں سیاہ سفوف تھا۔

ہصیم نے سوالیہ نظروں سے اوپر دیکھا۔

توروشنی کے اس خاکے سے آواز ابھری۔

”تم تینوں اس سفوف کو اپنے سینوں پر مل لو۔ آتش مخلوق کو تمہاری موجودگی کا علم نہیں ہوگا لیکن ان کے سامنے جانے کی غلطی مت کرنا۔ وہ

مخلوق بہت طاقت ور ہے جو کچھ جاننا چاہتے ہو چھپ کے سب کچھ کرنا۔“

اس کے ساتھ ہی کمرہ دوبارہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ نورانی جسم غائب ہو گیا۔

ان تینوں نے وہ سفوف اپنے سینوں پر مل لیا۔

اس عمل کے بعد ان کے جسموں میں حوصلے کی لہر دوڑ گئی۔ ہصیم نے سرگوشی کے انداز میں جاسم اور واصلہ سے کہا۔

”اب ہم اس گھر کے مختلف حصوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ تم دونوں کے پاس اپنی اپنی ٹارچ ہے، میرے پاس تو ہے۔“

واصلہ نے اپنی جیکٹ سے ٹارچ نکالتے ہوئے کہا۔ ”ہم دونوں کے پاس بھی ہے۔“

جاسم نے فوراً کہا۔ ”نہیں میرے خیال میں یہ ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں ابھی الگ الگ نہیں ہونا چاہئے۔ ایک مرتبہ ہم انہیں دیکھ لیں پھر

سوچیں گے۔“

واصلہ نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے ابھی ہم اکٹھے ہی رہتے ہیں۔ ہم ٹارچ استعمال کرنے سے کسی خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔“ واصلہ ہصیم کی طرف متوجہ ہوئی۔

ہصیم نے واصلہ کو سمجھایا۔ ”اس وقت ہمیں کسی قسم کی کوئی آہٹ نہیں سنائی دے رہی۔ اپنی اپنی ٹارچ جلا کے اپنے دفاعی سامان کی سیٹنگ

کرو۔ جلد از جلد یہ کام کرو پھر ہم روشنی کا استعمال نہیں کریں گے۔“

ان تینوں نے اپنی اپنی اشیاء کا جائزہ لیا اور ایک دوسرے کو اوکے کا اشارہ کرتے ہوئے روشنی کا استعمال بند کر دیا۔

گھپ اندھیرے میں سرگوشی کے انداز میں وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ بزرگ کے دیدار سے وہ سمجھے تھے کہ وہ جلد ہی کسی

خطرے سے دوچار ہونے والے ہیں لیکن وہ گھنٹوں گھپ اندھیرے میں بیٹھے رہے۔

وہ تینوں شدید تھکاوٹ کا شکار ہو گئے۔

جاسم نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”کوئی پتہ نہیں ہمیں اسی طرح پوری رات گزارنی پڑے۔ اس آتش مخلوق نے نہ جانے کتنے لوگوں



کی جان لی ہے۔ مشکل ہے کہ اس گھر سے اپنا واسطہ بھی رکھتے ہو۔“ جاسم سرگوشی کے انداز میں بول رہا تھا کہ اچانک واسطہ کے لبوں سے ”شی“..... کی آواز نکلی۔ وہ جاسم کو خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

واسطہ کے اشارے پر جاسم اور ہصیم نے فوراً کھڑکی کی طرف دیکھا جہاں سے وہ صحن صاف دکھائی دے رہا تھا جس جگہ لڑکیوں کی قبریں تھیں۔ جس بات پر وہ سب کھڑکی کی طرف متوجہ ہوئے وہ اس صحن کے وسط میں چلنے والی آگ تھی جو اچانک ہی بھڑک اٹھی تھی۔ اس آگ کی وجہ سے صحن کا منظر صاف صاف دکھائی دے رہا تھا۔ رفتہ رفتہ اس آگ کے گرد دھندلے سے خاکے ابھرنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہی خاکے انسانی جسموں میں تبدیل ہو گئے۔ جاسم، ہصیم اور واسطہ ٹپٹا کے رہ گئے۔ جو گیہ لباس پہنے یہ مرد اور عورتیں آگ کے گرد چکر کاٹنے لگے۔ ان کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے اور سر جھکے ہوئے تھے۔ وہ اس طرح ڈھیلی چال سے چل رہے تھے کہ جیسے اگلے قدم پر دھڑام سے گر جائیں گے۔ ان کے بدن کی رنگت خاکی تھی جیسے ان کے بدن میں خون کا ایک قطرہ تک نہ ہو۔

ان کی آنکھیں بند تھیں۔ ہونٹ سیاہ پڑے ہوئے تھے ایسا گماں ہو رہا تھا جیسے قبروں سے مُردے اٹھ کے چلنے لگے ہوں۔ کچھ دیر تک وہ زندہ مُردے اسی طرح اسی انداز میں گشت کرتے رہے پھر اچانک ایک جگہ کھڑے ہو کر فضا کو گھورنے لگے۔

فضا میں ایک بگولہ ابھرا۔

گیند کی شکل کا یہ چھوٹا سا بگولہ فضا میں گھومنے لگا۔ جوں جوں یہ بگولہ گھوم رہا تھا روشنی بکھیر رہا تھا۔

ہصیم ایک دم بولا۔ ”یہ تو وہی.....“

جاسم نے فوراً کہا۔ ”وہی پُر اسرار بال جو علیشہ کے ہاتھ میں تھا۔“ ایک خوبصورت ہاتھ فضا میں ابھرا جس نے وہی دہکتی بال اپنے ہاتھ میں لے لی۔

خوبصورت ہاتھ کے ساتھ وہ سراپا حسن بھی رونما ہو گیا جس کے ہاتھ میں وہ دہکتی بال تھی۔

مستی میں جھومتی ہوئی علیشہ فضا میں نمودار ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان تھا جس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ اس نے علیشہ کی طرف دیکھا تو ہصیم چونک کے رہ گیا۔

”اوہ میرے خدایا۔“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

واسطہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

ہصیم نے واسطہ کی طرف دیکھا۔ ”یہ وہی نوجوان ہے جو چار ہزار سال قبل پُر اسرار قوتوں کا مالک تھا۔ وہ اپنی آبی قوتوں کو منوانا چاہتا تھا، کوئی بڑا کارنامہ سرانجام دے کے اور اب اس نے علیشہ کے ذریعے پوری دنیا میں سنسنی پھیلا دی ہے اور اس کا علیشہ کے ساتھ ہونا انتہائی خطرناک ہے۔“

”میں تو اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھ رہی ہوں میرے پورے جسم میں کچپی طاری ہو رہی ہے۔“ الفاظ واسطہ کے منہ سے بمشکل ادا ہو رہے



تھے۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

جاسم کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا۔

انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جیتے جاگتے انسانوں کی دنیا سے موت کے بعد کی زندگی میں داخل ہو گئے ہو۔

علیشہ اور ودھات کی آنکھوں میں کسی خوشی کی چمک تھی۔ وہ فاتحانہ انداز میں جھوم رہے تھے۔ ودھات اور علیشہ کے آگے وہ مرد اور عورتیں آلتی پالتی مار کے سر جھکا کے بیٹھ گئے۔

ودھات نے اپنی مخصوص زبان میں کچھ کہا اور وہ سارے لوگ اپنے سروں کو ہلا کے جھومنے لگے۔

ودھات نے ان کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ لوگ روشنی کی شعاعوں میں تبدیل ہو کے آسمان کا رخ کر گئے۔

واصلہ کا سانس پھول رہا تھا۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا۔ ہمسیم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

”واصلہ حوصلہ کرو، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہمت سے کام لو۔ یہاں صرف حوصلہ کام آئے گا۔ حوصلہ ٹوٹا تو ہم لقمہ اجل ہو جائیں گے۔“

علیشہ اور ودھات لڑکیوں کی قبروں کی طرف بڑھے۔ ہمسیم، جاسم اور واصلہ کی طرف متوجہ ہوا۔

”ہمیں یہاں سے وہ باغیچہ صاف دکھائی نہیں دے رہا ہے جہاں لڑکیوں کی قبریں ہیں۔“

جاسم نے فوراً کہا۔ ”کسی طریقے سے دوسرے کمروں میں چلتے ہیں وہاں کی کھڑکی سے وہ جگہ صاف دکھائی دے گی۔“

ان تینوں نے کہنیوں کے بل زمین پر ریٹکنا شروع کیا۔ وہ بہت مہارت سے دوسرے کمرے کی کھڑکی کے پاس پہنچ گئے۔

علیشہ اور ودھات آنکھیں بند کئے کچھ پڑھ رہے تھے۔ اچانک فضا میں بھونچال آ گیا۔ حویلی کے دروازے کھڑاک کھڑاک بجنے لگے۔

چند ہی ساعتوں میں ہوا کا دباؤ اتنا شدید ہو گیا کہ حویلی کا سامان خود بخود ادھر ادھر گرنے لگا۔

واصلہ، ہمسیم اور جاسم کا اپنے قدموں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ کسی مضبوط چیز کا سہارا لئے طوفانی ہوا میں جھول رہے تھے۔ جھکڑ میں

اڑنے والی مٹی کی وجہ سے وہ کچھ بھی نہ دیکھ پا رہے تھے۔

کافی دیر تک وہ اس اذیت میں مبتلا رہے۔

طوفان رکا تو اس کے بعد کی خاموشی بھی بہت قہر آلود تھی۔

سنائے میں جیسے مبہم سی صدائیں تھیں جو موت کے کھیل کی روداد سنار ہی تھیں۔

سامنے جہاں علیشہ اور ودھات کھڑے تھے اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ باغیچے میں بھی کوئی نہیں تھا۔

ان تینوں کی نظریں جہاں جہاں جارہی تھیں وہاں دور دور تک کسی کا نام و نشان تک نہ تھا۔

باغیچے کی دیوار پر لگے نشانات بھی غائب تھے۔

ہمسیم نے دیوار سے سر دے مارا۔



”اوہ! نہ جانے کس منظر کو اس طوفان نے ہم سے چھپا لیا۔“ جاسم نے ہمسیم کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

”یہ حویلی اتنی بڑی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اس حویلی کے کسی اور حصے میں ہوں۔“ واصلہ نے جاسم کے جواب میں کہا۔

”ہم تینوں اس حویلی کے مختلف حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔“

ہمسیم نے کہا۔ ”ٹھیک ہے لیکن تم جاسم کے ساتھ اس سامنے والے حصے کی طرف جاؤ میں حویلی کے اس سارے حصے کو کورتا ہوں۔“

جاسم نے واصلہ کے ہمراہ ابھی قدم اٹھایا ہی تھا کہ اس کے موبائل کی رنگ ہوئی۔ اس نے موبائل ریسیو کیا تو فائزہ رو رہی تھی۔ ”جاسم

بھائی جلدی آؤ شازہ کی حالت بہت بگڑ گئی ہے۔“

”حماد کہاں ہے؟“

”حماد بھائی گھر پر نہیں ہیں۔ آپ جلدی آئیں.....“ فائزہ اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ اس سے بات بھی ٹھیک طرح سے نہیں ہو رہی تھی۔

ہمسیم اور واصلہ پریشانی سے جاسم کی طرف بڑھے۔

جاسم نے گھبراہٹ میں کہا۔ ”شازہ کی حالت اچانک خراب ہو گئی ہے۔ حماد بھی گھر پر نہیں ہے فائزہ کی باتوں سے لگ رہا ہے کہ زیادہ

گڑ بڑ ہے۔“

☆=====☆=====☆

محی الدین نواب کے قلم سے شعرہ آفاق کتب

نوسرباز کاغذی علاج پیرا ہن

قیمت  
90 روپے

قیمت -/150

قیمت 90 روپے

علی بکسٹال

نسبت روڈ، چوک میوہسپتال، لاہور۔

ناشر علی میاں پبلیکیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔

Ph: 7247414

براہ راست  
منگوانے  
کا پتہ



اس وقت ان کا فیصلہ مشترک تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے انہیں گھر پہنچنا چاہئے۔  
ہمسیم، جاسم اور واصلہ گھر پہنچے تو شازہ بیڈ پر گری تڑپ رہی تھی۔

فازہ اور اس کی والدہ شازہ کے سر ہانے بیٹھی زار و قطار رو رہی تھیں اور اس کی والدہ بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ ان تینوں کو دیکھا تو جیسے اس کی جان میں جان آ گئی۔

وہ گلوگیر آواز میں چلائی۔ ”جاسم بیٹا جلدی سے کسی ڈاکٹر کو لے آؤ، شازہ کی حالت بہت زیادہ خراب ہے۔ اس کی تو سانسیں انک رہی ہیں۔“ یہ بات سنتے ہی جاسم کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ تیزی سے شازہ کی طرف بڑھا۔

وہ ڈاکٹر کو اپنے ساتھ ہی لائے تھے۔ شازہ بے چینی سے سر ادھر ادھر مار رہی تھی۔ اس کا جسم نیلا پڑ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے انجکشن دیا۔ انجکشن سے اسے کچھ سکون ملا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جاسم کو کچھ ضروری میڈیسن دیں۔ اس کے بعد ہمسیم اسے چھوڑ آیا۔

ابھی ہمسیم آدھے راستے سے بھی نہ گزرا ہو گا کہ شازہ کے حلق سے ایک خوفناک چیخ نکلی۔ اس کے جسم کے تمام زخم تازہ ہو کے رہنے لگے۔ واصلہ اور جاسم اس کے قریب آئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کو چھوتے اس کے زخم جھلنے لگے۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔ اس کے جسم سے دھوئیں اُٹھ رہے تھے وہ زندہ جل رہی تھی۔

واصلہ اور جاسم کے دماغ ماؤف ہو گئے۔ وہ بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ انہیں کچھ نہ سوچھا۔ انہوں نے اس کے جسم پر بڑا سا کمبل ڈال دیا اور اس پر تھوڑا تھوڑا دباؤ ڈالنے لگے کہ ان کا ہاتھ بیڈ سے جا لگا۔ جاسم نے کمبل اٹھایا تو وہاں شازہ نہیں تھی۔ وہ دروازے سے اپنا سر پٹختے لگا۔ ”وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔“

واصلہ کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ وہ تو سکتے کی سی کیفیت میں دیوار سے جا لگی۔ ہمسیم گھر آیا تو سب بے زبان مورتیوں کی طرح خاموش بیٹھے تھے۔ ان کے چہروں پر خوف کے سائے منڈلا رہے تھے۔ سہمی ہوئی آنکھوں میں ہزاروں واہمہ لرز رہے تھے۔

ہمسیم جاسم کے قریب آیا تو اس کی آنکھیں دھک کے انگارہ ہو رہی تھیں۔  
ہمسیم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ”کیا بات ہے تم سب کو کیا ہو گیا ہے؟“  
جاسم نے جواب میں بیڈ پر سے کمبل پیچھے کیا جہاں اب شازہ موجود نہیں تھی۔

”کہاں ہے شازہ؟“ ہمسیم کے اس سوال پر جاسم نے اپنے بازوؤں میں سر رکھ لیا۔  
واصلہ کے حلق سے رندھی ہوئی آواز نکلی۔ ”آج ہم سے ہمارا ایک ساتھی بچھڑ گیا ہے۔“  
ہمسیم یہ جملہ سن کے کانپ کے رہ گیا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو، میں تھوڑی دیر پہلے تو اسے یہاں تندرست چھوڑ کے گیا تھا۔ یہ سب کیسے.....“



واصلہ ایسے نڈھال تھی جیسے کوسوں دور پیدل چل کر آئی ہو۔

وہ بہت ٹوٹی ہوئی تھی۔ الفاظ بھی اس کی زبان سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے۔

”ہصیم! ہم سے ہمارا ساتھی نہیں بچھڑا، زنجیر کی وہ کڑی نکل گئی ہے جس سے ہم سارے ایک دوسرے سے بندھے تھے۔“

ہصیم نے واصلہ کے ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا جو کانپ رہے تھے۔

واصلہ انتہائی جذباتی ہو گئی۔ ”ہصیم مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے لیکن میں تمہیں مرتا نہیں دیکھ سکتی۔ جاسم جیسے دوستوں کو ان بدروحوں کے

شکنجوں میں تڑپتا نہیں دیکھ سکتی۔ چلو اس مشن کو بھول جاؤ یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔“

ہصیم نے اس کے ہاتھ پر آہستہ سے تھپکی دی اور فائزہ سے اسے دوسرے کمرے میں لے جانے کو کہا۔

”ابھی تم فائزہ کے ساتھ دوسرے کمرے میں جاؤ۔ ہم بعد میں بات کریں گے۔“

فائزہ واصلہ کو لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ہصیم جاسم کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے جاسم کے شانے پر ہاتھ رکھا تو جاسم اس کے سینے

سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگا۔

ہصیم اس کے بال سہلاتا رہا اور وہ اپنے دل کا غبار نکالتا رہا۔

آدھی رات گزر گئی لیکن سب کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

اس رات کا ہر لمحہ درد و خوف سے سسک رہا تھا۔

ہصیم چار پائی پر لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ وہ اپنے ذہن میں طرح طرح کے پلان بنا رہا تھا۔

وہ کافی دیر سوچتا رہا پھر سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ واصلہ اور جاسم کو شہر بھیج دے اور اس مشن پر

اکیلا کام کرے لیکن وہ کس طرح لوگوں کو ان بدروحوں سے نجات دلائے۔ وہ جہیں پیائی کرتا ہوا لیٹ گیا۔

اسے نیند نہیں آرہی تھی لیکن اس پر غنودگی سی طاری ہوئی۔ اس کی آنکھیں نیم نیند کی حالت میں خواب دیکھنے لگیں۔

چار ہزار سال قبل اس کی آنکھوں دیکھے ماضی کے مناظر ایک ایک کر کے اس کے ذہن میں گھومنے لگے۔

پھر ایک منظر اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا۔ چار ہزار سال پرانے برگد کے درخت کے قریب کھڑا ہے۔ خوشبو کا ایک جھونکا اس کی رگوں میں

سرایت کر گیا جس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آس پاس کسی غیبی وجود کو محسوس کیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں وہ منظر گھومنے لگا۔ جب اس نے ایسی ہی

جادوئی خوشبو اور پُر اسرار احساس اپنے کارا یکسڈنٹ سے پہلے محسوس کیا۔

پھر تیسرا منظر جس نے اسے چونکا کر جاگنے پر مجبور کر دیا، گاؤں کی پرانی حویلی میں نظر آنے والا نورانی جسم۔ جس کی آمد سے پہلے اس نے

اسی طرح کی خوشبو کو محسوس کیا تھا۔

مناظر کی ان کڑیوں کے ذریعے اس کا لاشعور اسے کچھ بتا رہا تھا کہ جان لیوا بدروحوں کے ساتھ ساتھ کوئی غیبی وجود ایسا بھی ہے جو کسی نہ



کسی شکل میں ان کی مدد کرتا ہے۔ وہ اٹھ کے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ وہ کون ہو سکتا ہے، جو میری مدد کر رہا ہے۔

میں کس طرح اس تک رسائی حاصل کروں، وہ خود کلامی کرتے ہوئے کمرے میں ٹھہرنے لگا۔ پھر اسے جاسم کا خیال آیا کہ وہ جاسم سے بات کرے۔ وہ دوسرے کمرے میں گیا تو جاسم اپنے بستر پر موجود نہیں تھا۔

وہ جاسم کو پورے گھر میں ڈھونڈنے لگا۔ گھر کے تمام لوگ جاگ رہے تھے۔ اس خوفناک ماحول میں کون ہو سکتا ہے۔ حماد اور واصلہ بھی اسے ڈھونڈنے لگے لیکن جاسم گھر پر موجود نہیں تھا۔

ہصیم اور حماد نے گاڑی نکالی۔ ”تم آنٹی اور فائزہ کا خیال رکھنا۔ ہم جاسم کو ڈھونڈتے ہیں وہ کہیں چلا نہ جائے۔“ ہصیم گاڑی کو ریس دیتے ہوئے واصلہ سے مخاطب ہوا۔ واصلہ نے سر ہلا کے ہاں کے انداز میں اشارہ کیا۔

اس کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی تھی۔ جاسم کے غائب ہونے سے خوف کی ایک لہر اس کے وجود میں دوڑ گئی تھی۔ وہ پتھرائی پتھرائی آنکھوں سے دور تک ہصیم کو دیکھتی رہی۔ وہی ہوا جس کا واصلہ کو ڈر تھا۔ ہصیم اور حماد نا کام لوٹے۔ جاسم ان کے ساتھ نہیں تھا۔

ہصیم شکستہ قدموں سے گھر میں داخل ہوا تو واصلہ کی نم دار آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

”ہم سب ایک ایک کر کے جدا ہو رہے ہیں شاید اس لئے کہ ہم ایک دوسرے کی آنکھوں کے سامنے نہ مریں۔ مرنا تو ہم سب کو ضرور ہے انہی بدروحوں کے ہاتھوں۔“

ہصیم نے واصلہ کو کندھوں سے پکڑ کے جھنجھوڑ دیا۔

”کیسی باتیں کر رہی ہو واصلہ، جاسم کو میں اچھی طرح جانتا ہوں اسے کچھ نہیں ہوا، وہ زندہ و سلامت ہوگا۔ اسے تو شازہ کے غم نے پاگل کر دیا ہے۔ وہ اسی دیوانگی میں کہیں نکل گیا ہوگا۔ زیادہ پریشانی کی یہ بات ہے کہ وہ ہم سب سے چوری نکلا ہے، نہ جانے وہ کہاں گیا ہے؟“

ہصیم کی بات کے جواب میں واصلہ نے کچھ نہیں کہا وہ خاموشی سے اندر چلی گئی۔ پورے گھر میں سوگواری کا ماحول تھا۔

شازہ کو آنکھوں کے سامنے تڑپتا دیکھنے کے بعد واصلہ کی طبیعت سنبھلی نہیں تھی اور اوپر سے جاسم کے اچانک غائب ہونے سے وہ سکتے میں آ گئی۔

فائزہ نے واصلہ کے آگے کھانا رکھا تو واصلہ نے کہا۔ ”یہ لے جاؤ میرا دل نہیں ہے کچھ بھی کھانے میں۔“

ہصیم واصلہ کے پاس آیا تو فائزہ بولی۔ ”آپ ہی انہیں سمجھائیں یہ تو کچھ نہیں کھاتیں۔“

ہصیم نے واصلہ کا ہاتھ پکڑا ساتھ ہی کھانے کی ٹرے بھی اٹھالی۔ وہ اسے باہر صحن میں لے گیا۔

”ادھر بیٹھو!“ ہصیم نے صحن میں پڑی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ واصلہ بیٹھ گئی۔ ہصیم اس کے ساتھ پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”واصلہ پلیر، میرا ساتھ دو میں بہت اکیلا ہو گیا ہوں۔ ٹوٹ چکا ہوں۔ تم ساتھ دو گی تو پھر سے چٹان بن جاؤں گا۔ میں ہتھیار پھینکنا نہیں چاہتا۔“

واصلہ خاموش آنکھوں سے ہصیم کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی خالی آنکھوں میں کوئی خواب کوئی امید نظر نہیں آرہی تھی۔ ہصیم سے کہنے کے



لئے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

واصلہ کو خاموش دیکھ کے وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

”جس رستے پر میں قدم رکھ چکا ہوں وہاں صرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور مجھے اس اندھیرے میں رستہ ڈھونڈنا ہے۔ تم اس طرح اداس رہو گی تو میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔“

ہصیم کی طرف دیکھتے ہوئے واصلہ خفیف سی مسکرائی جس سے اس کی بھیگی ہوئی آنکھیں چھلک پڑیں۔

”میں نے یہ کب کہا ہے کہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں۔ مرتے دم تک تمہارے ساتھ ہوں، لیکن جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہوں اسے آسانی سے نہیں بھول سکتی۔ کوشش کرو گی کہ تم نہ پریشان ہو۔“

ہصیم نے محبت کی چاشنی سے بھر پور لہجے میں کہا۔ ”اگر مجھے پریشان نہیں کرنا چاہتی تو پھر کھانا کھاؤ۔“ ہصیم نے روٹی کا نوالہ اس کی طرف بڑھایا۔

واصلہ نے مسکراتے ہوئے روٹی کا نوالہ لے لیا۔

واصلہ نے ترچھی نظر سے ہصیم کی طرف دیکھا۔ ”تم نے بھی کچھ کھایا ہے یا نہیں.....“

ہصیم کی خاموشی پر واصلہ نے روٹی کا نوالہ سالن سے لگاتے ہوئے اس کی طرف بڑھایا۔

”میں نے تمہاری بات مانی ہے اب تم میری بات مانو۔“

اس طرح ایک دوسرے کی بات رکھتے ہوئے ان دونوں نے تھوڑا سا کھانا کھالیا۔

”جاسم تمہارے خیال میں کہاں گیا ہوگا؟“ واصلہ نے ہصیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسے یقین ہے کہ شازہ مری نہیں ہے، اس جنون میں نہ جانے کہاں بھٹک رہا ہوگا۔“ ہصیم نے کہا۔

واصلہ نے ہصیم کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”بہت سوچنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس طرح جنگلوں میں بھٹکنے سے ہم اپنا مشن پورا نہیں کر سکتے۔ یہ جادوئی طاقتوں کی جنگ ہے اور جادوئی طاقتوں سے ہی لڑنا ہوگا۔“

”کیا مطلب؟“ ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔

”ہمیں پروفیسر زمان سے رابطہ کرنا ہوگا۔ انہیں یہاں بلانا ہوگا۔ پروفیسر زمان کی مدد سے شاید ان خوفناک بدروحوں کی کوئی کمزوری جان لیں۔“

”تمہاری بات درست ہے، ابھی ان سے بات کرتے ہیں۔“ ہصیم نے موبائل سے پروفیسر زمان کا نمبر ملایا، نمبر مصروف تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہصیم نے پھر نمبر ملایا تو اس کی پروفیسر زمان سے بات ہو گئی۔

ہصیم کی ساری بات سننے کے بعد پروفیسر زمان نے اگلے دن آنے کا وعدہ کیا۔



ہصیم نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔ ”تم آؤ میرے ساتھ، جاسم کو ڈھونڈتے ہیں۔“ واصلہ نے اپنے ساتھ کچھ حفاظتی سامان لیا اور وہ دونوں گاڑی میں نکل گئے۔ جاسم اپنے جنون میں ہصیم اور واصلہ سے چھپن چھپائی کا کھیل کھیل رہا تھا۔

رات کے دس بجے گاؤں کی اس ویران حویلی میں جہاں دو جوان لڑکیوں کی قبریں تھیں، کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ چاند کی دھیمی دھیمی روشنی میں اس شخص کا سراپا وجود دکھائی دیا جو جاسم تھا۔ ویران حویلی کی سنسناہٹ میں عجیب خوف تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے جاسم کے قدموں کی آہٹ پر اندھیروں میں ڈوبے ہوئے کمروں سے کوئی مافوق الفطرت مخلوق باہر آکھڑی ہوگی۔ جاسم کی چال میں کوئی خوف نہیں تھا جیسے وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے آیا ہو۔

اس کا جنون ہی شاید اس کی طاقت بن گیا تھا۔ جاسم باغیچے کی طرف بڑھا۔ جس جگہ لڑکیوں کی لاشیں دفن تھیں وہ اس جگہ کے قریب بیٹھ گیا۔ لرزادینے والی یہ سنسان رات اپنے سینے میں نہ جانے کون سے بھید چھپائے ہوئے تھی۔ ساہ بادلوں کے ایک غول نے اچانک ہی چاند کی مدھم سی روشنی کو غائب کر دیا۔

جاسم کو اپنے ارد گرد کی کوئی چیز نہیں دکھائی دے رہی تھی لیکن وہ روشنی کا استعمال کرنا نہیں چاہتا تھا۔ آسمانی بجلی وقفوں وقفوں سے زوردار آواز کے ساتھ وہ حصہ روشن کر دیتی جس سے جاسم کی حرکات دکھائی دینے لگتیں۔ وہ قبر کھود رہا تھا۔ آج وہ ہر طرح کی مافوق الفطرت مخلوق کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھا۔ وہ زندگی اور موت کا جو کھیل رہا تھا۔ اس نے قبر کھودی تو وہاں لڑکی کی لاش نہیں تھی۔ وہ اس لاش کی جگہ خود لیٹ گیا اور اپنے ہی اوپر مٹی ڈالنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس نے خود کو مکمل دفن کر لیا۔

کچھ ہی دیر بعد اس کا دم گھٹنے لگا۔ وہ برداشت کرتا رہا۔ پھر یہ کیفیت اس کی برداشت سے باہر ہونے لگی۔ وہ مٹی پر ایڑھیاں رگڑنے لگا۔ سر کو ادھر ادھر پٹختے لگا لیکن اس کے من میں کچھ ایسا تھا کہ وہ قبر سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا۔ سانس کی جگہ اس کے حلق سے غرغراہٹوں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ آنکھیں باہر کو ابل پڑیں بالکل ایسے ہی جیسے کسی نے پھندے سے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو۔

اس کا جسم آخری سانسوں میں تڑپ رہا تھا کہ اچانک قبر روشن ہو گئی اور جاسم کی سانسیں بحال ہو گئیں۔ بالکل ایسے جیسے وہ قبر میں نہیں باہر ہے۔ یکبارگی اس کے جسم کو جھٹکا لگا اور وہ کسی گہرے کنویں میں گرنا چلا گیا۔ وہ چیختا چلاتا کسی اندھیری کھائی میں گرنا چلا جا رہا تھا۔ وہ اپنی موت کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں جیسے رک گئی تھیں۔

اسے اپنے زندہ ہونے کا احساس ہوا جب دھڑام سے نرم گداز مٹی پر گرا۔ اسے کہیں چوٹ نہیں لگی تھی لیکن پھر بھی اس کا جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اپنے زندہ ہونے پر حیران تھا۔



اس نے آنکھیں بھی کھولیں اور بمشکل کھڑا بھی ہو گیا لیکن وہ اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔

تین چار قدم چلنے کے بعد جب وہ دوبارہ منہ کے بل گرا تو اسے ہوش آیا۔ اس نے اپنے ارد گرد کے ماحول پر نظر ڈالی یہ عجیب جگہ تھی۔

کچھ دیر وہ اسی جگہ گرا رہا۔ شاید وہ خود کو کچھ دیر سکون دینا چاہتا تھا پھر اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن اس کے جسم میں سکت نہیں تھی۔

اس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور اپنے جسم کی ڈھیلی سی حرکت کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ تاحہ نظر کچی زمین تھی جو ایسی ویران و بیابان تھی جیسے وہ

کسی قبرستان میں کھڑا ہو جس کی قبریں نیست و نابود ہو چکی ہوں..... ایسی سنسناتی بھیا نک خاموشی جو کسی آفت کے گزرنے کے بعد ہوتی ہے جس کی

خاموشی میں بھی شور برپا ہو۔

جاسم دور دور تک دیکھتا ہوا سوچ رہا تھا کہ وہ یہاں سے کہاں جائے گا کہ اچانک اس کا سر چکرا گیا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

اس کی آنکھیں کھلیں تو اس نے اپنے آپ کو کسی کچے مکان کی کوٹھری میں پایا۔ اس مرتبہ آنکھ کھلنے کے بعد وہ کافی تر و تازہ تھا۔ اس کوٹھری

میں روشنی کے لئے کسی نے دیئے جلائے ہوئے تھے۔

جاسم کوٹھری سے باہر نکلا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ کسی مکان میں نہیں بلکہ انتہائی پرانی طرز کی ایک بہت بڑی حویلی میں ہے۔

وہ تعجب سے اس پر اسرار حویلی کے درود یوار دیکھنے لگا جو اسے اپنی جسامت کے آگے دیوہیکل دکھائی دے رہے تھے۔ اس حویلی کی ہر چیز

ہی تعجب خیز تھی۔ ستونوں پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ اس سرخی مائل روشنی میں دور دور تک کسی انسان کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ یہی ظاہر ہو رہا تھا یہ حویلی

ویران ہے۔

جاسم مبہوت نگاہوں سے ارد گرد دیکھتا ہوا کافی آگے نکل گیا لیکن مشعلیں جس انداز میں جل رہی تھیں یہ بات یقینی تھی کہ یہاں کوئی ضرور

رہتا ہے۔ اچانک فضا میں ایک خوفناک آواز ابھری جس کے ساتھ ہی جاسم نے تیز رفتاری کے ساتھ دوڑنا شروع کر دیا۔ اس کا لاشعور اسے اس

کوٹھری کی طرف ہی لے کر جا رہا تھا۔

اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس کوٹھری میں محفوظ ہے۔ جس آواز نے جاسم کو چونکا دیا، رفتہ رفتہ وہ تیز تر ہوتی گئی۔ جاسم کوٹھری میں پہنچ کر ہانپنے لگا۔

یہ خوفناک پھڑ پھڑاہٹ کی آواز تھی جیسے پرندوں کی بناوٹ کے بہت سے جانور ہوا میں پرواز کرتے ہوئے اس حویلی میں اتر گئے ہوں۔

کچھ دیر کے بعد نسوانی آوازیں ابھریں جیسے بہت سی لڑکیاں اٹھکیلیوں کے انداز میں ہنس رہی ہوں۔

جاسم نے دیوں کے لئے بنائے گئے آلے میں سے باہر جھانکا بہت سی حسینائیں خوبصورت ملبوسات سے آراستہ آپس میں اٹھکیلیاں

کر رہی تھیں لیکن ایک ہی ساعت میں وہ سب غائب ہو گئیں۔

جاسم ایک بار پھر کوٹھری سے باہر نکل آیا۔ اس نے دور دور تک نظر دوڑائی اسے دور دور تک کوئی نہیں دکھائی دیا۔ وہ دیوار کے ساتھ چپکتے ہوئے

آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ پھر وہ دائیں طرف مڑ گیا۔ یہاں ایک تنگ راستہ تھا۔ جاسم دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس راستے میں داخل ہو گیا۔

اس راستے کے آخر میں ایک بڑا سا کمرہ تھا جس میں دھیمی دھیمی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔



جاسم اس کمرے کے قریب پہنچا تو کمرے کی کھڑکی سے کمرے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ جاسم اس کھڑکی کی طرف بڑھا۔

کھڑکی کے قریب پہنچ کر وہ جھانکنے کے لئے آگے بڑھا تو خوف کے کسی احساس سے وہ تھرتھرا کے رہ گیا۔ جھٹکے سے کھڑکی سے پیچھے ہٹ کے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

کچھ دیر کے بعد چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتے ہوئے ایک بار پھر اس نے کھڑکی سے جھانکا۔ مٹی کی ایک انگیٹھی میں آگ جل رہی تھی جس سے کمرے میں سرخی مائل دھیمی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جاسم نے کھڑکی کی سلاخ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پورے کمرے میں نظر دوڑائی۔ کمرے میں اسے کچھ نہیں دکھائی دیا۔ وہ کمرہ بالکل خالی تھا وہاں پر کوئی سامان بھی نہیں تھا۔

جاسم کمرے میں داخل ہو گیا۔

تقریباً آدھی رات گزر چکی تھی۔ جاسم نہیں جانتا تھا کہ وہ کس جگہ موجود ہے۔ یہ زندہ لوگوں کی دنیا ہے یا مردوں کی! کیونکہ جس راستے وہ یہاں آیا تھا وہ زندہ لوگوں کا راستہ نہیں تھا۔

وہ سہمی سہمی نظروں سے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔

”کمرے میں کسی قسم کا کوئی سامان نہیں ہے تو پھر یہ روشنی.....؟“ جاسم کے ذہن میں سوال ابھر رہے تھے۔

وہ کمرے سے باہر قدم رکھنے لگا تو ایک خوفناک لرزادینے والی نسوانی چیخ اس کے کانوں سے نکلرائی۔ اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا تو پیچھے کوئی نہیں تھا۔ اسے تیز تیز سانس لینے کی آواز سنائی دی جو چھت سے آرہی تھی۔ اس نے چھت کی طرف دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی۔

انسان کی جسامت کی ایک چمکادڑ چھت سے چمکی ہوئی تھی۔ اس کے سیاہ پروں کے ساتھ لڑکی کا چہرہ نصب تھا۔ وہ اپنے خونخوار پنجوں کو چھت پر گاڑے الٹی لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال نیچے لٹکے ہوئے تھے۔ جاسم کو دیکھتے ہی وہ نیچے آگئی۔ اس وقت وہ ایک خوبصورت لڑکی کے روپ میں تھی۔

وہ جاسم سے اس کی زبان میں بولی۔ ”تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟.....“

”تنت..... تم کون ہو؟“

جاسم کے اس سوال پر وہ قہقہہ لگا کے بولی۔

”تم یہاں کس راستے سے آئے ہو، یہاں کوئی زندہ انسان نہیں آسکتا۔ تم یہاں کس طرح آگئے۔ شاید میرے لئے.....“ یہ کہہ کے وہ ایک خوفناک چنگھاڑ کے ساتھ اپنے بھیانک روپ میں آگئی۔

اس کے جسم کی جلد پتھریلی ہوگئی۔ چہرے کے نقوش پھیل گئے۔ دودانت اپنے سائز سے لمبے ہو کر ہونٹوں کو چھونے لگے۔

بھیانک چڑیل کے سامنے جاسم پر سکتے کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کے پاؤں جیسے زمین میں گڑ گئے۔ وہ اس کے غیر مرئی طلسم کی زد

میں تھا۔



وہ چڑیل اس پر پوری طرح حاوی تھی۔ اس نے انگلی سے جاسم کے گرد اشارتاً دائرہ کھینچا۔ پھر اپنی دہکتی آنکھوں سے ایک چنگاری اس دائرے پر گری جس سے ایک لخت جاسم کے گرد آگ بھڑک اٹھی۔ اس وقت جاسم کا سکتہ ٹوٹا اور وہ اس آگ سے باہر نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

جاسم بھرپور کوشش کے باوجود آگ سے نہیں نکل سکا۔ آگ اس کے قریب تر ہو گئی تھی۔ آگ سے اس کا بدن جھلنے لگا تو وہ تکلیف سے چیخنے لگا بالکل ایسے ہی جیسے شائزہ تڑپ رہی تھی۔

اچانک سیاہ لباس میں ایک نقاب پوش اس خوفناک چڑیل کے بالمقابل آئی۔ اس کے ہاتھ کے اشارے سے جاسم کے گرد بھڑکتی ہوئی آگ بجھ گئی۔

جاسم تکلیف سے کراہتا ہوا ایک کونے میں جا گرا۔ اس نقاب پوش حسینہ اور اس چڑیل کے درمیان مقابلے کا منظر بہت بھیانک تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ بھیانک چڑیل غائب ہو گئی۔

جیت نقاب پوش حسینہ کا مقدر بنی۔ جاسم کا جسم جگہ جگہ سے جھلس گیا تھا۔ وہ زمین پر اپنے جسم کو سکیڑے تڑپ رہا تھا۔ نقاب پوش حسینہ جاسم کے قریب بیٹھ گئی۔ تکلیف کے مارے جاسم کی آنکھیں بند تھیں۔

نقاب پوش لڑکی نے اپنی خوبصورت آنکھیں بند کر لیں اور وہ ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کچھ پڑھنے لگی۔ وہ جوں جوں کچھ پڑھ رہی تھی اس کے ہاتھ ہوا میں بلند ہوتے جا رہے تھے۔ پھر اچانک تیز ہوا کا جھکڑ حویلی میں داخل ہوا جس سے حویلی کی چیزیں ادھر ادھر گرنے سے شور مچا رہی تھیں۔ نقاب پوش لڑکی کے سر پر اوڑھی ہوئی سیاہ چادر اتر کے ہوا میں اڑنے لگی۔

وہ بند آنکھوں کے ساتھ ابھی تک کچھ پڑھ رہی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال تیز ہوا میں لہرا رہے تھے۔ جاسم کے زخموں کی تکلیف دور ہو گئی۔ جھلنے کے نشان تک غائب ہو گئے۔

اس کے چہرے پر اطمینان آ گیا۔ سکون کا لمبا سانس لیتے ہوئے اس نے اپنا سرد دیوار کے ساتھ لگا لیا اور آہستگی سے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے شائزہ کا خوبصورت چہرہ تھا۔

وہ آنکھیں بند کئے ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کچھ پڑھ رہی تھی۔ اس کے سیاہ لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ وہ غضب کی خوبصورت لگ رہی تھی۔

جاسم اضطراب سے بولا۔ ”شائزہ!“  
شائزہ کسی جادوئی عمل میں اس طرح مست تھی کہ جاسم کی آواز اس کے کانوں سے نہیں ٹکرائی۔ ہوا کے شدید طوفان میں خوفناک غرغراہٹ کی گونج نہ تھی۔

جاسم نے اسے ایک بار پھر پکارا لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ جاسم اسے چھونے کے لئے آگے بڑھا لیکن پھر کسی خیال سے اس



نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ وہ شازہ کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔ شازہ کے ہونٹ ساکت ہوئے تو ہوا کا شور بھی ختم ہو گیا۔ ہر طرف پہلے جیسی خاموشی چھا گئی۔ شازہ نے اپنی آنکھیں کھولیں تو جاسم بے چینی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شازہ کے لبوں پر مہین سی مسکراہٹ بکھر گئی لیکن اس کی آنکھوں میں خوشی کی کوئی چمک نہیں تھی۔ اس کی سرد آنکھیں اداس تھیں۔ جاسم شازہ کی طرف بڑھا۔ ”مجھے یقین تھا کہ تم زندہ ہو۔“

شازہ نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

”جاسم مجھے چھوٹا مت۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟“

”تمہاری تلاش مجھے یہاں تک لے آئی ہے۔“

”ایسا کیوں کیا تم نے۔ بھلا کسی کی تلاش میں کوئی خود کو موت کے حوالے کرتا ہے۔“

”مجھے ایسی زندگی چاہئے بھی نہیں جس میں تم نہ ہو۔“ جاسم اس کی اداس آنکھوں میں کھو گیا۔

شازہ کھڑی ہو کر فضا کو گھورنے لگی۔

”یہ جگہ مردوں کی ہے۔ یہاں زندگی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تمہارے اندر جو سانسیں دوڑ رہی ہیں یہ اس رب کا کرم ہے تم پر۔ اب ایک

لحہ بھی ضائع مت کرو۔ آؤ میں تمہیں انسانوں کی دنیا میں چھوڑ آؤں۔ یہاں میں تمہیں کس کس سے بچاؤں گی۔ یہاں ہر طرف موت کا راج ہے۔“

جاسم بھی شازہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”چھوڑ آؤں سے تمہارا کیا مطلب۔ کیا تم میرے ساتھ اپنی اس دنیا میں واپس نہیں چلو گی؟“ جاسم انتہائی بے بسی سے بولا۔

”نہیں! ایسا ناممکن ہے۔“

”کیوں ناممکن ہے۔“ جاسم مرتعش لہجے میں بولا۔

شازہ جاسم کے قریب آ گئی۔ اس نے جاسم کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”میں اب وہ شازہ نہیں ہوں۔ جس کی تلاش میں تم بھٹک رہے ہو۔“

بھول جاؤ اس شازہ کو تمہیں اب وہ کبھی نہیں مل سکتی۔ میرے پاس بہت کم وقت ہے آؤ میں تمہیں چھوڑ آؤں۔“

جاسم گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا وہ مٹی کے شکستہ پتھر کی طرح رفتہ رفتہ بکھر رہا تھا۔ وہ درد میں رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ ”صرف ایک رات

یہاں رہنے دو صبح چلا جاؤں گا۔“

شازہ نے اپنے اطراف پھیلی تاریکی کی طرف دیکھا۔

”کبھی زمین کے نیچے بھی سورج نکلا ہے یہاں ہمیشہ رات رہتی ہے۔ یہاں ہمیشہ رات رہتی ہے۔ یہ بدروحوں کی وادی ہے۔“

”تم یہاں کیسے رہتی ہو؟“

”میں زندہ ہوں یا مردہ یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتی۔ تم مجھے باتوں میں نہ الجھاؤ۔ میرے پاس وقت ختم ہوتا جا رہا ہے۔ تم آنکھیں بند کرو۔“

جب تک تم آنکھیں بند نہیں کرو گے میں تمہیں غائب نہیں کر سکتی۔“ شازہ تلخ لہجے میں بول رہی تھی۔



جاسم نے لا پرواہی سے سر کو جھٹکا دیا۔

”میں سر پر کفن باندھ چکا ہوں اگر زندگی کی پرواہ ہوتی تو یہاں نہ ہوتا۔“

”جاسم! تمہیں میری بات ماننا ہوگی تمہیں ان لمحوں کا واسطہ ہے جو ہم نے اکٹھے گزارے ہیں۔“ شازہ چلائی۔

جاسم ایک بار پھر محبت کی شیرینی گھلے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”تمہیں بھی ان لمحوں کا واسطہ ہے۔ میرے ساتھ واپس اس دنیا میں چلو۔“

جاسم کی اس بات پر شازہ بے بسی سے سر کو جھٹکنے لگی۔ ”میں کس طرح سمجھاؤں ایسا نہیں ہو سکتا۔“

اچانک شازہ کو ایک جھٹکا سا لگا اور وہ چھت کو گھورنے لگی۔ جاسم نے اسے پکارا۔ ”شازہ.....“ جاسم کی آواز کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا وہ

مسلل چھت کو گھور رہی تھی۔

”شازہ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہی۔“

جاسم شازہ کے قریب بڑھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ جاسم اس کے ہاتھ کو چھوتا۔ اس نے نیچے دیکھا۔

اس کی آنکھوں میں انگارے دبک رہے تھے۔ آنکھوں میں پتلی کی جگہ سرخ روشنی تھی دہکتی آگ کی طرح۔

اس نے اپنے بازو زمین کی طرف اکڑائے ہوئے تھے۔

اس کے ناخن اپنے سائز سے تین گنا لمبے ہو گئے۔

جلد کی رنگت بدلنا اس کے ہاتھوں سے شروع ہوئی۔ چند لمحوں میں ہی اس کے جسم کی جلد جلی ہوئی لکڑی کی طرح سیاہ ہو گئی۔ جاسم شازہ کا یہ

بھیاںک روپ دیکھ کے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے چیخ اٹھا۔ شازہ نے ہوا میں چھلانگ لگائی اور سامنے دیوار پر چھپکلی کی طرح چڑھنے لگی۔ اس

وقت وہ ایک خونخوار جانور کی طرح دکھائی دے رہی تھی جو شاید ایک ہی پھونک میں سب کچھ جلا کے بھسم کر دے۔ پورے کمرے میں اس کی خوفناک

غراہٹیں گونج رہی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد یہ آواز ختم ہو گئی۔ شازہ اپنے بھیاںک روپ کے ساتھ غائب ہو گئی۔

جاسم دیوار سے پشت لگائے سکتے کی سی کیفیت میں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے سر کو نفی کے انداز میں ہلاتا ہوا بچے کی طرح بلک بلک

کے رونے لگا۔ وہ اپنے ڈھیلے وجود کو دیوار سے گھسیٹتا ہوا زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ ”نہیں! شازہ نہیں! یہ کیسے ہو گیا۔ میں تو تمہیں اپنے ساتھ

لے جانا چاہتا تھا اور تم ان شیطانی بدروحوں میں شامل ہو گئی۔“ اس کا ذہن خوف اور غم کی ملی جلی کیفیت میں الجھا ہوا تھا۔ تصورات میں اسے اپنا ہی

بھیاںک روپ دکھائی دینے لگا۔ جیسے کوئی اس پر اسی کی آواز میں ہنس رہا ہو۔ وہ تصورات کے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھنے لگا جو ان بدروحوں جیسا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کسی بدروح کا شکار بن کے انہی بدروحوں جیسا ہو جائے اسے یہاں سے نکلنا ہے۔ اس سوچ کے ساتھ وہ اس کمرے سے باہر نکل

آیا وہ حواس باختہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ باہر نکلنے کے بارے میں سوچنے لگا تو اس کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ وہ کس ظلم کی بدولت یہاں پہنچا

تھا؟ وہ کہاں تھا؟ کس دنیا میں تھا؟ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اگر اسے جیتے جاگتے انسانوں کی دنیا میں کوئی واپس لے جاسکتا تھا تو وہ تھی کسی مافوق الفطرت

مخلوق کی ماورائی قوت۔ ورنہ اب اس کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ قدم قدم پر موت کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اس



کی آنکھوں کے سامنے سناٹے میں ڈوبی ہوئی پوری حویلی تھی لیکن اس میں حوصلہ نہیں ہو پارہا تھا کہ وہ اب کسی دوسرے کمرے میں جائے اور موت کا ایک اور گھناؤنا منظر دیکھے۔ اس کے آس پاس کوئی نہیں تھا لیکن لاشعوری طور پر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی اس کے آس پاس ہے۔

وہ پتھر کی مورتی کی طرح ایک ہی جگہ پر کھڑا سہمی سہمی نظروں سے اپنے آس پاس دیکھ رہا تھا۔ ایک احساس اس کے وجدان میں پیدا ہوا کہ کوئی غیبی قوت اس کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس نے سمت کا تعین کئے بغیر بھاگنا شروع کر دیا۔ اسے جو رستہ دکھائی دیتا وہ اس طرف مڑ جاتا۔ اس وقت اس کا ذہن اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا وہ تھوڑے سے وقت میں حویلی کے کسی اور حصے میں پہنچ گیا۔ وہ ایک پتھر کی مورتی سے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

انسانی شکل میں تراشی ہوئی یہ مورتی اس انداز میں بنائی گئی تھی جیسے کوئی بوڑھی عورت پوجا کے انداز میں آلتی پالتی مارے بیٹھی ہو۔ جسامت میں یہ مورتی اس قدر بڑی تھی کہ جاسم ایک چھوٹے سے بچے کی طرح با آسانی اس کی گود میں بیٹھ سکتا تھا۔ مورتی کے قریب ایک قطار میں سات دیئے جل رہے تھے۔ ساتھ میں پوجا کا سامان بھی موجود تھا۔ یہ سب دیکھ کے جاسم کے دل میں ڈر کا احساس مزید بڑھ گیا کہ جس نے یہ دیئے جلائے ہیں اور یہ سامان رکھا ہے وہ یقیناً آس پاس موجود ہے۔

وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہوا ارد گرد دیکھ رہا تھا کہ موت نہ جانے اب کس شکل میں اس کے سامنے آئے گی۔ وہ اب کس بھیانک شیطان کا دیدار کرے گا۔ اس کا زندہ وجود جو مردوں کی اس زمین میں اس کا جرم بنا ہوا تھا۔

ادھر ہصیم اور واصلہ جاسم کی تلاش میں اس حویلی میں پہنچ گئے جہاں پر لڑکیوں کی لاشیں تھیں۔ تاریکی میں ڈوبی ہوئی اس ویران حویلی میں ہصیم ٹارچ کی مدد سے جاسم کو سارے کمرے میں پکارتا ہوا ڈھونڈ رہا تھا لیکن کہیں بھی جاسم کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ واصلہ حویلی کے دوسرے حصے میں جاسم کو ڈھونڈتی رہی۔ وہ دونوں باغیچے کے قریب لڑکیوں کی قبروں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ہصیم نے زمین پر ٹارچ کی روشنی مارتے ہوئے کہا۔

”مجھے پورا یقین ہے کہ جاسم یہاں ضرور آیا ہوگا۔“

”آیا تو ہوگا لیکن اب تو یہاں موجود نہیں ہے۔ نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔ کہیں وہ شہر کی طرف تو نہیں نکل گیا؟“

”جتنا میں اسے جانتا ہوں وہ اسی گاؤں میں موجود ہوگا۔“

”پھر وہ کہاں جاسکتا ہے۔ ایسی کون سی جگہ ہے۔“ واصلہ نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

”یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ جاسم کہاں ہوگا۔“ ہصیم زمین پر ٹارچ کی روشنی مارتے ہوئے غیر معمولی تبدیلی دیکھنے لگا۔ اس نے واصلہ کو اس حصے کی طرف متوجہ کر دیا۔

”یہ وہی جگہ ہے جہاں دو لڑکیوں کی لاشیں دفن ہیں۔ تم دیکھ رہی ہو۔ یہ جگہ اوپر سے بالکل ہموار تھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہاں کسی کی قبر ہو سکتی ہے۔ یہ جگہ دیکھو جیسے کسی نے یہ جگہ کھود کے یہاں دوبارہ قبر بنائی ہے۔“ وہ دونوں اس جگہ بیٹھ گئے۔ واصلہ نے اپنے ہاتھوں سے مٹی کو ادھر ادھر کیا



تو مٹی پر انسانی انگلیوں کے نشان تھے۔ واصلہ نے ٹارچ سے ان نشانات کو نمایاں کیا۔ ناخنوں سے کسی نے مٹی کو کھرا ہوا تھا۔ ہمسیم نے ایک چھوٹی سی ڈبیہ میں نشانات والی جگہ سے تھوڑی سی مٹی لی۔ ڈبیہ بند کرنے کے بعد ہمسیم نے اس قبر کی کھدائی شروع کر دی۔ واصلہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”یہ کیا کر رہے ہو۔ اس کا نتیجہ بہت برا بھی ہو سکتا ہے۔ سوچ سمجھ کے اسے ہاتھ لگاؤ۔“

”موت سے برا تو کچھ نہیں ہو سکتا نا اور اب اس صورت حال میں ہمیں زندگی کے متعلق نہیں سوچنا۔“ یہ کہہ کے ہمسیم نے قبر کو دنا شروع کر دی۔

واصلہ نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”ہمسیم پلیز! یہ قبر مت کھودو۔ میرے دل کو کچھ ہورہا ہے۔“

”تمہارے دل کو کچھ ہورہا ہے اور میرا دماغ کہہ رہا ہے کہ اس قبر میں ضرور کوئی ایسا راز ہے جس سے ہم کچھ جان سکیں گے۔“

واصلہ نے بھیگی آنکھوں سے ہمسیم کی طرف دیکھا۔

”موت کے اس کھیل نے پہلے ہی جاسم اور شازہ کو ہم سے چھین لیا ہے تم پیچھے ہٹ جاؤ میں اس قبر کو کھودتی ہوں۔“

ہمسیم نے واصلہ کو شانوں سے پکڑتے ہوئے جھکا دیا۔ ”پاگلوں جیسی باتیں مت کرو۔ میں جو بھی کروں تم مجھے نہیں روکو گی آج جتنی بھی جانیں گئی ہیں ہماری سستی کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہم ہمت و حوصلے سے جلد کسی نتیجے تک پہنچ جاتے تو نہ جانے کتنی جانوں کو بچا لیتے لیکن بہت دیر ہو چکی ہے۔ اب تو سر پر کفن باندھ کے نکلے ہیں۔ ہمیں ایک پل کے لئے بھی اپنے بارے میں نہیں سوچنا چاہئے۔“

وہ اشتعال میں بولتا ہوا قبر کھودنے لگا۔ واصلہ بھی اس کی مدد کر رہی تھی۔ وہ دونوں مبہوت نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

قبر میں کچھ نہیں تھا اس لڑکی کی لاش بھی غائب تھی جو انہوں نے پچھلی مرتبہ دیکھی تھی۔

”وہ لاش غائب ہے جو ہم نے پچھلی مرتبہ یہاں دیکھی تھی۔“ ہمسیم نے کہا۔

واصلہ نے مزید چھان بین کی۔ ”یہاں تو ایسی کوئی علامت بھی نہیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ یہاں کوئی لاش دفن تھی۔ دوسری قبر کا حال بھی یہی ہوگا۔“

”لیکن ہمیں دوسری قبر بھی کھودنی ہوگی۔“ ہمسیم یہ کہہ کے دوسری قبر کی طرف بڑھا۔

خوف میں سنسناتی یہ رات سناٹوں کی سروش میں کوئی کہانی سنارہی تھی۔ بھیا نک اموات کے سلسلے نے اس گاؤں کو جنگل بنا دیا تھا۔ حویلی کے آس پاس غیر آباد گھروں میں جنگلی جانوروں نے بسیرا کیا ہوا تھا۔ سناٹے میں ان جنگلی جانوروں کی آوازیں دل کو دبلا رہی تھیں۔ خشک پتوں کے چرم رانے کی آواز پر ہمسیم اور واصلہ بار بار چونک جاتے جیسے کوئی ان پتوں کو قدموں کے نیچے روندتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے۔

☆=====☆=====☆

جاسم بوکھلائے ہوئے ارد گرد دیکھ رہا تھا کہ اسے ”سی سی“ کی گونج دار آواز سنائی دی۔ اس نے اپنے آپ کو ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے چھپا لیا۔ سیٹی کی سی یہ آواز زیادہ قریب سے سنائی دینے لگی۔

تھوڑی ہی دیر میں چار سیاہ ناگنیں مستی میں جھومتی بل کھاتی مجسمے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ مجسمے کے قدموں کے قریب پڑے ہوئے پوجا



کے سامان کے قریب ناگنیں پھن پھیلائے بیٹھ گئیں۔

یہ منظر جاسم کے لئے حیران کن تھا۔ وہ سانپوں کو پوجا کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مخصوص انداز میں وہ اپنے پھن کو زمین پر مارتے اور پھر پھن پھیلائے اپنی پرستش میں مشغول ہو جاتے۔

ایک مخصوص وقت کے بعد وہ مجسمے کے قدموں میں ریگتے ہوئے مجسمے کے اوپر کے حصوں کی طرف بڑھنے لگے۔ بیک وقت وہ چاروں سانپ مجسمے کے جسم پر اس طرح ریگ رہے تھے کہ یہ اندازہ کرنا مشکل تھا کہ سانپ کا سر کہاں ہے اور دم کہاں۔ کچھ دیر کے بعد یکے بعد دیگرے وہ سانپ واپس پوجا کی جگہ پر بیٹھ گئے۔ جاسم کی وہاں موجودگی کسی خطرے سے خالی نہیں تھی لیکن وہ ڈٹ کے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔

ناگنیں پھن پھیلائے جھومنے لگیں پھر ان کے جسم چار خوبصورت لڑکیوں میں تبدیل ہو گئے۔ ویسی ہی خوبصورت لڑکیاں جو اپنا بھیا نک روپ خوبصورت چہروں میں چھپائے ہوئے تھیں۔ انہوں نے یکجا اپنے بازو ہوا میں اکڑائے چند ہی ساعتوں میں ان بازوؤں میں ایک لڑکی جھول رہی تھی یہ لڑکی مردہ تھی یا بے ہوش تھی یا ان کی طرح شیطان کا کوئی روپ؟ یہ سوال جاسم کے دماغ میں بیدار ہوئے۔ وہ زمین پر ریگتا ہوا دوسرے پتھر کے پیچھے چھپ گیا جہاں سے وہ ان تینوں لڑکیوں کی حرکات و سکنات پر غور کر سکتا تھا۔

لڑکیوں نے اس لڑکی کو آگ دیوتا کے قدموں میں لٹا دیا۔ تینوں میں سے ایک لڑکی والہانہ انداز میں چلائی۔ ”آگ دیوتا دیکھ تیری خوشی کے لئے آج پھر ہم خوبصورت لڑکی کی بکی دیں گے تو ہمیں ماورائی قوتوں سے نواز۔ ہم تجھ پر ایسی ڈھیروں لڑکیاں قربان کر دیں گے جہاں تک دیکھے گا تیرے پجاریوں کا ہجوم ہوگا۔ ہم نے سینکڑوں لوگوں کو تیرے پجاریوں میں شامل کر لیا ہے۔ تو ہماری شکلتیاں بڑھا اور دیکھ ہم کس طرح انسانوں کو کیڑے مکوڑوں کی طرح روندتے ہیں۔“ یہ کہہ کر دونوں لڑکیاں بھی ہنسنے لگیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی جگہ سے غائب ہو گئیں۔ خوف سے سننا تا سکوت چھا گیا۔ جاسم تجسس بھری نگاہ سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ زندہ ہوگی یا مردہ؟ وہ یہ یقین نہیں کر سکتا تھا کہ وہ چار چڑیلیں چلی گئی ہیں۔ اسے گماں تھا کہ وہ کسی بھی شکل میں اس کے گرد ہو سکتی ہیں۔ اس نے دور تک نظر دوڑائی اسے ایسا کچھ نہیں دکھائی دیا جس سے ان تینوں چڑیلوں کی موجودگی کے آثار ہوں۔

کچھ نہ دکھائی دینا بھی اس چیز کی ضمانت نہیں تھا کہ ان کے آس پاس کوئی بدروح نہیں ہے۔ آگ دیوتا کے قریب اس کا کوئی پجاری نہیں ہے۔ بہت عجیب ذہنی کشمکش میں جاسم اس لڑکی کی طرف بڑھا۔

وہ لڑکی کے قریب بیٹھا تو بظاہر وہ مردہ دکھائی دے رہی تھی جاسم نے اسے چیک کیا تو اس کے جسم میں سانسیں دوڑ رہی تھیں۔ جاسم کے لئے یہ غیر معمولی بات تھی کہ مردوں کی دنیا میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا انسان بھی ہے۔

جاسم نے کچھ سوچے سمجھے بغیر لڑکی کو اپنی بانہوں میں اٹھالیا۔ اسے کچھ علم نہیں تھا کہ وہ اسے کہاں چھپائے گا۔ اس کے وجدان سے یہ خیال پیدا ہوا کہ اسے لڑکی کو لے کر اس کوٹھری میں جانا چاہئے جہاں وہ خود کسی جادوئی عمل کی وجہ سے پہنچا تھا۔ وہ اس کوٹھری کو ڈھونڈنے کے لئے حویلی کے بیچ دار راستوں پر بھٹکنے لگا۔ وہ نہ جانے کہاں سے کہاں نکل آیا تھا۔ ہر قدم پر خوف کی



پر چھائیاں اس کا پیچھا کر رہی تھیں۔ اکیلا ہوتا تو خود کو کہیں نہ کہیں چھپا لیتا لیکن اب لڑکی کی وجہ سے وہ موت سے آنکھیں ملائے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک تنگ رستے سے گزرتا ہوا حویلی کے پچھلے حصے میں داخل ہو گیا۔

حویلی کیا یہ جگہ بالکل ایسی تھی جیسے ایک وسیع قبرستان کی قبروں نے کمروں کی شکل اختیار کر لی ہو۔ یہ سبھی کمروں کی شکل میں کچی کوٹھڑیاں تھیں۔ جاسم کو وہ کوٹھڑی جسے وہ کافی دیر سے ڈھونڈ رہا تھا۔ دکھائی دی تو اس کی سانس میں سانس آئی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کوٹھڑی میں داخل ہوا۔ جہاں پہلے سے مشعل جل رہی تھی۔

اس نے لڑکی کو زمین پر لٹا دیا۔ خود وہ دیوار سے پشت لگائے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ پیاس سے اس کا حلق سوکھ رہا تھا۔ ہونٹوں پر چڑی جم گئی تھی۔ لڑکی کے جسم میں خفیف سی حرکت پیدا ہوئی۔ جاسم اس کے قریب بیٹھ گیا۔

اس کے چہرے پر اضطراب کی لکیریں کھینچ گئی تھیں۔ وہ بے چینی سے اپنی کمان جیسی بھنوں کو سکیر رہی تھی۔ اس کی سیاہ گھنی پلکیں اس کی بڑی بڑی آنکھوں کو چھپائے ہوئی تھیں۔ گوری رنگت پر تیکھی ناک اور رُس بھرے ہونٹ اسے جاذب نظر بنا رہے تھے۔

جاسم نے اس کے چہرے پر گری بالوں کی لٹ کو پیچھے کرتے ہوئے من ہی من میں اس کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ جاسم نے اپنے ہاتھوں سے اس کی رخساروں کو تھپتھپایا۔ ”آنکھیں کھولو.....“

لڑکی نے بے چینی سے سر کو ادھر ادھر پٹختنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں کے پوٹے کاٹنے لگے۔

اذیت کے کسی احساس میں پٹکھڑیوں جیسے ہونٹ لرزنے لگے۔ آنکھیں کھلنے سے پہلے اس کے ہونٹوں سے آواز نکلی۔ ”مجھے چھوڑ دو.....“ جاسم نے اسے ہوش میں لانے کے لئے اسے شانوں سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو جاسم کو سامنے پا کر وہ چیخنے لگی۔

”مجھے چھوڑ دو، خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو.....“

جاسم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”خاموش ہو جاؤ۔ میں بمشکل تمہیں موت کے منہ سے نکال کے لایا ہوں۔ میں ان میں سے نہیں ہوں۔ جو تم سمجھ رہی ہو۔“ لیکن لڑکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے جاسم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ فق تھا۔ اسے جاسم کی بات کا یقین نہیں تھا۔ خاموش ہو جانے کے بعد وہ تھر تھر کاٹنے لگی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے جاسم سے دور دیوار سے جا لگی۔

وہ جاسم کی طرف اس طرح دیکھ رہی تھی کہ جیسے جاسم کے تھوڑا قریب جانے سے وہ کمرے سے باہر بھاگ جائے گی۔

جاسم نہیں جانتا تھا کہ کب اسے اور لڑکی کو کسی مافوق الفطرت مخلوق کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ کب وہ لقمہ اجل ہو جائیں۔

وہ اس لڑکی کو کس طرح سمجھائے۔ موت کی اس وادی میں جسم میں دوڑتی سانسوں کا ایک پل کا بھی بھروسہ نہیں تھا۔

اس نے ایک بار پھر اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس کے منہ سے آواز نکلتے ہی لڑکی خود کو سمیٹتی ہوئی کسی کونے میں جا گھسی۔



جاسم اپنا سردیوار سے لٹکائے خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ یہاں سے فرار ہونے کا راستہ ڈھونڈ رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ طرح طرح کی ترکیبیں سوچتا رہا۔

ایسا کوئی طریقہ نظر نہیں آ رہا تھا جس سے یہاں سے نکلا جائے۔ بالآخر وہ اپنا سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ پھر اچانک ایک سوچ اس کے دماغ میں ابھری۔

وہ خود کلامی کرنے لگا۔ ”میں تو ایسا کوئی علم نہیں جانتا جس کے ذریعے میں ایسی پُر اسرار جگہ پر پہنچ جاؤں۔ میری کسی نے مدد کی ہے۔“ پھر اس کے ذہن میں اس نورانی جسم کا تصور ابھرنے لگا۔ جس نے حویلی میں ان کی مدد کی تھی۔ اسے ہمسیم کا بھی خیال آیا۔ جس نے کسی ایسی ہی غیبی مدد کا ذکر کیا تھا۔ اگر میری کسی نے مدد کی ہے تو اس کوٹھری میں بھی کہیں نہ کہیں کوئی ایسی چیز ہوگی جو ہمیں اپنے بچاؤ میں مدد دے سکے۔ اس خیال سے وہ کوٹھری میں ادھر ادھر کچھ ڈھونڈنے لگا۔

اسے کوٹھری میں ایسی کوئی چیز نہیں دکھائی دی۔ وہ زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے زمین کا معائنہ کرنے لگا جو کچی مٹی سے بنی تھی۔ سرسراہٹ کی آواز سے اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت روک دی۔

اس کی آنکھوں کے سامنے وہی سیاہ سانپ ریگ رہے تھے جن سے پناہ کے لئے وہ اس کوٹھری میں چھپے تھے۔ اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ وہ دونوں اس کوٹھری میں محفوظ ہیں۔

لڑکی خوف سے چیختی ہوئی دوسری دیوار سے جا لگی۔

ناگنیں ہوا میں معلق ہو کر خوبصورت لڑکیوں کے روپ میں آگئیں۔ انہوں نے جاسم کو سرتاپا دیکھا۔ ”تم اس جگہ پر کیسے پہنچ گئے؟“ ایک لڑکی کے اس سوال پر دوسری لڑکی نے کہا۔ ”اسے ہمارے کسی ساتھی نے شکار کیا ہوگا۔“

جاسم شپٹا گیا۔ اس نے ہوا میں تیر چلایا۔ ”میں زندہ نہیں ہوں میں بھی تمہاری ہی طرح ہوں۔“ اس کی بات پر پُر اسرار لڑکی نے خوفناک قہقہہ بلند کیا۔

”ہمیں تمہارے جسم میں دوڑتا لہو اس طرح دکھائی دے رہا ہے جیسے تمہارے جسم پر جلد کی جگہ شفاف جھلی ہو۔“

اس کی اس بات پر جاسم دوڑتا ہوا سہمی ہوئی لڑکی کے پاس پہنچ گیا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیا۔

تینوں پُر اسرار لڑکیاں چنگھاڑتی ہوئی ہوا میں معلق ہو گئیں اور چیلوں کی طرح ان دونوں پر حملہ آور ہوئیں۔ جاسم کو اپنے دفاع کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ گھبراہٹ میں اپنی جیب ٹٹولنے لگا۔ اس کی جیب میں لائٹر تھا۔

اسے کچھ بھائی نہیں دیا اس نے لائٹر جلا کر ان کی طرف بڑھایا۔

آگ کے ایک معمولی شعلے نے انہیں اپنی جگہ ساکت کر دیا۔ وہ ان دونوں کی طرف بڑھ نہ سکیں۔ یہ دیکھ کے جاسم کے کانپتے ہاتھوں میں

قوت آ گئی۔ اس کا حوصلہ بلند ہو گیا۔ اس نے اٹنے قدموں سے پیچھے کی طرف چلتے ہوئے مشعل ہاتھ میں لی۔ یہ دیکھتے ہی تینوں روشنی میں تحلیل



ہو کے وہاں سے غائب ہو گئیں۔

جاسم کا سانس پھولا ہوا تھا وہ لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ وہ ارد گرد بھی دیکھ رہا تھا اور معمولی معمولی آوازوں پر بھی غور کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ غائب ہونے والی لڑکیاں کسی اور شکل میں بھی اس پر عقب سے حملہ کر سکتی ہیں۔ سبھی ہوئی لڑکی مہین سی آواز میں بولی۔

”یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔ تم مشعل اپنے پاس رکھنا۔“

جاسم اور لڑکی اسی جگہ بیٹھ گئے۔ جاسم نے مشعل تھام رکھی تھی۔ اس کی نظریں ابھی تک فضا کو گھور رہی تھیں۔

”یہ سب انتہائی خطرناک بدروہیں ہیں۔ ایک پل کے لئے بھی ہم لا پرواہی نہیں کر سکتے۔“ جاسم نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ لڑکی کے چہرے پر ندامت کے آثار تھے۔

”میں سمجھ رہی تھی کہ آپ بھی ان میں سے ہیں۔“ لڑکی نے اپنی گھنی پلکیں جھکاتے ہوئے کہا۔

جاسم نے خفیف سی مسکراہٹ سے لڑکی کی طرف دیکھا۔ ”اس میں تمہاری غلطی نہیں ہے تمہاری جگہ کوئی بھی لڑکی ہوتی تو وہ یہی سمجھتی۔ تمہارا کیا نام ہے؟“

”میرا نام ملائکہ ہے تمہارا نام کیا ہے؟“

”میرا نام جاسم ہے۔“

”تم یہاں کیسے آئے؟“

”یہ سوال مت پوچھو۔ اس کا جواب میں خود نہیں جانتا۔ اب سوچنا یہ ہے کہ یہاں سے کیسے نکلا جائے؟“

”یہ ناممکن ہے۔ ہم مردوں کی اس دنیا میں زندہ نہیں بچیں گے۔ ہماری موت یقینی ہے۔“

ملائکہ کی اس بات پر جاسم نے لمبا سانس لیا۔

”اب سے تھوڑی دیر پہلے میں بھی اسی انداز میں سوچ رہا تھا لیکن امید کی ایک چھوٹی سی کرن نے مجھ میں حوصلہ پیدا کیا ہے۔ یہ آتش پرست بدروہیں جن کے ارد گرد ہر وقت مشعلیں روشن ہیں۔ وہی آگ ان کی کمزوری بھی ہے۔ تعجب کی بات ہے ہم اتنی سی بات نہ جان سکے۔ سینکڑوں لوگ لقمہ اجل ہو گئے۔ میں شازہ کو بچا سکتا تھا۔ اگر یہ بات پہلے جان جاتا۔“

”شازہ؟.....“ یہ نام ایک سوال کی طرح اس کی زبان سے نکلا۔

”کسی طرح یہاں سے نکل جائیں پھر تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔“

”تم سمجھ رہے ہو کہ تمہارے ہاتھ اس بھیاں تک مخلوق کی کوئی کمزوری لگ گئی ہے لیکن مجھے ایسا نہیں لگ رہا۔ میں یقین نہیں کر سکتی کہ ہم

یہاں سے زندہ نکل سکیں گے۔ ان کے غائب ہونے کی کوئی اور وجہ ہوگی جو ہم نہیں جانتے۔ یہ جگہ تو بالکل ایسی ہے جیسے ایک قبر کے اندر سے دوسری

قبروں کے راستے، جہاں ہر طرف موت ہی سرور ہے۔ دم توڑتی زندگیوں کی کراہنے کی رندھی ہوئی آوازیں ہیں۔“



جاسم نے اس کی سہمی ہوئی آنکھوں میں جھانکا۔ ”موت سے ڈرتی ہو؟“  
 ”کیوں، تم نہیں ڈرتے؟“

”نہیں! اب نہیں ڈرتا۔ کوئی قیمتی چیز کھو جانے کے بعد جینے کی خواہش کی ختم ہو گئی ہے۔ تمہیں دیکھا تو من میں ٹھان لیا کہ کسی بھی طرح تمہیں بچانا ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ کسی جنون میں آگ میں چھلانگ لگا دی کہ میرے جنون سے ہی یہ آگ بجھ جائے گی اور میں اس میں جلنے والے کو بچالوں گا لیکن میں اپنے اس ساتھی کو بچانہ سکا۔“ جاسم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

”تم شازہ کی بات کر رہے ہو؟“ ملائکہ نے کہا۔ جاسم نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس نے بھیگی ہوئی آنکھیں چھپانے کے لئے اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

ملائکہ کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات بکھر گئے۔ ”سوری جاسم! شاید میں نے شازہ کا ذکر چھیڑ کے تمہیں تکلیف دی ہے۔“  
 ”زندگی میں تقدیر ہمیں کچھ ایسے زخم دیتی ہے جو ساری زندگی نہیں بھرتے۔ شازہ سے جدائی کا غم بھی ایسا ہے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ میں شازہ کو اس طرح کھوسکتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی داؤ پر لگائی کہ شاید شازہ زندہ ہو لیکن.....“  
 ”لیکن کیا.....؟“

”وہ اب انہی بدروحوں میں سے ہے۔ اگر ہم دونوں خود کو بچانہ سکے تو ہم بھی انہی میں شامل ہو جائیں گے۔ ہمیں کوئی راستہ ڈھونڈنا ہوگا۔“ جاسم نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

ملائکہ بے چینی سے اپنے بالوں کو سہلاتے ہوئے ارد گرد دیکھنے لگی۔

”تم اس کوٹھری میں کیا ڈھونڈ رہے تھے؟“ ملائکہ نے جاسم کی طرف دیکھا۔

”مجھے لگتا ہے جیسے اس کوٹھری میں مجھے کوئی ایسی چیز ضرور مل جائے گی جو ہمارا اس جگہ سے نکلنا ممکن بنا دے گی۔“

”تم اس قدر یقین سے یہ بات کیسے کہہ سکتے ہو؟“

”جس طرح مجھے اس بات کا یقین ہے کہ کوئی ہماری غیبی مدد کر رہا ہے جو طاغوتی قوتوں کا حامل ہے وہ بھی پُر اسرار ہے انہی بدروحوں کی طرح لیکن شاذ ہی وہ ان بدروحوں کی طرح پُر اسرار طاقتیں رکھتا ہو۔ وہ ایک مخصوص حد تک ہماری مدد کرتا ہے لیکن وہ ہے کون؟“ اس سوال کے ساتھ جاسم سوچ میں پڑ گیا۔

ملائکہ نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔ ”تم مجھے بتانا پسند کرو گے کہ اس پُر اسرار شخص نے کس طرح تمہاری مدد کی؟“

”میں تمہیں بتاؤں گا تو تم میری باتوں پر یقین نہیں کرو گی۔ بالکل اسی طرح جس طرح میں نے ہصیم کی باتوں پر یقین نہیں کیا تھا اور آج

کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔“ خوف کے کسی احساس سے جاسم پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہوا کو گھور رہا تھا۔

ملائکہ نے جاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم اس صورتِ حال سے نہیں گزر رہے تھے جس طرح کی صورتِ حال سے میں گزر رہی ہوں۔“



”تم مجھے ساری بات بتاؤ۔ یہ سب کیا ہے۔ تمہارے اور تمہارے دوستوں کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے۔ شاید میں تمہیں کوئی بہتر مشورہ دے سکوں۔“

جاسم نے ملائکہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو تھوڑی دیر کے لئے ملائکہ کا چہرہ شازہ کے چہرے میں بدل گیا۔ اس وقت اس کا لب و لہجہ شازہ کی طرح تھا۔ جاسم کے لبوں سے بے اختیار شازہ کا نام نکل گیا۔

”شازہ!“

”کیا ہوا تمہیں شازہ کا خیال آ گیا۔“ ملائکہ کے اس جملے نے جاسم کو خیالوں کی دنیا سے باہر نکال دیا۔ اس نے اپنے چہرے کو خفیف سے انداز میں جھٹکا دیا۔

”اس وقت تم مجھے ہو بہو شازہ جیسی لگی۔ تم نے اسی طرح کی بات کی۔ وہ بہت ذہین تھی۔ بڑے سے بڑے کیس کو حل کرنے میں میری بہت مدد کرتی تھی۔ ہم چاروں دوست یکجا فیصلے کے ساتھ اس خطرناک مشن پر نکلے تھے۔ کیا معلوم تھا کہ میں اسے کھودوں گا۔ یہ مشن مجھ سے اتنی بڑی قربانی مانگے گا۔ میں نہیں جانتا تھا۔ کاش میں اسے بچا سکتا۔ تم نہ ساتھ ہوتی تو میں خود کو بچانے کی کوشش نہ کرتا لیکن میں تمہیں بچانے کی کوشش ضرور کروں گا۔“

ملائکہ کچھ دیر کے لئے آنکھیں جھکائے کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس نے اپنے بیٹھے سے لہجے میں جاسم کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”زندگی خدا کی عطا کی ہوئی ایک امانت ہے۔ اسے ہم اپنی مرضی سے ختم نہیں کر سکتے۔ شازہ کو اگر تم نے کھود دیا ہے تو اسے تقدیر کی طرف سے کوئی آزمائش سمجھو۔ تمہیں خدا نے جو مقصد سونپا ہے کسی طرح اسے پورا کرنے کی سوچو۔ تم مجھے تفصیل سے ساری بات بتاؤ۔“

ملائکہ کے اصرار پر جاسم نے اسے مکمل تفصیل بتانا شروع کی۔

ملائکہ جوں جوں جاسم کی بات سنتی گئی اس کا چہرہ فق ہوتا گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس قدر خوفناک حقائق سے آشکار ہوگی۔ جب جاسم نے اپنی بات مکمل کی تو ملائکہ سردیوار سے ٹکائے لمبے لمبے سانس لے رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

جاسم کی ساری گفتگو میں ملائکہ نے ایک لفظ نہیں کہا اور اب جاسم کو اس کی خاموشی ٹوٹنے کا انتظار تھا۔ ملائکہ نے آنکھیں کھولیں تو اس کے کانپتے ہونٹوں سے الفاظ ادا ہوئے۔ ”اس کا مطلب ہے کہ ہم کسی حویلی میں نہیں، کسی قصبہ میں نہیں، جس سے کئی قبروں کو راستے نکلتے ہیں۔ یہ سارے کا سارا آگ اور مٹی کا کھیل ہے۔ اس کوٹھری کی کچی زمین میں تلاش کرو۔ تمہیں شاید کوئی سراغ مل جائے۔“

جاسم نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔ جاسم نے ملائکہ کے ہاتھ میں بھی ایک مشعل تھما دی۔ وہ دونوں ریٹگنے والے کیڑوں کی طرح زمین پر ریٹگتے ہوئے زمین کا جائزہ لینے لگے۔

چھوٹی سی کوٹھری کی زمین کا یہ چھوٹا سا ہی ٹکڑا تھا۔ ملائکہ ایک جگہ رک گئی۔ وہ ہاتھوں سے خفیف سے انداز میں مٹی پیچھے کرنے لگ گئی۔ اسے مدہم سا نشان دکھائی دے رہا تھا۔



اس نے جاسم کو پکارا۔ ”جاسم! ادھر آؤ! یہ دیکھو یہ نشان کیسا ہے؟“

جاسم ملائکہ کے قریب آیا۔ نشان بہت مدہم تھا۔ جاسم نے ذرا قریب سے دیکھا تو یہ وہی نشان تھا جو اس پُر اسرار حویلی کے باغیچے کی دیوار پر کندہ تھا۔ جس کے قریب دو لڑکیوں کی قبریں تھیں۔

”یہ تو وہی نشان ہے.....“ جاسم جلدی سے بولا۔

”کون سا نشان.....؟“ ملائکہ نے سوال کیا۔

”چار ہزار سال پہلے کے آتش پرست لوگ مختلف قسم کے جادو اور ٹونوں میں اس نشان کا استعمال کرتے تھے۔ ہم نے پہلی مرتبہ علیشہ کی مٹی کے تابوت پر یہ نشان دیکھا تھا۔“



ایم۔ اے راحت کے قلم نئے افق میں سے دھوم مچا دینے والی مشہور سلسلہ وار داستان

درندگی و بربریت کے پیکر  
ایک پتھر صفت انسان  
کی سرگزشت

از دہا

مکمل پانچ حصے

قیمت فی حصہ 60 روپے

طاہر جاوید مغل کے قلم سے شہرہ آفاق سلسلہ وار سرگزشت

تاوان کے ایک تابا رہ حصے دستیاب ہیں

قیمت فی حصہ 60 روپے

تاوان

اپنے قریبی بکسٹال یا ہا کر سے طلب فرمائیں

علی بکسٹال

نسبت روڈ، چوک میوہ ہسپتال، لاہور۔

علی میاں پبلیکیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔

Ph: 7247414

براہ راست  
منگوانے  
کا پتہ



ہصیم اور واصلہ حویلی سے جا چکے تھے۔ خاموش دوپہر میں ان کی گاڑی گھنے جنگل سے گزر رہی تھی۔ وہ دونوں مسلسل خاموش تھے۔ ان دونوں کے ذہن میں ایک ہی خیال بار بار آ رہا تھا کہ جیسے وہ اس حویلی میں کچھ چھوڑ آئے ہیں۔

کوئی سروش بار بار ان سے یہ کہہ رہی تھی کہ جاسم اس حویلی میں ہی تھا لیکن زندہ یا مردہ۔ جس حالت میں بھی تھا وہ لوگ اسے ڈھونڈ نہیں سکے۔ واصلہ نے مضطرب سی کیفیت میں اپنے بالوں کو سہلایا۔ ”تم کچھ کہو ہصیم کہ ہم جاسم کو کہاں ڈھونڈیں۔“

”میری تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ حویلی میں جو کچھ ہم نے دیکھا اس سے میرے ذہن میں عجیب سے خیال آئے ہیں خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔“ ہصیم نے پریشانی سے سر کو دائیں بائیں جھٹکا۔

واصلہ نے ہونک بھری۔ ”میں بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ خدا نہ کرے کہ شائزہ کی طرح جاسم بھی.....“ ہصیم نے فوراً اسے ٹوک دیا۔ ”خدا پر بھروسہ رکھو۔ شیطان کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو جائے اسے خدا کے آگے جھکنا ہی پڑتا ہے۔ اموات کا یہ سلسلہ ضرور ختم ہوگا۔ بس کوئی رستہ نظر آ جائے۔“

واصلہ نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ تم جا کہاں رہے ہو؟“ ہصیم جبیں پینائی کرتے ہوئے اسٹیمزنگ تھپتھپانے لگا۔ ”اس اجڑے ہوئے آفت زدہ گاؤں میں جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ لاٹک ڈرائیو پر چلتے ہیں کوئی اچھی جگہ دیکھ کے رکیں گے اور کچھ سوچیں گے۔“

”لیکن تم تو گھنے جنگل کی طرف جا رہے ہو۔ جتنا آگے جاتے جاؤ گے یہ جنگل اتنا ہی سنسان ہوتا جائے گا۔ تم گاڑی واپس موڑو۔ مجھے یہ درست نہیں لگ رہا۔“ واصلہ نے کہا۔

واصلہ کی اس بات پر ہصیم مسکرانے لگا۔ ”جب خوف ذہن پر سوار ہو تو انسان ایسی ہی باتیں کرتا ہے۔ کچھ نہیں ہوگا۔ ویسے بھی خوف کے وہ بھیاٹک سائے جو تمہارے ذہن میں منڈلا رہے ہیں ان سے تو ہم گھر پر بھی محفوظ نہیں۔ وہ تو کسی بھی وقت کہیں کسی بھی روپ میں ہمارے سامنے آ سکتے ہیں۔“

واصلہ نے خفگی کے انداز میں ہونٹوں کو کھینچتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں کون قائل کر سکتا ہے۔ لے چلو جہاں تمہارا دل چاہے۔“ ہصیم کی گاڑی کچے رستوں پر دھول اڑاتی ہچکولے کھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔

واصلہ نے ہصیم کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات بہت نمایاں تھے۔ شاید وہ تھوڑی دیر کے لئے اس کیفیت سے فرار چاہتا ہو۔

سڑک کے دونوں اطراف لمبے لمبے گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ واصلہ کے پاس بھی شاید ہصیم سے کہنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے ہصیم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جو بہت اداس تھا۔ وہ اپنے عزیز دوست کے لئے پریشان تھا۔ ذہن میں ایسا کوئی طریقہ نہیں آ رہا تھا جس



سے معصوم لوگوں کو ان خون ریز بدروحوں سے بچایا جائے۔

کچھ دیر کے بعد ہصیم نے گاڑی ایک پیچ دار رستے کی طرف موڑ لی۔

برگد کے درخت کے پاس اس نے گاڑی روکی۔ وہ دونوں گاڑی سے باہر نکلے تو واصلہ مبہوت ہو کے رہ گئی۔ ”واؤ! یہ درخت کس قدر عجیب ہے۔“ درخت کو دیکھ کے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت عرصے سے اس جنگل میں جوں کا توں کھڑا ہے۔

یہ درخت قریباً دو سو فٹ پر پھیلا ہوا تھا۔ اس کی شاخوں نے زمین کا وہ سارا حصہ چھپا رکھا تھا۔ اس کا تنا تقریباً پچاس فٹ چوڑا تھا۔ لکڑی کے نشیب و فراز نے اس تنے کو لہریے دار بنادیا تھا۔ جڑیں باہر ابھر کے دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ درخت انتہائی بھیاں بک بھی دکھائی دے رہا تھا۔ ہصیم اور واصلہ اکٹھے اس درخت کی طرف بڑھے۔

ہصیم نے دور دور تک اس درخت کے پھیلاؤ کا جائزہ لیا۔ ”خدا کی شان دیکھو۔“

”واقعی حیرت انگیز درخت ہے۔“ واصلہ اس کی رسی جیسی شاخوں کو چھونے لگی۔

ہصیم نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا تو اس نے پلٹ کر ہصیم کی طرف دیکھا۔

ہصیم کی نمی سے بھرپور آنکھیں اس کے دل کی کیفیت کی چغلی کھا رہی تھیں۔

واصلہ نے اس کی اداس آنکھوں میں جھانکا۔

”کیا سوچ رہے ہو تم۔ کب سے تمہیں اس طرح اداس دیکھ رہی ہوں۔“

ہصیم نے واصلہ کا ہاتھ تھام لیا اور وہ دونوں برگد کے درخت کے قریب بیٹھ گئے۔

ہصیم نے اپنی بات شروع کی۔ ”اگر میں بھی مارا گیا تو تم اس مشن سے پیچھے نہ ہٹنا۔ موت کے علاوہ اور کوئی بھی حقیقت ہمیں ہمارے مشن سے نہیں ہٹا سکتی۔“

واصلہ نے ہصیم کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ ”ایسی بات نہ کہو۔ اس قدر مضبوط نہیں ہوں کہ تمہیں کھوکھلا کر زندہ رہ سکوں۔ میں تمہارے بغیر

نہیں رہ سکتی۔ کل پروفیسر زمان دو پہر تک پہنچ جائیں گے۔ شاید وہ ہماری مدد کر سکیں۔“

”خدا کرے! ویسے بھی میں نے پروفیسر زمان کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ انہیں روحانیت سے خاص لگاؤ ہے۔ سنا ہے کہ وہ

روحوں کو حاضر کر کے ان سے بات کر لیتے ہیں۔ ایسی کوئی غیبی طاقتیں تو نہیں ہیں جو اس طرح کی بدروحوں کا خاتمہ کر سکے لیکن اس کے پاس ایسا ذہن ہے جو چھپے ہوئے رازوں کے بارے میں گہرائی تک سوچ سکتا ہے۔“

یہ کہہ کر ہصیم کھڑا ہو کر برگد کے بزرگ درخت کو دیکھنے لگا۔ وہ درخت کے قریب گیا۔ واصلہ بھی اس کے قریب کھڑی ہو گئی۔

وہ دونوں جس جگہ کھڑے تھے۔ وہاں کسی انسان کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

”مجھے تو اس خاموشی سے وحشت ہو رہی ہے۔ چلو گھر چلتے ہیں۔“



”جب اندر بھی وحشت ہو تو باہر کی وحشت سے کیا ڈرنا۔“

”تمہیں معلوم ہے یہ درخت اتنا ہی پرانا ہے جتنا علیشہ کا کیس۔“

”یعنی یہ درخت چار ہزار سال پرانا ہے۔“

”کتنے زمانے دیکھے ہیں اس درخت نے۔ کاش یہ بول سکتا۔“ ہصیم نے درخت کی چھال کو چھوا تو ایک ساعت میں ہی اس کی آنکھوں کے پردہ بصارت پر منظر بدلا بالکل اسی طرح جیسے ٹی وی کی سکرین پر ایک لمحے کے لئے کوئی منظر نما ہوا اور اچانک غائب ہو جائے۔

اس منظر میں ہصیم نے چار ہزار سال پرانے ملبوسات میں ملبوس لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ عجب انداز بیان میں کچھ ورد کرتی ہوئی آوازوں کے شور میں ہصیم جھلما کے رہ گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ارد گرد دیکھنے لگا جہاں اب صرف وہ اور واصلہ ہی تھی۔ وہ گھبراہٹ میں درخت پر سے ہاتھ ہٹا چکا تھا۔ واصلہ نے اس کی کیفیت بھانپتے ہوئے کہا۔

”تمہیں کیا ہوا۔“

ہصیم واصلہ کو کچھ بتا نہیں سکا وہ گھبراہٹ میں بولا۔ ”تم جہاں کھڑی ہو یہیں کھڑی رہنا مجھے کچھ دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں کچھ ہے۔“ ہصیم کا لہجہ بہت سنسنی خیز تھا۔ واصلہ نے کچھ پوچھنا چاہا تو ہصیم نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اس نے ایک بار پھر درخت کی چھال پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر وہ منظر دیکھنے لگیں۔ چار ہزار سال پرانے دور کے لوگوں کا ایک ہجوم اس درخت کے گرد جمع تھا۔ اپنے روایتی لباس پہنے بہت سی خواتین اور خوبرو لڑکیاں سرخ کپڑے کے گرد سنہری ڈوریاں لپیٹے اس درخت کی شاخوں پر باندھ رہی تھیں۔ اس مرتبہ ہصیم نے درخت پر سے اپنا ہاتھ نہیں ہٹایا بلکہ اس نے اپنا جسم درخت کے ساتھ ہی چپکا لیا۔ یہ خوف کہ کسی احساس سے اس کا ہاتھ تنے سے ہٹ نہ جائے وہ یہ سب کچھ مسلسل دیکھنا چاہتا تھا۔

بہت سے لوگ اس درخت کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑے آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے اور بہت سے اپنے سروں پر پھلوں کی ٹوکریاں اٹھائے درخت کے گرد چکر لگا رہے تھے۔

دو لڑکیاں ہاتھوں میں سنہری ڈوریاں لئے درخت کی طرف بڑھیں۔ جس جگہ ہصیم کھڑا تھا وہ دونوں اسی طرف بڑھ رہی تھیں۔ خوف کی تھر تھراتی لہر اس کے پورے وجود سے گزر گئی جب وہ دونوں لڑکیاں اس کے قریب کھڑی ہو گئیں۔

ہصیم اپنی جگہ نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ لڑکیوں نے اس کے چہرے کے قریب ڈوریاں باندھیں اور ہنستی اٹھکیلیاں کرتی ہوئی وہاں سے چل پڑیں جس سے ہصیم کو اس بات کا علم ہوا کہ وہ ان لوگوں کو نہیں دکھائی دے رہا۔

اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ درخت ان کے لئے بہت مقدس تھا۔ وہ مختلف قسم کی منتیں اس درخت سے منسوب کر رہے تھے۔ اپنی مرادیں مانگ رہے تھے۔ چڑھاوے چڑھا رہے تھے۔

اس کی جڑوں میں لوگ اپنی امانتیں رکھ رہے تھے۔ جڑوں کے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں پر ہصیم نے نظر دوڑائی تو سنناہٹ کے ایک جھٹکے



سے اسے جھر جھری آگئی۔

علیشہ کا باپ انہی لوگوں کے بیچ بیٹھا تھا۔ اس نے درخت کی جڑوں میں کوئی چیز دفن کی تھی وہ جگہ کو مٹی ڈال کر دوبارہ ہاتھ۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ اور دیکھتا واصلہ نے اسے درخت سے پیچھے ہٹا لیا۔ درخت سے پیچھے ہٹتے ہی سارا پڑ اسرار منظر غائب ہو گیا۔ ہمسیم ہراساں ہراساں ارد گرد دیکھتا رہا۔ واصلہ اس کا ہاتھ پکڑ کے اسے دور تک کھینچتی لے گئی۔

اس وقت ہمسیم کی آنکھوں میں اجنبیت تھی وہ اسی کیفیت میں واصلہ کے ساتھ دور تک چلا گیا۔ جب وہ ہوش میں آیا تو واصلہ کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔

”واصلہ ہم کچھ دیر یہاں ٹھہریں گے۔“ وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

”تمہارا کیا مطلب ہے؟“ واصلہ نے کہا۔ ہمسیم جواب میں اسے برگد کے درخت کے پاس لے گیا۔

”یہ درخت یقیناً چھپے ہوئے حقائق کا گواہ ہے۔“ واصلہ نے سوالیہ نظروں سے ہمسیم کی طرف دیکھا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

درخت بہت بڑے حصے پر پھیلا ہوا تھا۔ ہمسیم واصلہ کو درخت کی جڑوں کے قریب لے گیا۔

واصلہ نے ہمسیم کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ ”پلیز اب تم اس درخت کو مت چھونا۔“

ہمسیم نے واصلہ کو سمجھایا۔ ”بزدلوں جیسی باتیں مت کرو ہم اس درخت کو یہاں جڑوں کے قریب سے کھودیں گے۔“

”لیکن.....“ واصلہ کچھ کہنے لگی لیکن ہمسیم نے اسے ادھورے جملے پر ہی ٹوک دیا۔

”جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہمیں یہ کام ابھی شروع کرنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے مزید تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔“

ہمسیم کی بات مان کر واصلہ بھی اس کے ساتھ گاڑی سے زمین کھودنے کے لئے اوزار نکالنے لگی۔ گاڑی کی ڈکی سے اوزار نکالتے وقت

واصلہ کا چہرہ اس کے بالوں میں چھپ گیا۔

ہمسیم نے ہاتھ سے واصلہ کے چہرے پر سے بالوں کو پیچھے کیا تو اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ ہمسیم نے اسے شانوں سے پکڑتے

ہوئے اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف کیا تو اس کی آنکھوں میں اشک نمایاں تھے۔

اس کی طرف دیکھ کے ہمسیم بھی رنجیدہ ہو گیا۔ ”یہ کیا واصلہ.....؟“

واصلہ نے ہمسیم کی بات کا جواب نہیں دیا۔ بس وہ اپنی سرخی بھری بڑی بڑی آنکھوں سے ہمسیم کی طرف دیکھتی رہی۔

ہمسیم نے اپنے سر کو ڈھیلی سی حرکت دی۔

”مجھے اس طرح کمزور مت کرو۔ کچھ تو کہو۔“

واصلہ نے اپنی آنکھیں ہمسیم کے چہرے پر گاڑ دیں۔



”میں کچھ کہوں گی تم سے اور تمہیں ہر حال میں میری بات ماننا ہوگی۔“

”تم مجھے جانتی ہو۔ ایسی بات نہ کہنا جو میں مان نہ سکوں۔“

”میں بھی تو تمہاری ہر بات مانتی ہوں۔ تمہیں بھی میری بات ماننا ہوگی۔ درخت کی جڑوں کے قریب سے کھدائی میں شروع کروں گی۔“

واصلہ کی اس بات پر ہصیم بلا تامل بولا۔ ”یہ نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں نہیں ہو سکتا خود تو کہتے ہو کہ اس مشن پر ہم سر پر کفن باندھ کے نکلے ہیں تو پھر یہ مسئلہ کیوں کہ پہل کون کرے۔“ واصلہ کا فیصلہ اٹل

تھا۔ ہصیم نے اسے ایک بار پھر قائل کرنے کی کوشش کی۔

”خواہ مخواہ کی بحث مت کرو۔ تم میرے ساتھ برابر کام کرو گی۔ بس ابتداء مجھے کرنے دو۔“

”تم نے کچھ دیر پہلے کہا تھا نا کہ جو کچھ تم نے درخت کے تنے کو ہاتھ لگا کر محسوس کیا ویسا اس کی جڑوں میں نہیں ہوگا۔“

”وہ تو میں نے محض خیال کیا تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ میرا خیال درست ہو۔“

”تمہارا خیال درست ہو یا غلط اگر میں اس درخت کی کھدائی شروع نہیں کروں گی تو تمہیں بھی نہیں کرنے دوں گی۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم میری بات نہیں مانو گی۔“

”ہرگز نہیں۔“

اس طویل بحث و تکرار کے بعد ہصیم خاموش ہو گیا۔ دوپہر کی تپتی دھوپ میں وہ دونوں اوزار لے کر درخت کی جڑوں کے قریب پہنچے۔

واصلہ نے ہصیم کی طرف دیکھا۔ ”کہاں سے کھدائی کرنی ہے؟“

ہصیم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد ایک مخصوص جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دونوں اس جگہ کے قریب اکٹھے بیٹھ گئے۔

واصلہ مٹی پر اوزار مارنے لگی تو ہصیم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور شیریں لہجے میں بولا۔

”اکٹھے کھدائی شروع کرتے ہیں جھگڑا ختم۔“

واصلہ کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

دونوں نے یک مشت اوزار زمین پر مارا تو دل کو دہلا دینے والی خوفناک غرغراہٹ کی آواز پیدا ہوئی جس کے ساتھ ہی کسی ہوائی چیز نے

کسی خفیف شے کی طرح ان دونوں کو ہوا میں اچھال دیا۔ وہ دونوں درخت سے دور جا گرے۔ زمین میں زلزلے کی سی تھر تھراہٹ کی گونج سنائی دینے

لگی کچھ ہی دیر میں یہ صورت حال زلزلے میں بدل گئی۔

زمین بھیا نک تھر تھراہٹ کے ساتھ ہلنے لگی۔ خوفناک بھونچال کے ساتھ درخت جھولنے لگے جیسے اپنی جگہ سے اکھڑ کے زمین پر آگریں گے۔

ہوا کسی طاغوتی قوتوں کے دباؤ میں ہصیم کا اپنے جسم پر کنٹرول مشکل ہو رہا تھا وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے وہ دور دور



جاگرے۔

گرد آلود ہوا کے غبار میں وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ پا رہے تھے۔ بس انہیں ایک دوسرے کی چیخ دار آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ واصلہ کے لئے خود کو سنبھالنا بہت مشکل ہو رہا تھا وہ شدید زخمی ہو گئی تھی۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی خبر نہیں تھی ہمسیم بلند آواز میں چلا رہا تھا۔

واصلہ اور ہمسیم ایک دوسرے کو تلاش کرنے لگے۔ وہ کافی دیر تک ایک دوسرے کو ڈھونڈ نہ سکے۔ واصلہ ہمسیم کو ڈھونڈتی ہوئی کافی آگے نکل گئی۔

”ہمسیم! تم کہاں ہو؟“ وہ گلوگیر انداز میں چلائی۔ اسے ہمسیم کی آواز سنائی دی جو بہت دور سے آرہی تھی۔ وہ اس آواز کی سمت میں چلنے لگی۔ یہ آواز برگد کے درخت کے پاس سے آرہی تھی۔

”ہمسیم! تم کہاں ہو؟“ وہ چلائی۔

”میں یہاں برگد کے درخت کے پاس کھڑا ہوں۔“ ہمسیم نے جواب دیا۔

واصلہ ایک بار پھر چلائی۔ ”مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔“

ہمسیم پھر چلایا۔ ”تم چلتی رہو میں تم تک پہنچ جاؤں گا۔“

واصلہ ہمسیم کی آواز کی سمت چلتی رہی لیکن سفید غبار میں وہ ایک گرے ہوئے درخت سے ٹکرا گئی اور منہ کے بل گر پڑی۔

عین اسی وقت کوئی اس سے ٹکرایا وہ خوف کے مارے چیخ اٹھی۔

جب اس نے سر اوپر اٹھایا تو ہمسیم اسے سہارا دیئے ہوئے تھا۔ واصلہ نے سکون کا لمبا سانس کھینچا اور اس کی جان میں جان آگئی۔

ہمسیم اور واصلہ ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہوئے برگد کے درخت کے ساتھ پشت لگائے بیٹھ گئے۔

دونوں کی نظریں ایک ہی وقت میں برگد کے درخت کی جڑوں میں پڑے شکاف پر پڑیں۔ درخت کے اس حصے سے زمین کچھ فاصلے تک

دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ زمین کے اس شکاف کی چوڑائی تقریباً بیس فٹ تھی۔ یہ بات ان دونوں کے لئے بہت تعجب کا باعث تھی کہ یہ کس نوعیت کا

زلزلہ تھا۔ دونوں ڈھیلے ڈھالے سے زخمی حالت میں اس شکاف کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شکاف کے کناروں سے سیاہ بالوں والی کوئی چیز دکھائی دی

جیسے سیاہ بالوں والا کوئی جانور ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ شے مزید باہر کو آگئی۔

ہمسیم اور واصلہ مبہوت سے اس طرف دیکھ رہے تھے کہ ان کے حلق سے خوفناک ہچکی نکلی اور جھٹکے سے ان کا سر درخت سے ٹکرا گیا۔ تین

فٹ کا بندر نما انسان نمودار ہوا جس کے جسم پر بندر کی طرح بال تھے لیکن شکل، بگڑے ہوئے نقوش اس قدر بھیانک تھے جیسے کسی مرے ہوئے آدمی کی

خراب ہوئی لاش ہوتی ہے۔

اس عجیب الخلق مخلوق کے باہر آتے ہی اس جیسے ڈھیروں بندر نما انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح شکاف سے باہر نکلنے لگے۔ واصلہ حواس

باختہ ہو کے چیخنے لگی۔ ہمسیم نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔



واصلہ کی چیخ پر وہ سب یک دم ان کی طرف متوجہ ہو گئے ہمسیم نے واصلہ کا ہاتھ پکڑا اور گاڑی کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ دونوں گاڑی کے کافی قریب پہنچ گئے۔ اس عجیب الخلق مخلوق میں سے ایک حیوان نما انسان نے اپنے حلق سے خوفناک آواز نکالی جس کی گونج سینے کو چیر دینے والی تھی۔ فضا ابھی گرد آلود تھی۔

دونوں ہمت کر کے گاڑی کے تھوڑا اور قریب گئے لیکن گاڑی خود سے سٹارٹ ہو چکی تھی اس کی جلتی بجھتی لائٹس اشارہ دے رہی تھیں کہ وہ اب چلنے لگی ہے۔

ہمسیم سفید غبار میں گہری نظروں سے گاڑی کے شیشے کی طرف دیکھنے لگا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر کون ہے گاڑی کس طرح سٹارٹ ہو گئی ہے۔ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ گاڑی اپنی پوری رفتار سے ان کی طرف بڑھی۔ اپنی جان بچاتے ہوئے وہ اسی طرف بھاگنے لگے جہاں سے وہ بھاگے تھے۔ بالآخر وہ برگد کے درخت کے قریب جا گرے۔ گاڑی رک گئی۔ ہمسیم نے گاڑی کی طرف دیکھا گاڑی میں کوئی نہیں تھا۔

ہمسیم اور واصلہ نے کھڑے ہوتے ہوئے شکاف کے اندر جھانکا تو انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ بند آنکھوں میں ان کے پوٹے کانپ رہے تھے۔ شکاف کے اندر سرنگ نما راستے تھے جن میں انسانی جسم کے مختلف اعضاء بکھرے پڑے تھے یعنی وہ حیوان نما انسان، مردے کھاتے تھے۔ اب وہ دونوں اس عجیب الخلق مخلوق کے گھیرے میں تھے۔ جن کی شکل و شباهت اس قدر بھیانک تھی کہ ہمسیم اور واصلہ نظر اٹھا کے اپنے ارد گرد نہیں دیکھ رہے تھے۔ اب بچ کے نکلنے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ وہ مافوق الفطرت مخلوق ان کی طرف بڑھنے لگی۔ ان دونوں کو اب اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا لیکن ہمسیم کے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی وہ انتہائی تیزی سے اپنے ارد گرد، اوپر نیچے دیکھنے لگا۔ اسے اپنے لاشعور سے کوئی آوازی ابھرتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بلند آواز میں چلایا۔

”مجھے اس کتاب کا پتہ بتانے والے اب مجھے اس مشکل سے بھی نکال۔“

یہ کہتے ہی اس کا ہاتھ بے اختیار درخت کی چھال سے جا لگا۔

چھال کو ہاتھ لگاتے ہی اسے علیشہ کا باپ دکھائی دینے لگا جو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑا تھا۔ ان لمحوں میں ہمسیم نے اسی خوشبو کو محسوس کیا جو ہمیشہ اس نورانی جسم کے نمودار ہونے پر محسوس ہوتی تھی جو کسی نہ کسی شکل میں ان کی مدد کرتا تھا اور یہ چھپا ہوا ہمدردان کے لئے ایک پہلی بن کے رہ گیا تھا۔ لیکن اب یہ پہلی سلبھنے لگی تھی۔

علیشہ کے باپ نے اپنا ہاتھ ہوا میں اکڑا لیا اور بلند آواز میں چلایا۔

”تمہارا کتاب ڈھونڈنے کا طریقہ غلط تھا۔ تمہارے بچنے کا صرف ایک ہی رستہ ہے اس شکاف میں دونوں کو دجاؤ کچھ مت سوچنا۔“

اس بات کے ختم ہوتے ہی ہمسیم کے ہاتھ میں جلن محسوس ہوئی اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

بھیانک مخلوق ان دونوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہمسیم کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ بزرگ کی بات مانے یا نہ مانے لیکن یہاں کھڑا رہنا بھی موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا۔



اب بھیانک مخلوق ان دونوں سے چند قدم کے فاصلے پر تھی۔ دونوں مکمل طور پر ان کے گھیرے میں تھے۔ اس سے پہلے کہ بھیانک مخلوق دونوں کو اپنے قبضے میں کر لے۔ ہمسیم نے واصلہ کا ہاتھ پکڑا اور کچھ سوچے بغیر شگاف کی گہری کھائی میں چھلانگ لگا دی۔ دونوں کی چیخیں فضا میں گونج اٹھیں۔ دونوں عین اسی جگہ گرے جہاں مردہ انسانی جسموں کے مختلف اعضاء بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں پر کئی گہری خراشیں آئیں جن سے خون رسنے لگا۔ اپنے آس پاس مختلف انسانی اعضاء بکھرے دیکھ کے واصلہ کا جسم تھر تھرا کانپ رہا تھا۔ وہ بدحواسی میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمسیم کی طرف دیکھنے لگی۔ ”یہ تم نے کیا کیا خود ہی موت کے منہ میں آگئے۔“

ہمسیم نے واصلہ کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ زمین کی دونوں تہوں میں رستہ ڈھونڈنے لگا اسے ایک سرنگ صاف صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے واصلہ سے بولا۔ ”چلو جلدی سے اس سرنگ میں داخل ہو جاؤ۔“

”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“ واصلہ گھبراہٹ میں بولی۔

”میں جیسا کہتا ہوں ویسا کرو۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔“ ہمسیم چلا رہا تھا۔

واصلہ کا نپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تو اس سرنگ کا راستہ کون سا زندگی کی طرف جاتا ہے۔ یہ بھی تو موت کی طرف لے جائے گا۔“

ہمسیم نے واصلہ کی نمی سے بھری آنکھوں میں جھانکا۔ اس نے اس کے کانپتے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ اس نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

”تمہیں میرے ساتھ ہی جینا مرنا ہے نا؟“

واصلہ نے اثبات میں سر ہلایا تو اس کی آنکھوں سے آنسو اس کے چہرے پر چھلک پڑے۔

ہمسیم ریگنے والے جانور کی طرح سرنگ میں داخل ہو گیا۔ واصلہ بھی ریگنے والے جانور کی طرح سرنگ میں داخل ہو گئی۔ اور اس کے پیچھے پیچھے ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل زمین پر ریگنے لگی۔

اس تاریک سرنگ میں ان کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے نہ جانے کس لمحے انہیں موت کا سامنا ہو جائے۔

سرنگ پائپ لائن کی طرح تنگ تھی۔ ہمسیم کو اپنے پیچھے پیچھے آتی ہوئی واصلہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بار بار پیچھے مڑ کر واصلہ کو پکارتا واصلہ کا جواب سن کے اس کو تسلی ہو جاتی۔

واصلہ سہمی سہمی بمشکل آگے بڑھ رہی تھی کہ اس کا ہاتھ کسی نرم چیز پر ڈھنس گیا۔ اس نے اپنا ہاتھ ذرا پیچھے کیا تو اسے اپنا ہاتھ کسی انسانی ہاتھ کی گرفت میں محسوس ہوا۔ وہ بدحواسی میں چیخنے لگی۔

اس سے اتنا نہ ہوسکا کہ وہ اپنا ہاتھ پیچھے کر لے۔ ہمسیم اس کی طرف پلٹا۔

”کیا ہوا واصلہ؟“

واصلہ کے حلق سے صرف چیخیں نکل رہی تھیں وہ کچھ بول نہ پا رہی تھی۔

”بتاؤ واصلہ تمہیں کیا ہوا ہے۔ اس قدر اندھیرے میں میں تمہیں دیکھ بھی نہیں سکتا۔ بتاؤ واصلہ۔“ ہمسیم انتہائی پریشانی میں بول رہا تھا۔



واصلہ کا پتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”میرا ہاتھ۔“

ہصیم زمین ٹٹولتا ہوا اس کا ہاتھ ڈھونڈنے لگا۔ ہصیم نے اس کے بائیں ہاتھ کو چھوا..... تو واصلہ گلوگیر لہجے میں چلائی۔ ”دوسرے ہاتھ میں.....“

ہصیم نے اس کے دوسرے ہاتھ کو چھونا چاہا تو اس کا ہاتھ اسی انسانی ہاتھ سے ٹکرا گیا جس کی گرفت میں واصلہ کا ہاتھ تھا۔

ہصیم نے جھٹکے سے اس ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے مارا وہ ہاتھ اچھل کے دیوار سے جا ٹکرایا۔

گویا کہ وہ صرف ہاتھ ہی تھا جو کسی انسانی لاش سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ ہصیم واصلہ کے بالوں کو سہلاتے ہوئے اسے حوصلہ دینے لگا۔ ”وہ کوئی بلا نہیں تھی ہمارے جیسے کسی انسان کا ٹوٹا ہوا ہاتھ تھا۔“

واصلہ کا جسم ابھی تک کانپ رہا تھا۔

”آؤ پہلے کی طرح میرے پیچھے پیچھے۔“ ہصیم نے واصلہ سے کہا۔

واصلہ اس کے پیچھے پیچھے اس پاپ نما اندھیرے سرنگ میں ریگنے لگی۔

سرنگ میں کافی دور تک ریگنے کے بعد وہ سرنگ مزید تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ دونوں سرنگ کے کنارے پر جہاں سے سرنگ تقسیم ہوتی تھی، بیٹھ کے لمبے لمبے سانس لینے لگے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو وہ ہنس دیئے۔ دونوں کے چہروں پر سیاہ کالک جمی ہوئی تھی۔

واصلہ نے سرنگ کے تینوں رستوں کی طرف دیکھا۔ ”یہ کیسے پتہ چلے گا کہ ہمیں کس رستے میں داخل ہونا ہے۔ یہاں تو تین رستے ہیں۔“

ہصیم نے لمبا سانس کھینچا۔ ”ہاں! اب کیا کریں۔“ وہ جبیں پیمائی کرنے لگا۔ واصلہ ہصیم کی کی طرف دیکھنے لگی۔

ہصیم نے اس کی نظروں کو پڑھنا چاہا۔ ”کیا سوچ رہی ہو؟“

واصلہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ ”کتنا اچھا ہوتا اگر ہم اس مشن میں کامیاب ہو جاتے۔ میں ابھی بھی مایوس نہیں ہوں۔ آنے والے وقت

کے بارے میں کون جان سکتا ہے۔“

”تمہاری بات بھی ٹھیک ہے لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔“

”کس بات کا؟“

”تم نے مجھ سے پہلے نہیں مرنا۔“

واصلہ کی بات پر ہصیم ہنسنے لگا۔ ”کیا پاگلوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔“

وہ باتیں کر رہے تھے کہ عجیب سی آوازیں ان کے کانوں سے ٹکرائیں جیسے تین چار لوگ اس سرنگ میں انہی کی طرح ریگ رہے ہوں۔

سنسناہٹ کے ایک جھٹکے سے ان کے جسم کانپ کے رہ گئے۔

وہ دونوں سرنگ کے تینوں رستوں کی طرف بوکھلائے بوکھلائے دیکھنے لگے۔

جس جگہ وہ بیٹھے تھے یہاں کچھ کچھ روشنی تھی نہ جانے یہ روشنی کہاں سے آرہی تھی۔ سرنگ سے آنے والی آوازیں قریب تر ہونے لگیں۔



واصلہ نے پریشانی سے ہصیم کی طرف دیکھا۔ ”اب کیا کریں، ہو سکتا ہے کہ خوفناک حیوان نما انسان اس سرنگ میں داخل ہو گئے ہوں۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں۔“

”چلو کسی بھی رستے میں داخل ہو جاتے ہیں۔“

”نہیں! یہ غلطی نہیں کرنی۔“ ہصیم نے کہا۔

واصلہ کی پریشانی پسینے سے تر ہو گئی۔ ”سنو، یہ آوازیں بہت قریب سے آتی محسوس ہو رہی ہیں اگر وہ بھیانک مخلوق ہم تک پہنچ گئی تو ہماری لاشوں کے اعضاء بھی اسی طرح اس سرنگ میں بکھرے ہوں گے۔ تم نے کیا سوچ کے اس سرنگ میں چھلانگ لگائی۔“

ہصیم چڑ کے بولا۔ ”یہ بحث کرنے کا وقت نہیں ہے۔“

”آخر تم کیا سوچ رہے ہو، کسی بھی سرنگ میں داخل ہو جاتے ہیں۔“ واصلہ نے ایک بار پھر تجویز دی۔

”میں کیا سوچ رہا ہوں۔ یہ اس وقت نہیں بتا سکتا۔“

”میں اس وقت واقعی تمہیں نہیں سمجھ پا رہی۔“ واصلہ کا موڈ خاصا خراب ہو گیا۔

ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”خدا پر بھروسہ رکھو۔“

آوازیں مزید نمایاں ہو گئیں۔ گویا کہ وہ مخلوق ان کے بہت قریب آ گئی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ ہی دیر بعد ان دونوں کا بھیانک مخلوق سے سامنا ہو جائے گا۔

ان لمحوں میں ان کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ پورے بدن میں خوف کی تھر تھراہٹ محسوس ہونے لگی۔ عین اسی وقت سرنگ کے تین راستوں میں سے ایک راستے میں کسی نے دیا روشن کر دیا۔ دونوں کی نظریں اکٹھی اس دیے پر پڑیں۔ واصلہ نے تعجب سے ہصیم کی طرف دیکھا۔ ہصیم نے امید بھری نظروں سے دیے کی طرف دیکھا۔ ”ہمیں اشارہ ملا ہے کہ ہمیں اسی رستے کی طرف جانا چاہئے۔“

ہصیم کی بات سن کے واصلہ اس کے ساتھ اس رستے میں داخل ہو گئی۔ کچھ دیر تک ریٹگنے کے بعد وہ رستہ دشوار گزار ہو گیا۔

وہ دونوں ریٹگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کیونکہ یہ راستہ بھی پہلے رستے کی طرح تھا لیکن نوکدار پتھروں، غیر ہموار زمین کے باعث انہیں آگے بڑھنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔ دونوں کا بدن جگہ جگہ سے چھل گیا تھا۔ ہاتھ اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ ان سے خون رسنے لگا تھا لیکن وہ دونوں زخموں کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے بلند حوصلے انہیں تکلیف برداشت کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔

☆=====☆=====☆

ادھر جاسم اور ملائکہ اندھیری کوٹھری میں بیٹھے زمین پر کندہ کئے ہوئے اس نشان کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

ان کا ہر لمحہ موت کے احساس سے لبریز تھا۔ کب کوئی بھیانک مخلوق ان کی موت بن کے ان کے سامنے آ جائے۔ ”جاسم! تم نے کہا کہ یہ مخصوص نشان وہ اپنے آگے دیوتا کی پرستش میں استعمال کرتے تھے تو تم اس نشان سے کیا سمجھتے ہو۔ یہاں زمین کے نیچے کچھ ہوگا۔“ ملائکہ نے جاسم سے کہا۔ جاسم کچھ دیر کے لئے سوچ میں پڑ گیا۔



پھر اس نے ملائکہ کی طرف دیکھا۔ ”میں جس راستے اس جگہ پر پہنچا ہوں وہاں یہی نشان تھا وہاں دو قبریں تھیں۔ ایک قبر میں میں نے خود کو دفن کر لیا تھا۔“

ملائکہ چونک پڑی۔ ”یہ تم نے کیسے کر لیا۔ کیا تم خودکشی کرنا چاہتے تھے۔“

جاسم نے گہرے لہجے میں کہا۔ ”ایک جنون تھا۔ شارزہ تک پہنچنے کا جنون۔ مجھے یہ گمان تھا کہ وہ انسانوں کی دنیا میں نہیں ہوگی۔ اس دیوانگی میں جو میرے دل میں آیا میں نے کر لیا۔ دفن ہونے کے بعد میں نے موت کو اس قدر قریب سے دیکھا کہ میں اپنے زندہ رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایڑیاں رگڑ رگڑ کے اپنی جان دے رہا تھا۔ عین اسی وقت جب زندگی اور موت میں چند لمحوں کا وقفہ رہ گیا کسی غیبی طاقت نے میری مدد کی اور میں اس پر اسرار جگہ پہنچ گیا۔“

ملائکہ نے جاسم کی بات سنی تو اس نے حیرت سے ڈوبی ہوئی نظروں سے جاسم کی طرف دیکھا۔

”تمہارے اندر تو بہت حوصلہ ہے جو تم نے کیا یہ کوئی عام انسان نہیں کر سکتا۔“

جاسم ملائکہ کے تھوڑا اور قریب ہو گیا۔ اس نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

”اگر میں تم سے ایسا کرنے کے لئے کہوں تو ایسا کر سکوگی۔“

”نن..... نن..... نہیں میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں۔ میں ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔“

ملائکہ نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔

جاسم نے ارد گرد دیکھتے ہوئے ملائکہ سے کہا۔

”مجھے نہیں لگتا کہ ان بدروحوں کی کمزوری آگ ہے۔ میرا خیال ہے کہ کوئی ایسا وقت ہے جب یہ آگ ان بدروحوں کی کمزوری بن جاتی

ہے۔ ہر وقت ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”ہم یہاں غیر محفوظ ہیں۔ ہمارے پاس ایسی کوئی جادوئی طاقت بھی نہیں ہے جس سے ہم ان بدروحوں کا مقابلہ کر سکیں۔“

ملائکہ خوف سے لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”تو ہم کیا کریں۔“

”جہاں یہ نشان ہے وہاں سے زمین کھودتے ہیں۔ یہ کچی زمین ہے۔ اسے کھودنا بہت آسان ہے۔“ جاسم نے ملائکہ سے کہا۔

”زمین کھودنے سے تمہارا کیا مقصد ہے۔ تم کیا دیکھنا چاہتے ہو؟“ ملائکہ اس نشان کے قریب بیٹھ گئی۔

جاسم ملائکہ سے بہت بڑی بات کہنا چاہ رہا تھا لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ بات اس سے کیسے کہے۔

وہ اسے ہاتھ کے اشارے سے کچھ سمجھانے لگا مگر خاموش ہو گیا۔

ملائکہ نے اس کی ہچکچاہٹ جانچتے ہوئے کہا۔ ”کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”سمجھ نہیں آ رہا کہ کس طرح تمہیں سمجھاؤں۔“



”تم کہو تو سہی۔ میں سمجھ جاؤں گی۔“

ملائکہ کی اس بات پر جاسم نے اس سے بات شروع کی۔

”اگر ہم یہاں رہے تو ہماری موت یقینی ہے۔ یہ تو تم جانتی ہونا۔“ جاسم نے کہا۔

”ہاں! جانتی ہوں۔“

”تو کیوں نہ ہم زندگی اور موت کا جوا کھیل لیں۔“

”کیا مطلب؟“

”خود کو اس زمین کے نیچے دفن کر لیتے ہیں اور اس غیبی مددگار سے مدد مانگتے ہیں جو کسی نہ کسی شکل میں ہماری مدد کرتا ہے۔“

جاسم کی یہ بات سن کر ملائکہ کھڑی ہو گئی۔ ”نہیں ہرگز نہیں میں ایسا نہیں کر سکتی۔“

”ٹھیک ہے تم ادھر ہی رہو میں اکیلا یہ عمل کر لیتا ہوں۔“ یہ کہہ کر جاسم زمین کھودنے لگا۔ ملائکہ بھی زمین کھودنے میں اس کی مدد کرنے

لگی۔ جاسم نے اپنے لئے قبر کھود لی۔

ملائکہ نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”اس جگہ کو اتنا ہی اور بڑا کر لو۔“

”کیا مطلب؟“ جاسم نے تعجب سے ملائکہ کی طرف دیکھا۔

”ہم دونوں ایک ہی قبر میں جائیں گے۔ جی نہ سکے تو اکٹھے مرنے تو جائیں گے۔“ یہ بات کہتے ہوئے ملائکہ کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

جاسم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اس کے حوصلے کی داد دی۔

دونوں مل کر جگہ کھودنے لگے۔ ملائکہ لکڑی کے ایک ٹکڑے سے جگہ کھود رہی تھی کہ اس کا ہاتھ جھٹکے سے زمین کے اندر چلا گیا۔ اس کے حلق

سے چیخ نکل گئی۔

جاسم نے اسے شانوں سے پکڑا اور اس کا ہاتھ پیچھے کی طرف کھینچا۔ جس جگہ سے اس نے ملائکہ کا بازو کھینچا وہاں سوراخ بن گیا تھا۔

جاسم نے اس سوراخ کی طرف دیکھتے ہوئے ملائکہ کی طرف دیکھا۔ ملائکہ نے جاسم کے منہ کی بات کہہ دی۔ ”لگتا ہے یہاں کوئی راستہ ہے۔“

”ہاں مجھے بھی ایسا لگ رہا ہے۔“ یہ کہہ کے جاسم اس سوراخ کو قریب سے دیکھنے لگا۔

سوراخ سے کسی پائپ لائن کی طرح گول سرنگ دکھائی دے رہی تھی۔

جاسم جو شیلے لہجے میں بولا۔ ”ہاں ملائکہ یہاں سرنگ ہے شاید ہم اس رستے کے ذریعے یہاں سے باہر نکل سکیں۔“ ان دونوں نے مل کر

اس جگہ سے مٹی نکالی۔

اب سرنگ ان کے سامنے تھی۔ جاسم نے ملائکہ کی طرف دیکھا۔ ”خدا کا نام لے کر اس سرنگ میں داخل ہو جاتے ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

”کوئی نہ کوئی رسک تو لینا ہوگا۔“ ملائکہ نے جاسم کے جواب میں کہا۔ دونوں جانوروں کی طرح ریٹکتے ہوئے سرنگ میں داخل ہو گئے۔



جاسم تو بہت حوصلے سے سرنگ سے گزر رہا تھا لیکن ملائکہ کی طبیعت بگڑ رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اسے دم کشی کی شکایت ہونے لگی۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں ڈھیر ہو گئی۔ جاسم نے اسے اپنے پیچھے نہ پا کر اسے پکارنا شروع کر دیا۔

”ملائکہ ہمت کرو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔“ ملائکہ کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی جاسم بمشکل واپس مڑتے ہوئے اس کے قریب آیا۔

وہ زمین پر بے سدھ گری ہوئی تھی۔ جاسم نے اس کے چہرے کو تھپتھپایا۔ ”ملائکہ کچھ بتاؤ تو سہی کیا ہو گیا ہے تمہیں۔“

ملائکہ کے ہونٹ کانپ رہے تھے لیکن وہ کچھ بول نہ پا رہی تھی۔ جاسم نے اسے اپنی طرف کھینچا۔

”پلیز ملائکہ تھوڑا سا حوصلہ کرو۔ تم نے تو مجھے حوصلہ دیا تھا اور اب خود حوصلہ چھوڑ دیا ہے۔“ اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ وہ بہ مشکل بولی۔

”پپ..... پاپا..... پانی“ جاسم کی آنکھیں بھر آئیں۔

”ملائکہ تم جانتی ہو کہ ہم مردوں کی دنیا میں ہیں اور یہاں جیتے جاگتے انسانوں کے لئے کچھ کیسے مل سکتا ہے۔ ہمارے جسموں میں دوڑتی

یہ سانسیں نہ جانے کب ختم ہو جائیں۔ تھوڑا اور برداشت کر لو شاید ہمیں یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ مل جائے۔“

ملائکہ نے جاسم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو کسی اُن کہے جذبے کی سروش نے اس کے دل پر دستک دی۔ جیسے کسی نے اسے آہستگی سے چھو

کر کہہ دیا ہو کہ کوئی اسے چاہنے لگا ہے۔

موت کے ساحل پر وفا کے اس جھروکے نے ملائکہ کے دل میں ہلچل سی مچا دی۔ اس نے لمبا سانس کھینچتے ہوئے کہا۔ ”کاش ہم یہاں سے

نکل سکیں۔“

ابھی یہ الفاظ ملائکہ کی زبان سے ادا ہی ہوئے تھے کہ کہیں سے تیز روشنی اندھیرے کو چیرتی ہوئی ان کی آنکھوں سے نکرائی۔ ان کی آنکھیں

چندھیا گئیں۔ وہ تکلیف سے چلا اٹھے اس کے بعد جیسے کسی بلند پہاڑی سے کسی نے انہیں دھکا دے دیا ہو۔ ان کے ہاتھ ایک دوسرے سے چھوٹ گئے

اور وہ کسی گہری کھائی میں گرتے چلے گئے۔ انہیں ہوش تب آیا جب وہ جھلملاتے پانی کی نہر میں گرے۔ پانی میں بھیگنے کے بعد وہ خوشی سے چلا اٹھے۔

وہ چمکدار ٹھنڈے پانی میں زور زور سے ہاتھ مار کے اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگے۔

پانی کی سطح اتنی گہری نہیں تھی کہ جس میں ڈوبنے کا خطرہ ہو۔ دونوں نے ارد گرد نظر دوڑائی تو اس نہر کے کناروں پر پھلدار درخت تھے

جہاں مختلف فاصلوں پر مشعلیں سلگ رہی تھیں لیکن چاند یا سورج یہاں بھی نہیں تھے۔ یہ بھی اندھیروں میں ڈوبی ہوئی کوئی جادوئی جگہ تھی لیکن روشن

مشعلیں اس بات کی علامت تھیں کہ یہاں کوئی رہتا ہے۔ دونوں نے پانی پی کر اپنا خشک حلق تر کیا اور دونوں نہر کے کنارے چلنے لگے۔

انہوں نے سیب کے درخت سے کچھ سیب لئے اور ایک درخت کے قریب بیٹھ کے سیب کھانے لگے۔

دونوں تھکاوٹ اور بھوک سے نڈھال تھے۔ انہیں کچھ خوراک ملی تو ان کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کی آنکھ لگ گئی۔





ہمسیم اور واصلہ دشوار گزار سرنگ میں سے گزرنے کے بعد ایک غار میں داخل ہو گئے۔ اس غار میں جلتی مشعلوں کی سرخی مائل روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

یہ غار موڑ دار زمینوں سے ہوتی ہوئی چھوٹے اور بڑے حصوں پر مشتمل تھی۔ بالکل ایسے جیسے یہ کسی کا گھر ہو اور تعجب خیز بات یہ تھی کہ یہ سب کچھ بہت مہارت سے کچی مٹی سے ہی بنا ہوا تھا۔

واصلہ نے اپنے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہمسیم یہ ہم کہاں آ گئے ہیں، مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔ یقیناً یہاں کوئی رہتا ہوگا۔“  
ہمسیم نے بھی چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ”یہ جگہ واقعی بہت پراسرار ہے۔ یہ خیال میرے ذہن میں سرسرا رہا ہے کہ نہ جانے اس جگہ ہمارا سامنا کس مخلوق سے ہوگا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو ہمیں یہاں کچھ ڈھونڈنا ہے۔“ یہ کہہ کے ہمسیم نے واصلہ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں غار کے پیچدار راستوں سے گزرتے ہوئے غار کے مختلف حصوں کا جائزہ لینے لگے۔ کان کا ہر حصہ روشن تھا۔ غار کے مختلف حصوں سے گزرتے ہوئے دونوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے رکھا۔  
دونوں غار کے ایک تنگ سے حصے میں داخل ہو گئے جہاں بمشکل دو ہی انسان کھڑے ہو سکتے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تو دونوں ہنس دیئے۔ اُن کے چہرے مٹی سے اُٹے ہوئے تھے۔

ہمسیم نے اپنے اور واصلہ کے چہرے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت تو اس سرنگ میں ہم دونوں ہی بھوت ہیں۔“  
”ادھر جان کو بنی ہے اور تمہیں مذاق سوچ رہا ہے۔“

یہ کہتے ہوئے واصلہ نے دیوار پر ہاتھ رکھا تو اُس کو دیوار پر کوئی دراڑی محسوس ہوئی۔  
وہ دیوار کو چھوتے ہوئے دراڑ کو دیکھنے لگی۔ یہ دراڑ زمین تک تھی بالکل کسی دروازے کی طرح۔  
واصلہ نے ہمسیم کی طرف دیکھا۔ ”یہ دیکھو ہمسیم! ضرور یہاں کچھ ہے۔“

ہمسیم نے دیوار کو چھوا تو دیوار خود بخود دو حصوں میں کھل گئی۔  
دیوار کے پیچھے چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جہاں ایک بڑے سے پتھر پر ایک لکڑی کا بکس تھا۔  
ہمسیم نے لکڑی کا ڈبہ اٹھایا جو نہی وہ دونوں کوٹھڑی سے باہر نکلے۔ کھلی ہوئی دیوار آپس میں دوبارہ مل گئی۔  
دونوں ڈبہ لے کر غار کے کھلے حصے میں آ گئے۔ جہاں مشعلوں کی روشنی خاصی نمایاں تھی۔  
دونوں آلتی پالتی مار کے زمین پر بیٹھ گئے۔

ہمسیم نے ڈبہ کھولنا چاہا تو ڈبہ اُس سے نہیں کھلا۔

”ادھر مجھے دکھاؤ۔“ واصلہ نے کہا۔



ہصیم نے ڈبہ واصلہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

واصلہ ڈبے کا بغور جائزہ لینے لگی۔

ڈبے میں ایسا کوئی لاک نہیں تھا جس سے ڈبہ بند کیا گیا ہو۔

”لگتا ہے پڑے پڑے یہ جامد ہو گیا ہے۔“ ہصیم نے کہا۔

”مجھے ایسا نہیں لگتا۔ اسے کھولنے کا کوئی خاص طریقہ ہوگا جو ہمیں پتہ نہیں چل رہا۔“

واصلہ نے مرلے نما ڈبے کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے کہا۔

ہصیم نے واصلہ سے ڈبہ لے لیا اور اسے الٹا سیدھا کرتے ہوئے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ڈبہ نہیں کھلا۔

واصلہ نے اپنی انگشت سے ڈبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہصیم! اس ڈبے کے اوپر کچھ لکھا بھی ہوا ہے۔“

ہصیم نے سر ہلایا۔ ”ہاں کچھ لکھا تو ہے لیکن اس قدر مدہم ہے کہ پڑھا نہیں جاسکتا۔“

واصلہ ڈبے پر لکھی سطروں پر انگلی پھیرنے لگی۔ جونہی اس نے آخری سطر پر انگلی پھیری، ڈبہ خود بخود کھل گیا۔

”شکر ہے ڈبہ کھل گیا۔“ ہصیم نے یہ کہہ کے ڈبہ کھولا تو اس کے اندر ایک کتاب تھی۔

واصلہ نے کتاب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لگتا ہے کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں ہے۔“

ہصیم نے کتاب اپنے ہاتھ میں لے لی۔

”شاید یہ وہی کتاب ہے جو میں نے علیشہ کے باپ کے ہاتھ میں دیکھی تھی۔“ یہ کہہ کے ہصیم نے کتاب کھولی۔

کتاب کا پہلا صفحہ بالکل صاف تھا۔ جونہی اس کی نظر دوسرے صفحے پر پڑی۔ وہ جیسے کسی دروازے میں داخل ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے لئے جھرجھری کی ایک لہر اس کے جسم سے گزر گئی۔ جس نے کچھ دیر کے لئے اسے ارد گرد کے ماحول سے بے خبر کر دیا۔

اُس کے ذہن کی پردہ سکرین پر جیسے کوئی فلم چلنے والی تھی۔ ہصیم نے اپنے چکراتے ہوئے سر کو جھٹکا دیا تو واصلہ نے اُس کے بازوؤں پر

ہاتھ رکھا۔

”کیا محسوس کر رہے ہو؟.....“

”کچھ بھی محسوس کروں۔ یہ کتاب تو ہر حال میں پڑھنی ہے۔“ یہ کہہ کے ہصیم نے صفحہ پلٹا۔

یہ صفحات اسی مخصوص زبان میں لکھے گئے تھے جو علیشہ کی ”ممی“ کے بکس پر لکھی تھی۔

ہصیم نے صفحات پڑھنا شروع کئے۔ کتاب پڑھتے پڑھتے اس نے تعجب بھرے انداز میں اپنے سر کو ہلایا۔

”یہ صفحات میں پہلے بھی پڑھ چکا ہوں۔“



واصلہ نے مبہوت نظروں سے ہصیم کی طرف دیکھا۔

”تم نے یہ کتاب یہ صفحات کہاں پڑھے؟“

ہصیم نے ایک لمبا سانس کھینچا۔ اس کا ذہن حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔ ”یہ صفحات میں نے اس وقت پڑھے تھے جب میں چار ہزار سال پہلے وقت کا مسافر تھا۔ اس کتاب کے کاتب کو اپنی آنکھوں سے یہ کتاب لکھتے دیکھا ہے۔ وہی بزرگ جس نے یہ کتاب لکھی۔ میرے ہر سفر میں میرا ہمسفر رہا ہے جس کی موجودگی کو ہم نے کئی مرتبہ محسوس کیا لیکن کبھی اسے دیکھ نہیں پائے۔“

”تم کس بزرگ کی بات کر رہے ہو؟“

”میں اسی بزرگ کی بات کر رہا ہوں جس نے کسی نہ کسی شکل میں ہماری کئی بار مدد کی ہے۔ اس جگہ بھی ہم اس بزرگ کے اشاروں کی وجہ سے پہنچے ہیں۔ وہ علیشہ کے والد تھے۔ اس بزرگ کی طاقتوں کا دائرہ اختیار ان شیطانی طاقتوں کی پراسرار قوتوں سے بہت کم ہے۔“ ہصیم کی بات سن کے واصلہ نے اسے کتاب پڑھنے کے لئے کہا۔

ہصیم کتاب کے صفحات پلٹنے لگا۔ اس نے کتاب پڑھنا شروع کی۔ ”میری بیٹی علیشہ جیسی خوبصورت اور سلیقہ شعار لڑکی اس پوری بستی میں نہیں ہے۔ کرم ہے میرے دیوتا کا جس نے اس لڑکی کی شکل میں میری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا ہے۔“ شروع کے چند صفحات علیشہ کے بارے میں ہی تھے۔ جس میں اُس کی خوبیوں کا ذکر تھا۔ پھر گاؤں کے وحشیانہ رواجوں کا ذکر آگیا۔ گاؤں کے یہ آتش پرست لوگ کالے جادو کے ٹونوں اور مذہب کے نام پر بدکاریوں میں مصروف تھے۔ شراب کو وہ اپنے بھگوان کی طرف سے پر ساد سمجھتے تھے۔ نشے نے ان کی ذہنی حالت اس قدر خراب کر دی تھی کہ ان کے ذہنوں پر ودھات جیسا شیطان حکومت کرتا تھا۔

اس نے جوانی کی عمر میں ہی کالے جادو جیسے پراسرار علم میں اس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ کئی آسیب، خطرناک ہوائی مخلوقات اس کی غلامی میں تھے۔ گاؤں والوں کا مشکل سے مشکل مسئلہ وہ اپنے جنات کے ذریعے حل کروا دیتا تھا۔ اس لئے گاؤں والے اسی کو اپنا مشکل کشا سمجھتے تھے لیکن وہ شیطان انسانیت کا سب سے بڑا دشمن تھا۔

کتاب میں عامل کا ذکر پڑھتے ہوئے ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔

”میں اس عامل سے بھی ملاتا تھا، چار ہزار سال پہلے کے دور میں لیکن اب یہ عامل ایک بھیا تک بدروح کی شکل میں علیشہ کے ساتھ ساتھ موجود ہے۔“

یہ کہہ کے ہصیم نے دوبارہ کتاب پڑھنا شروع کی۔

”کسی قسم کا بھی طوفان آجائے تو اسے آگ دیوتا کی ناراضگی کا سبب مانتے ہوئے ایک خاص رسم کے تحت کنواری لڑکیوں کے سر قلم کر کے انہیں دیوتا کی نذر کر دیا جاتا۔ وہ خیال کرتے کہ انہوں نے آگ دیوتا کی طرف سے نازل ہونے والے کسی عذاب سے چھٹکارا پالیا ہے۔ ودھات نے تجربے کرتا رہتا۔ جس سے اپنی شیطانی شکلیوں کو بڑھا سکے۔ وہ کئی مہینوں لاوارث لاشوں پر اپنے شیطانی عملوں کے تجربے کرتا رہا۔ جب وہ خراب ہونے



لگتی تو انہیں جلا کر ان کا کریا کرم کر دیتا۔ اس کا یہ عمل گاؤں میں بے چین روحوں کو مکتی دلوانے کے نام سے مشہور تھا۔ کئی کنال میں پھیلی ہوئی حویلی میں وہ اکیلا رہتا تھا۔ گاؤں کے لوگ خیال کرتے تھے کہ ودھات پر دیوتا کا خاص کرم ہے۔ لوگوں کے اعتقاد کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ موت کا بھیا نک کھیل رہا تھا۔ گاؤں میں شاید میں واحد شخص تھا جو اس کی حقیقت جانتا تھا لیکن میری بات پر کوئی غار دھرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس شیطان عامل کا گھر گاؤں کی آبادی سے دور کسی ویران جگہ پر تھا۔ جہاں دور دور تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ علیشہ اور میں اپنے کچے صحن میں چار پائیاں بچھائے لیٹے ہوئے تھے۔ علیشہ تو گہری نیند سو رہی تھی لیکن میں گرمی کی اس ٹھنڈی رات میں آسمان پر جگمگاتے ستاروں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میرے دماغ میں سوچوں سے انتشار برپا تھا۔

آج دوپہر کو گاؤں میں ایک نوجوان کی موت ہوئی وہ جرائم پیشہ تھا۔ اس کو کسی نے قتل کر دیا۔ اس کے گھر والے اس سوچ کے تحت کہ اس کی روح بھٹکتی نہ رہے۔ ان کی سوچ کے مطابق اگر کوئی شخص قتل ہو جائے اور اس کا قاتل نہ پکڑا جائے تو مرنے والے کی روح کو مکتی نہیں ملتی اور وہ بھیا نک روپ دھار کے بھٹکتی رہتی ہے۔

مرنے والے کے گھر والے روتے پیٹتے لاش کو ودھات کی حویلی میں چھوڑ آئے کہ وہ اس کا کریا کرم کر دے۔ یہ کام وہ اکیلے ہی کرتا تھا۔ اس کی حویلی میں کسی کو بھی ٹھہرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اور یہی خیال مجھے سونے نہیں دے رہا تھا وہ کیا کر رہا ہوگا۔ اسے کسی طرح دیکھنا چاہئے کہ وہ مردے کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے علیشہ کی طرف دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے مشعل اٹھائی اور اپنی تلوار اٹھانے کے لئے کمرے میں گیا۔ غلطی سے گھرے کے اوپر ڈھانپی ہوئی مٹی کی کٹوری پر میرا ہاتھ لگ گیا۔

کٹوری زمین پر گر کے چکنا چور ہو گئی۔

علیشہ گھبرائی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ ”بابا! کیا ہوا.....“

علیشہ کی آواز سنتے ہی میں نے تلوار چھپا دی۔ وہ دوڑتی ہوئی میرے پاس آئی۔ ”بابا کیا بات ہے۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“

میں حلق تر کرتے ہوئے بولا۔ ”پاس لگی تھی۔“

علیشہ نے ٹوٹی ہوئی کٹوری کے ٹکڑے اکٹھے کر کے پھینکے اور باورچی خانے سے دوسرا برتن اٹھا کے لائی۔ اس نے مجھے پانی پلایا اور میرا بستر ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

”چلیں آئیں۔ اب آپ آرام سے سو جائیں۔“

میں اپنے بستر پر لیٹ گیا اور آنکھیں موند لیں۔ علیشہ بھی اپنی چار پائی پر لیٹ گئی۔

میں کافی دیر تک علیشہ کے سونے کا انتظار کرتا رہا۔ اس کے سونے کے بعد میں دبے پاؤں وہاں سے نکل آیا۔

میں نے ضروری سامان اپنے ساتھ لے لیا تھا اور اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ودھات کی حویلی کی طرف نکل پڑا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد



گرد آلود ہوا کے تھپڑے میری آنکھوں میں دھول جھونک دیتے، لیکن میں آنکھیں ملتا ہوا بھی گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ یہ سنسان خاموش رات اپنی خاموشی میں ان گنت راز چھپائے ہوئے تھی۔

مجھے یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ ودھات کی شیطانی طاقتیں مجھے جیسے حقیر انسان کا کیا حال کر سکتی ہیں لیکن آج میں ہمت کر کے نکل پڑا تھا۔ میں ودھات کی حویلی کے پاس پہنچا تو میں نے اپنا گھوڑا ایک گھنے درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ حویلی کی دیواریں بہت اونچی تھیں اور دروازہ تو اس قدر لمبا چوڑا تھا کہ میری جسامت اس دروازے سے چھ گنا چھوٹی تھی۔ میں حویلی کے چاروں طرف کوئی چور راستہ ڈھونڈ رہا تھا لیکن کوئی ایسا راستہ دکھائی نہیں دیا۔ میں نے ایک بار پھر کوشش کی۔ ایک غیر ہموار دیوار پر میری نظر پڑی جس کے ابھرے ہوئے حصوں پر پاؤں ٹکاتا ہوا حویلی کے اندر داخل ہو گیا۔ حویلی میں جگہ جگہ مشعلیں جل رہی تھیں۔

حویلی میں داخل ہونے کے بعد میں چھپتا ہوا ودھات کے اس خاص کمرے کی طرف جانا چاہتا تھا۔ لیکن اندر داخل ہونے کے بعد میں جس جگہ کھڑا تھا وہاں بہت سے کمرے تھے۔ میں بھول گیا کہ ودھات کا خاص کمرہ کون سا تھا۔

”مجھے باری باری ان سارے کمروں میں جانا ہوگا۔“ میں نے خود کلامی کی اور ہمت کر کے اس کمرے کی طرف بڑھا۔ جس کا مجھے شک تھا کہ ودھات یقیناً اس کمرے میں ہوگا۔ میں کمرے کے دروازے کے پیچھے چھپتے ہوئے کمرے میں جھانکنے لگا۔ کمرہ بالکل خالی تھا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اسی طرح میں نے یکے بعد دیگرے سارے کمروں کا جائزہ لیا۔ سارے کمرے ہی خالی تھے۔

پھر مجھے اس مردہ خانے کا خیال آیا جو اس حویلی میں تھا لیکن کس جگہ تھا یہ میں نہیں جانتا تھا۔ میں حویلی کے دوسرے حصے کی طرف بڑھا۔

بہت تعجب کی بات تھی کہ آج رات حویلی کے ملازم اور پہرے دار بھی غائب تھے لیکن پھر بھی میں بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ حویلی کے دوسرے حصے میں بھی کوئی نہیں تھا۔ ایک بہت بڑے کمرے میں کھڑا ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری نظر سامنے سیڑھی پر پڑی جو کمرے کے وسط سے اوپر چھت کی طرف جا رہی تھی۔ سیڑھی کے درمیانی حصے کے ساتھ ایک گیلری بھی تھی۔ گیلری کی کھڑکیوں سے مشعلوں کی سرخی مائل روشنی کھڑکیوں سے باہر چھلک رہی تھی۔

”شاید وہ یہاں ہو۔“ میرے من میں خیال آیا۔

میں دبے پاؤں سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ گیلری کے قریب پہنچا تو دیوار سے پشت لگائے کھڑا ہو گیا۔ گیلری کا دروازہ بند تھا۔ یہ اچھی بات تھی کہ کھڑکی بھی دروازے کے قریب ہی تھی۔



میں نے خود کو چھپاتے ہوئے کھڑکی سے جھانکا تو ودھات آگ جلانے آنکھیں بند کئے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ یہ جگہ بہت عجیب تھی۔ اس کمرے کے چاروں طرف خوفناک شکلوں کی بے شمار مورتیاں پڑی تھیں۔ یہ مورتیاں اس قدر بھیاںک تھیں کہ ان کو دیکھ کے میرے جسم میں جھرجھری آگئی۔

آگ کے قریب ہی ایک تابوت میں اس نوجوان کی لاش پڑی تھی۔ جسے دیکھنے کے لئے میں یہاں آیا تھا۔ لاش کا چہرہ زیادہ وقت گزرنے کی وجہ سے سیاہ پڑ چکا تھا۔ نقوش پھول گئے تھے۔ ”میں یہاں بہت دیر سے آیا ہوں۔ نہ جانے اس لاش کے ساتھ کیا کیا تجربے کئے گئے ہوں گے۔“ میں نے خود کلامی کی۔ ودھات کسی بہت سخت عمل میں مصروف تھا۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا اور جسم کو ٹھہر ٹھہر کے جھٹکے لگ رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں بادلوں کی خوفناک گرج سنائی دینے لگی۔ میں حیرت سے اوپر دیکھنے لگا۔ آسمان بالکل صاف تھا تو یہ بادلوں کی گرج کیسی۔ وہ بھی اس قدر دل دہلا دینے والی۔

تھوڑی دیر بعد اس گرج کے ساتھ خوفناک غرغراہٹوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ خوف کے مارے میرے پسینے چھوٹ گئے۔ زمین میں بھی ایسا ارتعاش محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ ہی دیر میں یہ حویلی کسی خوفناک زلزلے کی نذر ہو جائے گی۔ بھونچال آگیا۔ حویلی کے کھڑکیاں دروازے آپس میں ٹکرانے لگے۔ ہر طرف سے اشیاء کے توڑ پھوڑ کی آوازیں آنے لگیں۔

ہوا کا دباؤ اس قدر تیز تھا کہ اگر میں سیڑھیوں کو مضبوطی سے نہ تھامتو یہ طوفانی ہوائیں مجھے سیڑھیوں سے گرا دیتیں۔ میرے لئے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

کافی دیر کے بعد ہوا کا دباؤ کم ہوا تو ہوائی سیٹی کی سی آواز میں چلنے لگی۔ خوفناک غرغراہٹوں کی آوازیں چار گنا ہو گئیں، یہ آوازیں کسی انسان کے لئے برداشت کرنا بہت مشکل تھیں۔ بالکل یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اس حویلی کو آسمانی بلاؤں نے اپنے گھیرے میں لے لیا ہو۔

میں ایک بار پھر کھڑکی کے قریب آگیا۔ اس وقت میری آنکھوں نے جو بھیاںک منظر دیکھا میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ میری آنکھیں باہر ابل پڑیں۔ سیاہ رنگت والے ہوائی اجسام چھت سے نمودار ہو کر کمرے میں اترنے لگے۔

بارہ تیرہ فٹ قامت کے یہ ہوائی اجسام آسیب تھے یا کوئی اور عجیب الخلق مخلوق۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ میں نے سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اوپر چھت کی طرف دیکھا تو آسمان میں سیاہ چیلوں کا ایک غول تھا جو آہستہ آہستہ چھت کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ میں تیزی سے اپنی جگہ واپس آگیا۔

اس وقت وہ سیاہ ہوائی اجسام نوجوان کی لاش کے قریب کھڑے تھے۔



کچھ ہی دیر میں وہ اجسام غائب ہو گئے اور ان کے ساتھ نوجوان کی لاش بھی غائب ہو گئی۔ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود ودھات نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

لاش تو غائب ہو گئی تھی لیکن اس کے جسم کا ایک بازو ودھات کے پاؤں کے قریب پڑا تھا۔

ودھات نے آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھوں میں جیسے بجلیاں بھری تھیں۔ اس وقت وہ خود بھی انسان نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے پاؤں کے قریب پڑے ہوئے انسانی اعضاء کی طرف دیکھا۔ اس نے ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کچھ پڑھا اور وہ انسانی بازو اٹھا کر بھیڑیے کی طرح کھانے لگا۔

میرادل اچھل کر میرے حلق میں آ گیا۔ میری حالت بگڑنے لگی۔ مجھے قے آ گئی اور میں خود کو سنبھالتا ہوا وہاں سے چلا آیا۔ گھر آتے ہی مجھے تیز بخار چڑھ گیا۔

پوری رات میں وہی بھیا نک منظر نہیں بھول سکا۔

اگلے روز میں نے کھانا نہیں کھایا۔ علیشہ مجھے دوا پلانے کی کوشش کرتی رہی لیکن میں یہی کہتا رہا کہ میں بیمار نہیں ہوں۔ جونہی میں کسی جانور کا گوشت دیکھتا مجھے قے شروع ہو جاتی۔

یہ واقعہ دیکھنے کے بعد میرے من میں ودھات کے خلاف نفرت کا الاؤ بھڑکنے لگا۔ اگر گاؤں میں ودھات کے خلاف میں کسی کو اپنے ساتھ شامل کرتا تو بار بار یہ خیال مجھے ایسا کرنے سے روکتا کہ میں ایک جوان بیٹی کا باپ ہوں۔

ویسے بھی گاؤں کے یہ غلط عقیدوں کے مارے ہوئے کم عقل لوگ میری بات سمجھ بھی نہ سکتے تھے لیکن مجھے چین نہیں تھا۔ مجھے اپنے مذہب سے دوسرے لوگوں کی طرح خاص لگاؤ تھا۔ مذہب کے معاملے میں میں بھی اندھی تقلید کر رہا تھا۔ گاؤں کے ہر طرح کے رسم و رواج میں میں برابر شامل تھا لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ ودھات جیسا شیطان اس طرح معصوم لوگوں کی زندگیوں سے کھیلے۔

ودھات کے خلاف بیچ میں اپنے من میں بوچکا تھا جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔

علیشہ کو شک ہو گیا تھا کہ میں کسی بات پر پریشان ہوں جو میں اسے بتانا نہیں چاہتا۔ وہ ہر وقت مجھے کریدتی رہتی۔

”یہ بیٹھے بیٹھے اچانک کہاں کھو جاتے ہیں۔ کوئی پریشانی ہے آپ کو جو آپ چھپا رہے ہیں۔ کہو تو گرودھات سے آپ کے لئے پانی دم کروالاتی ہوں.....“

علیشہ کے منہ سے ودھات کا نام سنتے ہی میں آگ بگولہ ہو گیا۔ ”نام نہ لو اس درندے کا میرے سامنے۔“

علیشہ کانوں کا ہاتھ لگاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ ”یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں بابا۔ گاؤں کے لوگ تو اسے دیوتا کی طرح پوجتے ہیں۔“

”اگر گاؤں والے اسے دیوتا کی طرح پوجتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی اسے دیوتا کی طرح پوجتے ہیں۔ انسان کو اپنی عقل

استعمال کرنی چاہئے۔“



”لیکن بابا وہ تو دیوداس ہے۔“ علیشہ نے ایک بار پھر معصومیت سے کہا۔

میں ایک بار پھر بھڑک اٹھا۔ ”تم سے کہا ہے نا کہ میرے سامنے اس کا نام مت لو۔ جاؤ جا کے اپنا کام کرو۔“ میرے اس طرح ڈانٹنے پر علیشہ منہ بسور کے وہاں سے اٹھ گئی۔ یہ شام کا وقت تھا۔ علیشہ چائے بنانے کے لئے لکڑیاں اکٹھی کرنے باہر گئی تو میں نے اسے پیچھے سے پکارا۔

”علیشہ! تم ادھر ہی بیٹھو۔ میں لکڑیاں لے آتا ہوں۔“

علیشہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی چولہے کے پاس بیٹھ گئی۔ ”پتہ نہیں بابا کو کیا ہو گیا ہے۔“ میں لکڑیاں لے آیا تو علیشہ نے اپنے لئے اور میرے لئے چائے بنادی۔ کچھ دیر کے لئے ہم دونوں باپ بیٹی ساری پریشانی بھول کے گپ شپ میں مصروف ہو گئے۔

چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے علیشہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”تم کیا سوچنے لگی۔“ میری اس بات پر وہ اپنے ہاتھوں کی چوڑیوں کو آگے پیچھے کرنے لگی۔

میں نے ترجمہی نظر سے اس کی چوڑیوں کی طرف دیکھا۔ ”کوئی فرمائش ہے میرے خیال میں۔“

میرے بھانپنے پر وہ ہنس دی۔

میں نے پھر اس سے پوچھا۔ ”کیا لینا ہے.....“

”وہ تو میں خود اپنی مرضی سے خریدوں گی۔ آپ کو پتہ ہے کہ تین دن کے بعد گاؤں میں میلہ ہے۔ اس میلے میں ہم سب لڑکیاں رنگ برنگی

اشیاء خریدتی ہیں۔ اس میلے میں بہت مزہ آتا ہے۔“

میرے چہرے پر ایک بار پھر سنجیدگی چھا گئی۔ ”یہ وہی میلہ ہے نا۔ جس کے چند روز بعد ہی آگ دیوتا کی پوجا کا خاص تہوار منایا جاتا ہے۔“

”ہاں! بابا یہ تہوار بھی بہت عجیب تہوار ہے۔ اس تہوار میں گاؤں کی لڑکیاں دیوتا کی پوجا کرنے کے لئے رقص کرتی ہیں اور دیوتا ان

لڑکیوں میں سے اپنی پسند کی لڑکیوں کو دیوداسیاں بنا لیتے ہیں۔“

بابا یہ دیوتا کی کیسی خوشی ہے جو لڑکیوں کو ان کی عقیدت کے بدلے میں عمر بھر کے لئے دیوداسیاں بنا دیتے ہیں۔ ان کے ماں باپ کے بھی

تو ارمان ہوتے ہوں گے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو سہاگنوں کے روپ میں دیکھیں۔“

علیشہ کی یہ باتیں بہت پُر اثر تھیں۔ ”اور پھر ایک خاص رسم کے تحت کسی اماؤں کی رات ان دیوداسیوں میں سے کسی ایک کی دیوتا کی خوشی

کے لئے بکلی دے دی جاتی ہے۔“

میری اس بات پر علیشہ کے ہاتھ سے چائے کی پیالی چھوٹ گئی۔

اس کا چہرہ فق ہو گیا۔

اس کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے میں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

”تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ میں اس رسم کے خلاف ایک گروہ بنا رہا ہوں۔ ہم یہ رسم جلد ہی ختم کروادیں گے۔ تم پر کبھی کوئی آنچ نہیں آئے



گی۔ تم جی بھر کے میلے میں چیزیں خریدنا۔“

میں نے علیشہ کو سمجھا تو دیا لیکن علیشہ کی باتیں سن کے میرے دل کو دھڑکا سا لگ گیا۔  
میں اس کے بال سہلانے لگا۔

رات کو جب میں اپنے بستر پر لیٹا تو مجھے علیشہ کی باتیں یاد آنے لگیں۔ من میں عجیب عجیب دوسوے آنے لگے۔ دل میں خیال کیا کہ علیشہ کو لے کر اس جگہ سے کہیں دور چلا جاؤں۔

اس خیال کے ساتھ ہی کسی اور خیال سے میرے رو ٹکٹے کھڑے ہو گئے۔

ماضی میں ایسے واقعات گزر رہے ہیں۔

جب اس پوجا کے خاص تہوار سے پہلے کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو لے کر کسی دوسری جگہ کا رخ کرنے لگے۔ ان پر آگ دیوتا کا قہر نازل ہوا اور ان پر آگ کے بگولوں کی بارش ہوئی اور وہ لوگ وہیں جل کر راکھ ہو گئے۔

اس خیال کے آتے ہی میں نے اپنے ذہن کو جھٹکا اور دوسرے انداز میں سوچنے لگا۔ جس میں علیشہ مجھے دلہن بنی دکھائی دی۔

میں نے من ہی من میں فیصلہ کیا کہ یہ تہوار گزر لے۔ اگلا تہوار آنے سے پہلے میں علیشہ کے ہاتھ پیلے کر دوں گا۔

دن گزرتے پتہ بھی نہ چلا پوجا کا خاص تہوار بھی آ گیا۔ رات کی تاریکی میں گاؤں کے لوگ بھرپور تیاری کے ساتھ مندر میں جمع ہو گئے۔ میں

پوجا کا خاص لباس زیب تن کر کے کمرے سے باہر نکلا تو علیشہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی۔ اس نے اپنی چوٹی گھماتے ہوئے پلٹ

کر میری طرف دیکھا تو میں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ علیشہ ہنستی ہوئی میرے قریب آئی۔ ”آپ کو کیا ہوا آنکھیں کیوں بند کر لی ہیں۔“

میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”ڈر گیا تھا کہ میری بیٹی کو کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔“

علیشہ نے مسکراتے ہوئے سر کو جھٹک دیا۔

”رہنے دیں آپ مجھے بنا رہے ہیں۔ گاؤں میں تو مجھ سے خوبصورت بہت سی لڑکیاں ہیں۔“

میں نے علیشہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ ”میں نہیں جانتا۔ مجھے تو اپنی بیٹی سب سے پیاری لگتی ہے۔“

”بابا! ہمیں دیر ہو گئی ہے۔ پوجا کا وقت ہو گیا ہے۔ ہم لڑکیوں نے مندر میں چراغاں بھی کرنا ہے۔“ یہ کہہ کے علیشہ نے کمروں کے

دروازے بند کئے۔ گاؤں کے یہ لوگ قبیلوں کی شکل میں رہتے تھے۔

ویسے الگ الگ گھروں میں رہتے تھے لیکن باہر جانے اور داخل ہونے کا ایک ہی بڑا گیٹ تھا۔

یہ گھر ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ میں اور علیشہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو دوسرے خاندان بھی جوان کے گھر کے ساتھ

جڑے ہوئے گھروں میں رہتے تھے باہر نکل آئے۔ ہم سب ایک ہی کبھی میں بیٹھ کے بڑے دروازے سے باہر نکل گئے۔

مندر پہنچے تو مندر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو پورا مندر لوگوں سے کچا کچھ بھرا ہوا تھا لیکن یہ مندر اس قدر وسیع و



عریض زمین پر پھیلا ہوا تھا کہ اگر پورا گاؤں بھی اس مندر میں آجاتا تو بھی کافی جگہ خالی ہوتی۔ سب لوگ مختلف جگہوں سے گزرتے ہوئے آگ دیوتا کی بڑی مورتی کے قریب آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئے۔

یہ مورتی آگ دیوتا کی خیالی مورتی تھی جو پچیس فٹ اونچی اور آٹھ فٹ چوڑی تھی۔ اس کے پھیلائے ہوئے ہاتھ کی ہتھیلی پر سورج کا نشان تھا۔ لوگ یکے بعد دیگرے اپنے روایتی انداز میں پوجا کرتے رہے آدھی رات تو پوجا میں گزر گئی۔

جب پوجا ختم ہو گئی تو مندر کے پاس راجہ صاحب کی بگھی رکی۔ پنڈت دوڑتا ہوا لوگوں کے پاس آیا۔

”قطاریں درست کرو۔ راجہ صاحب آرہے ہیں۔“

لوگ اپنی قطاریں درست کرنے لگے۔

راجہ صاحب مندر میں داخل ہوئے۔ انہوں نے دیوتا کی پوجا کی۔ پوجا کرنے کے بعد وہ اپنی مخصوص نشست پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد گاؤں کی دس لڑکیاں خوبصورت لباس زیب تن کئے، سولہ سنگھار کئے رقص کے لئے دیوتا کے آگے پیش ہوئیں۔ علیشہ ان میں سے ایک تھی۔

وہ سب لڑکیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ان سب نے دیوتا کے چرنوں میں دیئے جلائے اور ہاتھوں کو پوجا کے انداز میں جوڑتے ہوئے دیوتا کے سامنے بیٹھ گئیں۔

ڈھول والے نے اپنے خاص انداز میں ڈھول بیٹنا شروع کیا۔ اس ڈھول کی کوئی زبان تھی جو لوگوں میں جوش اور ولولہ پیدا کر رہی تھی۔ لوگ اس ڈھول کی آواز کے ساتھ جھومنے لگے۔ لڑکیوں نے پوجا کا رقص شروع کیا۔ لڑکیاں جوں جوں رقص کرتی جا رہی تھیں۔ لوگوں میں بھی جوش بڑھ رہا تھا۔

لوگ مست ہو کے اپنے سروں کو گھمانے لگے۔ لڑکیاں سپنے میں شرابور ہو گئیں لیکن وہ مسلسل رقص کر رہی تھیں۔ دیوتا کی پرستش میں انہیں اپنا ہوش نہیں تھا۔ میں بھی لوگوں کے ہجوم میں ان لڑکیوں کا رقص دیکھ رہا تھا۔ جن میں علیشہ بھی تھی۔

لڑکیاں اپنے پیروں کے پنجوں پر ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے پھر کی کی طرح گھومنے لگیں۔ اس وقت تو مندر میں سکوت چھا گیا۔ وہ کافی دیر تک اس طرح گھومتی رہیں۔

لوگوں کا سکوت تب ٹوٹا جب وہ لڑکیاں نڈھال ہو کے دھڑام سے زمین پر ڈھیر ہو گئیں۔ وہ لمبے لمبے سانس لے رہی تھیں۔ اتنی دیر میں نہ جانے کہاں سے علیشہ پر اور دوسری لڑکی پر دو پھول گرے۔

پنڈت خوشی سے نعرہ لگاتا ہوا لڑکیوں کی طرف بڑھا۔ ”دیوتا نے دیوداسیاں چن لی ہیں۔“ یہ کہہ کے چار پنڈت لڑکیوں کی طرف بڑھے۔

”خوش قسمت ہو تم دونوں کو دیوتا نے دیوداسیاں بنا دیا ہے۔“

وہ خود لڑکیوں کے پاس چل کر آئے اور ان کے گلوں میں سات میوؤں کے بنے ہوئے ہار ڈال دیئے۔ میں من ہی من میں چلا اٹھا لیکن میری زبان پر مذہب کا قفل چڑھا تھا۔



علیشہ نے سر جھکا کے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا لیکن مجھے اس روز سے چپ لگ گئی تھی۔

اور اس روز تو میرا سینہ کٹ کے رہ گیا۔ جب علیشہ نے جوگیہ رنگ کا دیوداسیوں کا لباس زیب تن کیا اور اپنے رنگا رنگ کپڑے، چوڑیاں کسی دوسری لڑکی کو دے دیئے۔

اب اسے صرف اسی وقت تیار ہونا تھا جب دیوتا کے آگے رقص کرنا تھا۔ باقی دنوں میں اسے سنگھار کی اجازت نہیں تھی۔ گاؤں کے لوگوں نے علیشہ کو خاص درجہ دے دیا تھا۔ وہ اس کے پاس آتے اور اس سے اپنے لئے دیوتا سے دعا کراتے۔ میری بیٹی کے ارمان تو جیسے اس کے دل میں ہی دفن ہو گئے تھے۔

علیشہ میرے لئے کھانا بنا کر مندر چلی جاتی۔ وہ ہم عام انسانوں والا کھانا نہیں کھاتی تھی۔ دیوتا کے مندر کا خاص بھوجن کھاتی تھی۔ جس سے انسان کا بدن اور دماغ شفاف رہتا ہے۔ پنڈت اسے کہتا کہ جانوروں کا گوشت کھانے سے انسانوں میں خواب دیکھنے کا عمل بڑھتا ہے اور ان کا دماغ نفسانی خواہشات کو جنم دیتا ہے۔ پنڈت اور دیوداسیاں اپنی خوراک میں گوشت کا استعمال کم کرتے تھے۔ میرا کھانا کھانے کو دل نہیں کرتا تھا۔ میرے گھر کی فضا میں خزاں کی ہوا جیسی تھی۔ یہاں کوئی خاموشی سے جیتے جی مر گیا تھا۔“

کتاب کا اگلا ورق پلٹنے سے پہلے ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”یہ سب وہی ہے جو میں نے تمہیں بتایا تھا اس کا مطلب ہے کہ بے ہوشی میں، میں نے جو کچھ دیکھا وہ سب سچ تھا لیکن سوال اس بات کا ہے کہ میں نے وہ سب کیسے دیکھا۔“

واصلہ کچھ سوچتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولی۔ ”اسی طرح جس طرح کسی غیبی طاقت نے ہمیں اس کتاب تک پہنچایا ہے۔ اسی طرح اس غیبی طاقت نے بے ہوشی کی حالت میں تمہیں چار ہزار سال قبل علیشہ کی زندگی کے بارے میں بتایا۔“

ہصیم کتاب پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ”اب آہستہ آہستہ علیشہ کے کیس کی گتھی سلجھ رہی ہے۔“ ہصیم نے پھر کتاب پڑھنا شروع کی۔

”علیشہ کے دیوداسی بننے کے بعد میں نے ودھات کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ جیسے میرا دل و دماغ ختم ہو کے رہ گیا ہو۔ میں جیسے کسی روگ میں بجھا بجھا سا رہتا تھا۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ودھات کی شیطانیت کی زد میں علیشہ بھی آسکتی ہے۔“ اس صفحے کے بعد اگلے صفحے پر الفاظ بہت مدہم تھے۔ ہصیم نے کتاب واصلہ کی طرف بڑھائی۔ ”یہ دیکھو تمہیں کچھ سمجھ آ رہا ہے۔“

واصلہ کتاب ہاتھ میں لے کر پڑھنے کی کوشش کرنے لگی کہ ایک چھوٹی سی بچی کی مہین سی آواز اس کے کانوں سے نکلرائی۔ ”آپ کون ہیں؟“

دونوں نے چونک کر دیکھا۔ جوگیہ رنگ کی چادر جسم پر لپیٹے خوبصورت سی بچی پتھر پر ہاتھ رکھے، انتہائی معصومیت سے دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس پراسرار جگہ پر کسی بچی کی موجودگی نے انہیں چونکا دیا۔



واصلہ نے ہصیم کی طرف مشکوک نظروں سے دیکھا ایسی جگہ پر اس طرح کسی بچی کا موجود ہونا آنکھوں کا دھوکہ محسوس ہو رہا تھا۔  
ہصیم نے واصلہ سے کہا۔ ”اس کے قریب مت جانا۔ بدروح کوئی بھی روپ دھار سکتی ہے۔“

واصلہ بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہی تھی لیکن اس نے بچی کے پیروں کی طرف دیکھا تو اس کے پیروں سے خون رس رہا تھا۔

اس نے ہصیم سے کہا۔ ”وہ دیکھو اس کے پیروں سے خون رس رہا ہے۔ یقیناً یہ بچی زندہ ہے۔“

”واصلہ ہوش سے کام لو۔ میں نے کہا ہے نا کہ بدروحیں کوئی بھی روپ دھار سکتی ہیں۔ تم اس بچی کا چہرہ دیکھو۔ اس کے چہرے پر تکلیف کا

احساس ذرا سا بھی نہیں ہے۔ اس کا لباس دیکھو۔ یہ لباس انہی لوگوں کا ہے جن کے بارے میں ہم کتاب پڑھ رہے ہیں۔“

ان دونوں کی بحث میں لڑکی اپنی جگہ سے غائب ہو گئی۔

واصلہ نے خوف زدہ نظروں سے ارد گرد دیکھا۔ لڑکی تو اپنی جگہ سے غائب تھی لیکن اس کے خون سے بھرے قدموں کے نشان زمین پر

مسل پڑ رہے تھے۔

گویا کہ اس کا جسم ہوائی ہو گیا تھا لیکن وہ کسی رستے کی طرف اپنے قدموں کے نشان لگاتے ہوئے بڑھ رہی تھی۔

واصلہ اور ہصیم اس کے قدموں کے نشانوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ میں پڑ گئے۔ وہ جہاں جا رہی تھی اپنے نشان چھوڑتے ہوئے

جا رہی تھی۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

ہصیم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہمارے لئے کوئی اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان قدموں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔“

”یہ قدم ہمیں موت کی طرف لے گئے تو۔“ واصلہ نے خوف میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

”دیکھا جائے گا۔“ یہ کہہ کر ہصیم واصلہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ان قدموں کے ساتھ ساتھ چل دیا۔

قدموں کے نشان ایک اندھیری غار میں جا کر ختم ہو گئے۔ غار کے قریب جا کر دونوں سوچ میں پڑ گئے۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کی

طرف دیکھا اور غار میں داخل ہو گئے۔

غار میں ہولناک تاریکی تھی۔

واصلہ گھبرا گئی۔ ”ہصیم اس غار سے باہر آ جاؤ۔ یہاں بہت اندھیرا ہے۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

ہصیم نے واصلہ کا ہاتھ پکڑا اور غار سے باہر آ گیا۔

اس نے دو مشعلیں لیں، ایک واصلہ کے ہاتھ میں تھمادی اور ایک خود لے لی۔

دونوں مشعلیں لے کر دوبارہ غار کے اندر داخل ہوئے یہ غار کافی وسیع تھی لیکن جوں جوں وہ دونوں آگے بڑھتے گئے۔ غار بیچ دار دشوار

گزار رستے میں تبدیل ہو گئی۔

ان رستوں سے گزرنا دونوں کے لئے خاصا مشکل تھا یہ پتھر لے رستے غیر ہموار اور تکلیف دہ تھے۔ ہصیم کا ہاتھ واصلہ سے چھوٹا تو وہ تیزی سے



بولاً۔ ”واصلہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ تمہیں اگر کوئی خوفناک شے بھی دکھائی دے تو کتاب پر سے اپنی گرفت نہیں چھوڑنی۔“  
واصلہ نے ہمسیم کو مطمئن کیا۔ ”تم بے فکر رہو میں نے کتاب مضبوطی سے پکڑ رکھی ہے۔“  
وہ دونوں کافی دیر تک اس دشوار گزار راستے میں بھٹکتے رہے۔

ایک طویل دشوار گزار راستے کے بعد وہ دونوں ایک بار پھر ایک غار میں داخل ہو گئے۔ جو کچھلی غار سے تین گنا وسیع و عریض تھی۔  
یہاں ان دونوں کو مشعل کی ضرورت نہیں تھی۔ اس غار میں جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ وہ دونوں جب غار میں داخل ہوئے تو واصلہ کے حلق سے چیخ نکل گئی اور اس کی بازگشت گونجنے لگی۔ ہمسیم بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو انسانی عقل کو دنگ کر دے۔  
اس وسیع غار میں تاحد نظر سینکڑوں پتھر کے تابوت پڑے تھے۔ جن کے دروازے انسانی مورتیوں کے بنے ہوئے تھے۔ گویا کہ یہ قبرستان تھا۔  
ہمسیم نے واصلہ کا ہاتھ پکڑا تو وہ ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا۔  
ہمسیم نے آگے بڑھنا چاہا تو واصلہ کے قدم جیسے زمین میں ہی گڑ گئے۔ اس نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔  
ہمسیم اس کے قریب آیا اور اس کی سہمی ہوئی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے خوبصورت چہرے پر تھکی دی۔  
”اس ڈر کو خود سے دور کر دو۔ میری خاطر.....“

واصلہ چند منٹوں کے لئے چاروں طرف نظریں گھمانے لگی۔ پھر آنکھیں جھکائے کتاب پر پھیرنے لگی۔ ہمسیم نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔  
”تم کیا سوچ رہی ہو؟“

واصلہ نے ہمسیم کی طرف دیکھا اور معنی خیز لہجے میں بولی۔ ”یہ جگہ بہت خطرناک ہے۔ یہاں آنے سے پہلے ہمیں پوری کتاب پڑھ لینی چاہئے تھی۔ کتاب کے بقیہ صفحات پڑھے بغیر ہمیں ان تابوتوں کو ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ شاید انہیں ہاتھ لگا کر ہم کوئی بہت بڑی بھول کر بیٹھیں۔“  
ہمسیم نے واصلہ کی بات سنتے ہوئے تابوتوں کی طرف دیکھا۔

”تمہاری بات بالکل درست ہے۔ ہم یہیں بیٹھ کے کتاب پڑھ لیتے ہیں۔“  
”کیا یہاں بیٹھ کے پڑھنا مناسب ہوگا؟“ واصلہ نے کہا۔

ہمسیم نے اسے شانوں سے پکڑتے ہوئے سمجھایا۔ ”تم جانتی ہونا کہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں یہ سب کوئی عام انسان نہیں دیکھ سکتا۔ یہ سب کچھ تو طاغوتی طاقتیں رکھنے والا روحانی پیشوا ہی دیکھ سکتا ہے۔ کوئی روحانی طاقت ہے۔ جو ہمیں کچھ بتانا چاہتی ہے۔ ہمیں کسی چھپے ہوئے راز سے آشکار کرنا چاہتی ہے۔ وہ یقیناً کوئی روح ہے۔ تم یہ دیکھو کہ ہم اتنے آزاد کیسے پھر سکتے ہیں۔ ہم علیشہ سے اور اس کے شیطانی گروہ کے ہاتھوں کب سے لقمہ اجل ہو جاتے۔ کوئی روحانی طاقت ہے جو ہمیں بچا رہی ہے۔ اپنی تھوڑی سی غفلت سے ہم کوئی ایسا راز جاننے سے رہ نہ جائیں جو ہمیں ہمارے مقصد تک پہنچا سکے۔ ہمیں یہ جگہ چھوڑنی چاہئے۔“



واصلہ کے چہرے پر خوف کے سائے منڈلا رہے تھے۔ اس نے سہمی ہوئی نظر سے ہصیم کی طرف دیکھا۔

”تمہاری بات اپنی جگہ درست ہے لیکن مجھے ایسا نہیں لگتا کہ ہم کبھی جیتے جاگتے انسانوں کی دنیا میں واپس لوٹیں گے اور اگر زندہ بچ کے وہاں چلے بھی گئے تو علیشہ اور اس کے شیطانی گروہ نے سب کچھ نیست و نابود کر دیا ہوگا۔ ہم اپنی سرد آنکھوں سے لوگوں کی جلی ہوئی لاشیں دیکھیں گے۔“ یہ بات کہتے ہوئے واصلہ کے آنسو چھلک پڑے۔

ہصیم اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ ”ایسی مایوسی کی باتیں کر کے میرا حوصلہ کم نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم اس پُر اسرار جگہ میں ان مردوں میں شامل ہو گئے تو الگ بات ہے لیکن جیتے جاگتے انسانوں کی دنیا میں لوٹ گئے تو اس شیطانی گروہ کے خاتمے کا سامان لے کر لوٹیں گے۔“ واصلہ روتے روتے مسکرا دی۔ ”اتنا یقین ہے خود پر۔“

ہصیم نے مسکراتے ہوئے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”مایوس لوگ منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔“ یہ کہہ کر ہصیم نے واصلہ کو زمین پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ واصلہ کتاب لے کر زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھ گئی۔

ہصیم اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ہصیم نے اس سے کتاب لی اور اسی صفحے سے پڑھنا شروع کی جہاں سے چھوڑی تھی۔ وہ دوبارہ چار ہزار سال قبل کی دنیا میں پہنچ گیا۔ اس صفحے میں لکھاری نے کچھ یوں لکھا تھا۔

”حویلی کے علاوہ ایک اور ٹھکانے پر بھی ودھات لوگوں سے ملتا تھا۔ اس کا یہ دوسرا ٹھکانہ ایک دیوبیکل پہاڑ کی طرح ایک بھیا نک غار تھی۔ ان دنوں وہ اپنا زیادہ وقت اسی غار میں گزارتا تھا۔ میں نے لوگوں سے سنا کہ ودھات کوئی چلہ کاٹ رہے ہیں۔ ان دنوں انہوں نے منع کیا ہے کہ کوئی ان سے نہ ملے۔ یہ بات سننے کے بعد میرا ذہن ایک بار پھر اس کی طرف راغب ہو گیا۔

ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ جب بھی ودھات اپنے کسی عمل میں اپنی جائے پناہ میں محصور ہوا تو گاؤں میں کوئی نہ کوئی انہونی ضرور ہوتی۔ لوگوں کی آنکھوں پر ودھات کی اندھی تقلید کی پٹی بندھی تھی۔

لوگ اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے لیکن میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میں بھی ان دنوں ودھات سے نہیں مل سکتا تھا۔ میں نے بہ مشکل وہ دن گزارے۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے خیال جھلملا رہے تھے۔ میں نے اپنی الماری سے اپنے اوزار نکالے اور ان کی مرمت کرنے لگا۔

میں اپنے کھلے کچے صحن میں پنجھی چار پائی پر بیٹھا اپنے اوزاروں کی مرمت کر رہا تھا۔ علیشہ میرے لئے کھانا لائی تو پریشان نظروں سے میرے اوزاروں کی طرف دیکھنے لگی۔

”یہ کیا کر رہے ہو بابا، کیا کسی سے جھگڑا کرنا چاہتے ہو؟“ علیشہ نے انتہائی معصومیت میں پوچھا۔

”ہاں! مجھے ان اوزاروں کی ضرورت ہے لیکن یہ مجھ سے ٹھیک نہیں ہو رہے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔“

علیشہ نے میرے ہاتھ سے سامان لے لیا۔ ”کوئی ضرورت نہیں ہے اس طرح کے فضول کاموں میں پڑنے کی۔ یہ اوزار بہت خطرناک



ہیں۔ آپ اپنے ذہن سے اس طرح کے خیالات کو نکال دیں۔“

میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ ودھات لوگوں سے مل رہا ہے۔ وہ اپنا خاص عمل پورا کر چکا ہے۔ میں نے بھی سوچا کہ فریادی بن کے اس کے پاس جاتا ہوں۔ وہ جس نئے ٹھکانے پر آج کل بیٹھتا ہے۔ اس جگہ کے چور راستوں کا بھی پتہ لگانا ہوگا۔ ان دنوں ودھات جہاں رہتا تھا وہ جگہ قبیلے سے چار کوس دور تھی۔

وہ ایک خوفناک پہاڑی سلسلہ تھا۔ ایک پہاڑ کی غار میں رہتا تھا۔ میں وہاں سوالی بن کے گیا۔ غار اس قدر بڑی تھی کہ اس میں سینکڑوں لوگ رہ سکتے تھے۔ غار کی دیواروں پر میسوں بجھے ایستادہ تھے۔

ودھات سے ملنے سے پہلے اس کے خاص آدمیوں نے مجھ سے میرے آنے کا مقصد پوچھا۔ میں نے کہا کہ پریشان حال ہوں ودھات سوامی سے دعا کروانا چاہتا ہوں۔ پہرے دار مجھے ودھات کے پاس لے گئے۔

وہ آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کئے اپنی کسی گیان میں مصروف تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بھڑکتی ہوئی آگ پر پھیلائے ہوئے تھے۔ میں خاموشی سے ودھات کے قریب بیٹھ گیا۔ میں وہاں آدھا گھنٹہ بیٹھا رہا۔ ودھات نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ وہ اپنے خاص عمل میں مصروف تھا۔ کافی دیر کے بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کی آنکھوں میں انگارے دکھ رہے تھے۔ اس نے آگ پر سے ہاتھ ہٹائے تو اس کے ہاتھوں پر چھالے بنے ہوئے تھے۔ وہ ہاتھوں کو اپنے سینے پر پھیرتے ہوئے لمبے لمبے سانس لینے لگا۔ پھر اس نے تھوڑی سی مٹی لی اور ہاتھوں پر مسلنے لگا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔

”کیا مسئلہ ہے تمہارا؟.....“ وہ گرجدار آواز میں بولا۔

میں احترام کے انداز میں نظروں کو جھکائے بولنے لگا۔ ”ہر وقت طبیعت میں بے چینی رہتی ہے۔ کہیں سکون نہیں ملتا۔“

”کسی بات سے پریشان ہو.....؟“

ودھات کے اس سوال پر میں علیحدہ کے متعلق بتانے لگا تو جیسے الفاظ زبان سے نکلنے سے پہلے ہی دم توڑ گئے۔ میں اسے کچھ نہیں بتا سکا۔

میں نے مُردہ لہجے میں کہا۔ ”کوئی پریشانی بھی نہیں ہے۔ تب بھی طبیعت ایسی رہتی ہے۔“

میری اس بات پر ودھات تپے ہوئے لہجے میں بڑبڑایا۔ ”تُو دیوتا کی پرستش نہیں کرتا ہوگا تجھ پر بری آتماؤں کا سایہ ہو گیا ہے۔ صبح

چڑھتے سورج کو سجدہ کر اور پھر مندر جا کر دیوتا کی پوجا کر۔“

میں نے اثبات کے انداز میں سر ہلایا اور اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”میں چلتا ہوں۔“

وہ گرجدار آواز میں بولا۔ ”ٹھہر جا۔“

اس نے لکڑی کے ایک ڈبے سے ہڈیاں نکالیں اور میری طرف بڑھائیں۔ ”یہ تعویذ صبح و شام پانی میں گھول کر اس کا پانی پی لیا کرو۔

طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“



میں نے تعویذ لیا اور وہاں سے باہر آ گیا۔ میں پہاڑ پر چڑھ کے غار میں داخل ہونے کا کوئی چور راستہ تلاش کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے اپنا وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں لگا۔

بہر حال یہ طے کر لیا کہ دوبارہ آؤں گا۔

علیشہ کے دیوداسی بننے کے بعد میرے اندر کی پختگی جیسے ختم ہو گئی تھی۔ شکستگی کے احساس میں یہ عزم بھی کمزور پڑ گیا تھا کہ لوگوں کو خون آشام سوامی کی اصلیت دکھاؤں۔ اس احساس نے سینہ چیر کے رکھ دیا تھا کہ کسی غلط رسم کے خلاف احتجاج کرنے کے بجائے اپنی بیٹی کو اس کی بھینٹ چڑھا دیا لیکن شاید حوصلے کی چند بوندیں میرے اندر ایک بار پھر کسی عزم کو زندہ کر دیتی تھیں۔

دو روز کے بعد میں مکمل تیاری کے ساتھ ودھات کے ٹھکانے کی طرف بڑھا۔

اس پہاڑ تک جہاں سوامی رہتا تھا۔ پہنچنے کے بعد میں پہاڑ کا جائزہ لینے لگا۔ پھر انتہائی محتاط انداز میں پہاڑ پر چڑھنے لگا۔

میری آنکھیں بہت تیزی سے پہاڑ پر غار کے اندر جانے والا کوئی دوسرا راستہ تلاش کر رہی تھیں۔ میں اپنی رسی تھامے پیروں کی مدد سے پہاڑ پر چڑھ رہا تھا۔ اس دوران مجھے کوئی رستہ دکھائی نہیں دیا۔

اس پہاڑ پر چڑھنا ہی بہت مشکل کام تھا۔ غیر ہموار پہاڑ کے نشیب و فراز جس قدر خطرناک تھے اتنے ہی میرے اوپر چڑھنے کے لئے مشکل بھی تھے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد مجھے پہاڑ کے دوسرے حصے پر دو گڑھے دکھائی دیئے۔ جن سے روشنی چھن کر اندر جا رہی تھی۔ میں ان گڑھوں کی طرف بڑھا۔ ان میں سے ایک گڑھے سے راستہ دکھائی دے رہا تھا۔

کچھ یقین سے نہیں کہا جاسکتا تھا کہ یہ راستہ غار کی طرف جاتا ہے لیکن میرا خیال تھا کہ یہ راستہ اسی غار کی طرف جاتا ہوگا۔ میں کہنیوں کے بل رینگتا ہوا اس گڑھے میں داخل ہو گیا۔

اس رستے پر کافی دیر رینگنے کے بعد میں ایک کوٹھڑی میں داخل ہو گیا۔

اس خالی کوٹھڑی میں سوائے خونخوار چمگاڈروں اور خطرناک کیڑے مکوڑوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ کچھ قدم چلنے کے بعد مجھے ودھات کی باتوں کی آواز سنائی دی۔

میں آواز کی سمت کی طرف چلنے لگا۔ چلتے چلتے میں کوٹھڑی کے ایک تنگ حصے میں داخل ہوا۔ یہ کھلا حصہ تھا جسے ایک پتھر کی مدد سے بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن پتھر سرکنے کی وجہ سے دوسرا حصہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

میں اپنے جسم کو پتھر کے پیچھے چھپاتے ہوئے دوسرے حصے میں جھانکنے لگا۔

یہ وہی غار تھی جس تک پہنچنے کا خفیہ رستہ جاننا چاہتا تھا اور اب یہاں تک پہنچنے کے بعد میں چھپتے ہوئے غار کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔

ودھات آنکھیں بند کئے آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے حسب معمول آگ سلگائی ہوئی تھی۔ اس آگ پر اس نے اپنے دونوں ہاتھ



اکڑائے ہوئے تھے۔ وہ کسی عمل میں محو تھا۔ ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ وہ کچھ پڑھ رہا تھا۔

تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ مٹی کے برتن میں پڑی ہوئی مٹی آگ پر پھینکتا جس سے آگ سے رنگ برنگی چنگاریاں بھڑکنے لگتیں۔ وہ کافی دیر تک اسی عمل میں مصروف رہا۔

پھر اس نے اپنی مٹھی بند کی اور مسلسل کچھ پڑھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی مٹھی پر پھونک دیا اس نے اپنے ہاتھ کو ہوا کی طرف اچھالتے ہوئے مٹھی کھول دی۔

خونک غرغراہٹوں کی آواز فضاء میں گونجنے لگی۔ اس وقت کپکپاہٹ کی ایک لہر میرے وجود میں دوڑ گئی۔

دل دہلا دینے والی یہ غرغراہٹوں کی آواز پہاڑ کے پتھروں سے ٹکرا کر پتھروں میں بھی ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

مجھے کچھ انداز نہیں ہو رہا تھا کہ یہ خونک آواز کس سمت سے آرہی ہے۔

میں خوفزدہ ہو کے چاروں طرف دیکھ رہا تھا نہ جانے کہاں سے کوئی بلا نمودار ہو جائے۔

پھر اچانک ایک سفید غبار نے غار کے دوسرے حصے کا منظر دھندلا کر دیا۔

سفید غبار میں ایک بھیڑیا نما آدمی نمودار ہوا۔ جس کی جسامت اتنی بڑی تھی کہ ودھات اور میں اس کے آگے چیونٹی کی طرح محسوس ہو رہے

تھے۔ اسے دیکھ کے میری گھگی بندھ گئی۔ میرے حلق سے بے ساختہ چیخ نکلتے لگی تو میں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

میری سانس بے ترتیب ہو گئیں جس کی وجہ سے میرا سانس پھولنے لگا۔

میرا خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔ بالکل ایسی ہی کیفیت تھی کہ یہاں سے بھاگ جاؤں۔ پیچھے پلٹ کر نہ دیکھوں لیکن میرے من میں ایسا کچھ تھا

جس نے میرے قدموں کو وہیں روک رکھا۔

ودھات اس بھیڑیا نما آدمی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں اکڑائے اور سینہ تان کے فخریہ لہجے میں چلانے لگا۔

”اس اماؤں کی رات بہت بڑا تجربہ ہوگا۔ اس رات تمہارے جیسی جتنی بھی ایسی طاقتیں میرے پاس ہیں ان سب کی آزمائش ہوگی۔

میری پراسرار شکلیوں کا ایک دھماکہ ہوگا۔ جب مٹ جائیں گے آگ دیوتا کے پجاری تو ایک بار پھر انسانی لکی دینے کا ایک سلسلہ شروع ہوگا۔

میرے شیطان دیوتا کی منشا ہزاروں سال پوری ہوگی۔“

ودھات کے قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔ اس وقت وہ خود ایک آسیب دکھائی دے رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں ودھات کی نظروں میں آتا۔ میں وہاں سے نکل پڑا۔

یہ بات سننے کے بعد میں نے گاؤں کے کئی لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کی لیکن کسی نے بھی میری بات کی طرف دھیان نہ دیا۔

علیشہ سے کیا بات کرتا۔ وہ تو اپنے دل و دماغ سے بھگوان کی پجاری بن گئی تھی۔ اس وقت مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہو رہا تھا

کہ ودھات کے مقابلے کا کوئی ایسا عامل ہو جو ہمیں اس ناگہانی آفت سے بچا سکے۔ جس کا مجھے خدشہ ہے۔



ودھات کی بات کا کیا مطلب ہے اماؤں کی رات وہ اپنی جادوئی طاقتوں سے کون سا تجربہ کرنا چاہتا تھا لیکن میں ایک عام سا انسان تھا میرے پاس ایسا کوئی علم نہیں تھا۔ جس سے میں ودھات کے ارادوں کو بھانپ سکتا۔

میں اس ذہنی الجھن میں رہا لیکن کچھ نہ کر سکا۔ دن جیسے آنکھ جھپکتے ہی گزر گیا۔ پوجا کی وہ خاص رات جو اماؤں کی رات بھی ہوتی ہے آگئی۔ اس رات گاؤں کے لوگ مختلف منتوں کے لئے دیوتا کو چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ میں بھی ان پجاریوں میں شامل تھا۔

رات کے اندھیرے میں مندر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ لوگ طرح طرح کے چڑھاوے لے کر مندر میں پہنچے ہوئے تھے۔ جن میں سونے چاندی کی اشیاء تھیں لوگوں نے اپنے روایتی انداز میں پوجا شروع کی۔ کچھ صرف پوجا کرتے رہے اور کچھ اپنی منتوں کے عوض چڑھاوے چڑھاتے رہے۔ مندر میں سینکڑوں لوگ موجود تھے اس لئے آدھی رات تک پوجا جانی ہوتی رہی۔

لوگ دیوتا کی عقیدت کے نشے میں جھوم رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں تنقید کا نام و نشان تک نہ تھا۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد راجہ صاحب نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ پوجا کی اور پھر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ پنڈت نے رقص کی رسم شروع کرنے کو کہا۔ تین دیوداسیاں سولہ سنگھار کئے، دلہنوں کی طرح بھی ہوئیں، رقص کے لئے دیوتا کے آگے پیش ہوئیں۔ میری نظر تو علیشہ پر تھی جو اس وقت دلہن بنی ہوئی تھی۔ میں اپنی علیشہ کوئی زندگی کی شروعات پر دعائیں دے رہا تھا۔

مندر کے ڈھول کی زوردار آواز پر چونک پڑا۔ دیوداسیاں اس ڈھول کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ مخصوص انداز میں رقص کرنے لگیں۔

ڈھول کی آواز کے ساتھ کوئی کچھ نہیں پڑھ رہا تھا لیکن وہ دیوداسیاں اس طرح اشاروں کی مدد سے رقص کر رہی تھیں کہ رقص دیکھنے والے ان کی رقص کی زبان کو سمجھ رہے تھے۔ ان دیوداسیوں کو رقص سے پہلے کوئی نشہ آور دوا بھی پلائی گئی تھی جس کی وجہ سے وہ رقص میں زیادہ ہی مدہوش تھیں۔

دیوتا کی عقیدت میں لوگ بھی جھوم رہے تھے۔ ان تینوں کے چہروں پر خوف کی پرچھائیاں تھیں ان کی آنکھوں کا جل پھیلا ہوا تھا۔

رقص کے بعد تینوں لڑکیوں نے یکے بعد دیگرے کانپتے ہاتھوں سے بھگوان کے دامن میں جلتی آگ میں کچھ پھینکا نہ جانے ایسا کیا اشارہ

ملا کہ مندر میں شور برپا ہو گیا۔ ”دیوتا کو یہ لڑکی بھاگئی ہے۔“

لوگ اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ مجھے کچھ بھی صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لوگ اپنی جگہ پر کھڑے چہ گونیاں کر رہے تھے۔ میں لوگوں کو پیچھے دھکیلتا ہوا آگے بڑھا۔

تو میری بیٹی علیشہ اپنی جگہ پر کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی لیکن اس کے چہرے سے نقاب ابھی نہیں اُترتا تھا۔ خوف سے اس کی آنکھیں بھیگی

ہوئی تھیں۔ دولڑکیاں جو علیشہ کے ساتھ رقص کر رہی تھیں وہ جا چکی تھیں۔ ایک پنڈت آگے بڑھا اس نے علیشہ کے چہرے پر سے نقاب اتار دیا اور

پھر چار پنڈت علیشہ کو لے کر چلے گئے۔

میں چیخا چلاتا لوگوں کے جھوم میں ہی پھنسا رہا۔ کچھ دیر کے بعد جب میں لوگوں کے جھوم کو چیرتا ہوا دیوتا کی مورتی کے پاس پہنچا تو وہی چار

پنڈت علیشہ کی خون میں لت پت لاش کے کرائے اور اسے دیوتا کے سامنے لٹا دیا۔ میں علیشہ کے پاس کھڑا ہوا پتھر کی مورتی کی طرح پتھر بن گیا۔



میری قوتِ گویائی سلب ہو گئی۔ ہاتھ جیسے مذہب کی زنجیروں میں جکڑے گئے۔ بس صرف آنکھیں زندہ تھیں جو بھیگ کر محسوسات کے نوکیلے کانٹوں میں جکڑے زخمی دل کا حال کہہ رہی تھیں۔  
میں اس سانچے کا تماشا بنی بن کے رہ گیا۔

چار پنڈت علیشہ کی لاش کے گرد آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئے۔ چاروں ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کچھ پڑھنے لگے۔ ان کے پاس مٹی کے برتن میں رنگا رنگ پھولوں کی پیتیاں تھیں۔ وہ اپنی مٹھی میں پھولوں کی پیتیاں اٹھائے علیشہ کی لاش پر پھینکنے لگے۔ تو وہ چاروں ہڑ بڑا گئے۔ علیشہ کی لاش اپنی جگہ سے غائب تھی۔

پورے مندر میں بھگدڑ مچ گئی۔  
بیٹی کی موت نے میرے اعصاب ایسے شل کر دیئے کہ میرے اعصاب کا ربط میرے ذہن سے ٹوٹ گیا۔ میرے ہاتھ پاؤں اپنی جگہ پر منجمد ہو گئے لیکن میرے ذہن میں سوچوں کا تلاطم ودھات کے کہے ہوئے الفاظ دہرا رہا تھا۔

”اس اماؤں کی رات بہت بڑا تجربہ ہوگا۔ اس رات تمہاری جیسی جتنی بھی آسیبی طاقتیں میرے پاس ہیں۔ ان سب کی آزمائش ہوگی۔ میری پُر اسرار شکستوں کا دھماکہ ہوگا۔“ میری آنکھ کھلی تو میں کسی دواخانے میں تھا۔ میرے قریب ایک بوڑھا شخص بیٹھا تھا۔ میں ہوش میں آتے ہی علیشہ کا نام پکارنے لگا۔ بوڑھے شخص نے میرا سر تھپتھپانا شروع کر دیا۔ ایک نو عمر لڑکا دو گولیاں لے کر بوڑھے شخص کے قریب آیا۔

”حکیم جی یہ لیں دوا۔“  
حکیم نے وہ دو گولیاں لڑکے کے ہاتھ سے لیں اور میری طرف بڑھاتے ہوئے کہنے لگا۔  
”یہ گولیاں کھا لو۔ طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“

میں ذرا سا اٹھنے لگا تو میرا وجود پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ بازو اور ٹانگیں اس طرح درد کر رہی تھیں جیسے ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ اس طرح محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے بہت سے لوگوں نے مجھ پر ڈنڈوں سے حملہ کیا ہو۔ میں نے سوالیہ نظروں سے حکیم کی طرف دیکھا۔ تو اس نے مجھے سہارا دے کر بستر پر دوبارہ لٹاتے ہوئے کہا۔ ”تم مندر میں بے ہوش ہو گئے تھے۔ مندر میں ہونے والے پُر اسرار واقعے سے مندر میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ کئی لوگ تمہیں پیروں میں روندتے ہوئے گزر گئے اس لئے تمہیں اس قدر سخت چوٹیں آئی ہیں۔ میں نے مرہم پٹی تو کی ہے۔ جلدی ٹھیک ہو جاؤ گے۔ میں جانتا ہوں کہ اس وقت تمہیں سخت درد ہو رہا ہوگا۔“

میں کچھ نہیں سمجھ رہا تھا کہ حکیم کیا کہہ رہا ہے۔ میں تو تذبذب کی کیفیت میں سر کو ادھر ادھر پھینچ رہا تھا۔ میری علیشہ خون میں لت پت میری آنکھوں کے سامنے پڑی تھی۔ اپنی بیٹی کی موت کا تماشا دیکھتا رہا اور کچھ بھی نہ کر سکا۔

حکیم نے میری بات سن کر متاسف لہجے میں سر ہلایا۔ ”وہ تمہاری بیٹی تھی۔ صبر سے کام لو۔ دیوتا تمہیں اس صبر کا اجر دے گا۔ تم یہ گولیاں کھا لو تمہارے جسم کا درد ٹھیک ہو جائے گا۔“



میں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ”مجھے کوئی دوا نہیں لینی۔“

حکیم نے انتہائی شفقت سے مجھے سمجھایا اور دوا کھانے پر مجبور کیا۔ میں نے اس کی بات مانتے ہوئے دوا کھالی۔

وہ گولیاں نیند کی تھیں۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو طبیعت کچھ بہتر محسوس ہو رہی تھی۔ میں بستر سے اٹھنے لگا تو حکیم صاحب میرے قریب

بیٹھ گئے۔ ”کہاں جا رہے ہو؟“

”گھر جانا چاہتا ہوں۔“

”لیکن تمہاری ٹانگوں اور بازوؤں میں چوٹیں لگی ہیں۔ ایک دو روز ادھر ہی گزار لو۔ جلدی آرام آ جائے گا۔“ حکیم نے مجھے سمجھایا لیکن

میں بضد تھا۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی اپنی دوائی لی اور وہاں سے چل دیا۔

میں ایک چھڑی کی مدد سے لنگڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ جس قدر میرا جسم شکستہ حال تھا اس سے زیادہ میں اندر سے ٹوٹ چکا تھا۔ مجھے اپنے جینے

پر ندامت ہو رہی تھی۔ گھائل روح اور شکستہ وجود کے ساتھ میں کب سوچ میں گم اپنے گھر پہنچ گیا پتہ ہی نہ چلا۔

صبح میں بچھی چارپائی پر بے سدھ گر گیا۔

شام کا وقت تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ آسمان پر سرخی سی چھا گئی تھی۔ جس سے دن کی روشنی بھی سرخی مائل ہو گئی تھی۔ خاموشی میں علیشہ

کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ”بابا آپ ہاتھ منہ دھولیں۔ میں کھانا لے کر آ رہی ہوں۔“

میں جیسے تڑپ اٹھا۔ ”علیشہ!“

لیکن میری آواز جیسے خالی گھر کی دیواروں سے ٹکرا کر واپس آ گئی۔

اس گھر میں سوائے تنہائی و ویرانی کے اور کچھ نہیں تھا۔ میرا دل و دماغ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ علیشہ مجھے ہمیشہ

ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

میں چارپائی پر لیٹا آسمان کو گھورتا رہا۔ یہ رات گزارنا میرے لئے بہت مشکل تھا۔ آسمان کے جگمگاتے ستاروں میں مجھے علیشہ کی چمکتی

آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ خاموشی میں ہی اپنی آنکھوں سے کتنی باتیں کہہ جاتی۔

پھر میں آنسو پونچھتا ہوا اندر کمرے میں چلا گیا۔ علیشہ کی الماری کھولی اور اس کی چیزوں کو ہاتھ سے چھو کر سکون سا ملا۔

میں نے علیشہ کا سرخ پراندہ ہاتھ میں لیا تو اس کی آواز جیسے میرے کانوں سے ٹکرائی۔ ”میں نے میلے کے لئے بہت سا سامان لینا ہے۔“

میں سوچنے لگا کس قدر خوش ہوئی تھی علیشہ جب میں نے اسے یہ پراندہ لا کے دیا تھا۔

آہستہ آہستہ میرا دماغ پچھلے تمام واقعات دہرانے لگا۔

دلہن بنی پوجا کا رقص کرتی ہوئی علیشہ جس کا رقص موت کا رقص بن گیا۔ اس کی خون میں لت پت لاش اور پھر لاش کا غائب ہو جانا۔ میں

اپنا سر پکڑے چیخنے لگا۔ میں تڑپ رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔



میں بے اختیار اپنے اوپر پانی پھینکنے لگا۔

میرا دل ڈوب رہا تھا میں اسی کیفیت میں گھر سے ایسے بھاگا جیسے کوئی آگ میں جلتے گھر سے بھاگتا ہے۔ یہ آگ میرے دل و دماغ میں بھڑکی تھی۔ جس سے میں فرار حاصل نہیں کر سکتا تھا۔

میں دیوانہ وار بھاگتا رہا۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ میں بھاگتا جا رہا تھا۔ ایسے مدہوش تھا جیسے بند آنکھوں سے بھاگ رہا ہوں۔ ہوش تب آیا جب میں کسی چیز سے ٹکرا کے منہ کے بل گرا۔

میرے ہاتھ مٹی میں دھنس گئے۔ میں نے نظر اٹھائی تو میری آنکھوں کے سامنے قبر کا کتبہ تھا۔ جس پر کسی کا نام درج تھا۔ میں کسی قبر کے اوپر لیٹا ہوا تھا میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے مبہوت نظروں سے ارد گرد دیکھا تا حد نظر قبریں ہی قبریں تھیں۔ میں ایک قبرستان میں تھا لیکن میں یہاں تک کیسے پہنچ گیا۔

ہمارے مذہب میں دو فرقے تھے۔ ایک فرقہ مردوں کو زندہ جلا دیتا تھا اور دوسرا فرقہ مردوں کو تابوت میں ڈال کے دفن کر دیتا تھا۔ رات کے سناٹے میں چھوٹے چھوٹے جانوروں کی مہین سی آوازیں گونج رہی تھیں۔ ودھات کے فقرے میرے ذہن میں گونجنے لگے۔ میں نے بھیگی آنکھوں سے قبروں کی طرف دیکھا۔ ”میں تو اپنی بیٹی کی قبر پر بیٹھ کے رو بھی نہیں سکتا۔“

ودھات کے بارے میں سوچنے لگا تو غصے سے میری سانس پھولنے لگی۔ آنکھیں انکاروں کی طرح دکھنے لگیں۔ میں چیخنے لگا۔ ”تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جانوروں کو کھلا دوں گا۔ تیری بھی قبر نہیں بنے گی۔“ میں نے اپنے قدم واپس موڑے۔ تو مجھے کسی نے پیچھے سے پکارا۔ ”ٹھہرو۔“

پلٹ کر دیکھا تو ایک ضعیف شخص درخت سے پشت لگائے بیٹھا تھا۔ میں نے بوڑھے کو دیکھتے ہوئے سوچا یہ شخص پہلے بھی یہاں تھا۔ شاید میرا دھیان نہیں پڑا ہو۔

میں اس کے قریب گیا تو اس نے مجھے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔

بوڑھے شخص نے سفید چولا پہنا ہوا تھا۔ میں نے اسے سر تا پا دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اتنی رات گئے تم قبرستان میں کیا کر رہے ہو؟“ میرے اس سوال پر اس نے تضحیک آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔

”تم قبرستان میں کیا کر رہے ہو؟“

بوڑھے کے اس سوال پر میں گلو گیر لہجے میں بولا۔ ”میری تو.....“

ابھی میری زبان سے پورا جملہ ادا نہیں ہوا کہ بوڑھا شخص آنکھیں جھکائے بولا۔ ”جانتا ہوں کہ تمہاری بیٹی علیشہ کے ساتھ کیا ہوا۔“ اس کی بات پر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ میں نے اس کے لہجے میں ہمدردی ٹٹولتے ہوئے کہا۔

”آپ بھی کیا انہی لوگوں میں سے تھے جو تماثائی بنے مندر میں یہ سب ماجرا دیکھ رہے تھے۔“



میرے اس سوال پر بوڑھے نے نفی کے انداز میں سر ہلایا۔

”میں تو بیس سال سے اسی جگہ پر ہوں۔ نہ کہیں گیا اور نہ کبھی کسی سے ملا۔“  
”تو پھر علیشہ کے متعلق کیسے جانتے ہو.....؟“ میں نے تعجب سے پوچھا۔

بوڑھے نے آنکھیں اٹھا کے میری طرف دیکھا تو خوف کی تھر تھراہٹ میرے پورے وجود میں دوڑ گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایسی نیلا ہٹ تھی جیسے اس کے جسم میں خون کا قطرہ تک نہ ہو۔ ہونٹوں پر ایسی پھری جی تھی جیسے کب کا پیاسا ہو۔

میری طرف دیکھتے ہوئے اس کی گردن کی ساری رگیں کھڑی ہو گئیں۔ مجھے وہ اس وقت بہت بھیاں دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آواز بہت گرج دار تھی وہ مجھے کچھ بتانا چاہتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنی بات شروع کی۔ ”ودھات کو مار کے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اس نے جو کرنا تھا کر لیا ہے۔“  
”کیا کیا ہے اس نے۔ تم مجھے کچھ بتا سکتے ہو؟“  
میں بے چین ہو گیا۔

”اس نے ایک خاص عمل کے ساتھ تمہاری بیٹی کو دفن کر دیا ہے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کب جاگے گی لیکن وہ جب بھی جاگے گی ایک ایسی بھیاں آتما کے روپ میں ہوگی جو بے پناہ شیطانی شکلیوں کی مالک ہوگی۔ تمہاری علیشہ ہزاروں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ دیوتا کو خوش کرنے کے لئے علیشہ خود لڑکیاں ڈھونڈے گی اور انہیں آگ دیوتا کی بھیٹ چڑھائے گی۔“  
جو جو علیشہ کے ہاتھ سے مرے گا اس کی روح کو مکتی نہیں ملے گی وہ علیشہ کی طرح ہی ہو جائے گا۔ علیشہ جو آج تمہاری بیٹی کا نام ہے کل آنے والی نسلوں کی موت ہوگی۔ جب مٹ جائیں گے آگ دیوتا کے پجاری تو ایک بار پھر انسانی بکلی کا ایک سلسلہ شروع ہوگا۔ شیطان دیوتا کی منشا ہزاروں سال پوری ہوگی۔ یہی فقرہ کہا تھا نا ودھات نے۔“ بوڑھے نے کہا۔  
میں نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں سر ہلایا۔

”ہاں یہی فقرہ کہا تھا لیکن میں کس طرح علیشہ کی لاش ڈھونڈوں۔ کیا میں یہ خوفناک عمل روک سکتا ہوں۔“  
”ودھات کا عمل بہت سخت ہے لیکن پھر بھی اس کا توڑ ہے۔ ودھات نے علیشہ کو خاص علوم کے ساتھ ایک تابوت میں بند کیا ہے۔ اس نے علیشہ کو کہاں دفن کیا ہے۔ یہ میں نہیں بتا سکتا لیکن اگر علیشہ کو وہاں سے نکال لیا جائے۔ اس کی لاش کی عام رسومات ادا کی جائیں اور پھر اسے مذہبی طریقہ کار کے ساتھ دفن کیا جائے تو اس کی آتما کو مکتی مل جائے گی۔ اگر یہ کام تم نہ کر سکو تو جب بھی کوئی علیشہ کی لاش کو اس کی قبر سے نکالے گا۔ اگر وہ یہی عمل علیشہ کی لاش کے ساتھ کرے گا تو علیشہ کی روح شیطانی علوم کے شکنجے سے باہر آ جائے گی تو ودھات کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔“  
لیکن علیشہ کی لاش ایسے ہی دفن رہی تو جب بھی کسی کو اس کی لاش مل گئی۔ یوں کہہ لو کہ جب بھی یہ لاش زمین سے باہر آئے گی تو جنات خود ہی اس لاش کو اڑالے جائیں گے۔ بس، یہ شرط پوری ہوتے ہی کہ کسی طرح علیشہ کی لاش زمین سے باہر آ جائے۔ تب ہی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ جاؤ ہمت کرو اور اس ودھات سے پوچھو کہ علیشہ کی لاش کہاں دفن ہے لیکن ایک بات کا خیال رہے کہ ودھات تمہارے ہاتھ سے قتل نہ ہو۔“



”کیوں؟“ میں نے پوچھا۔

”اس لئے کہ ودھات نے جو باپ علیشہ کے لئے کیا ہے چالیس روز تک وہ خود بھی ان شیطانی علوم کی زد میں ہے۔ اگر ان چالیس دنوں کے اندر ودھات کو کسی نے قتل کر دیا یا وہ کسی بھی طرح سے مر گیا تو وہ اور علیشہ ایک ہی صورت حال کا شکار ہوں گے۔“ یہ کہنے کے بعد وہ بوڑھا شخص اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا اب وہ بالکل خاموش تھا۔

میں نے اس سے کچھ اور پوچھنا چاہا لیکن اس کی خاموشی دیکھ کے میں کچھ مزید نہیں پوچھ سکا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا چلنے لگا۔ جب اس کی پشت میری جانب ہوئی تو میں کانپ اٹھا۔ گردن سے شروع ہو کے کمر کے نچلے حصے تک اس کا جسم سلا ہوا تھا۔ اس کے جسم کے ٹانگے بالکل تازہ تھے۔ جن سے خون رس رہا تھا۔ میرے حلق سے ہلکی جیسی آوازیں نکلنے لگیں۔

اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں موت کے بعد کی خاموشی تھی۔ پھر وہ دھیرے دھیرے اس قبر کی طرف بڑھنے لگا جس پر میں گرا تھا۔

اس قبر کے پاس جا کے وہ غائب ہو گیا۔

میرے پورے جسم پر تھر تھراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔ تھوڑی دیر کے لئے میرا دماغ سن ہو گیا۔ اعصاب شل ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد میں خود کو سنبھالتے ہوئے واپس گھر کی طرف بڑھا۔

میں سنسنی خیز واقعات یکے بعد دیگرے دیکھ رہا تھا لیکن اب مجھے خوف کو بالائے طاق رکھنا تھا۔ میں ایک ایسے راستے کا مسافر تھا جس میں میری موت یقینی تھی لیکن مجھے ودھات کے پاس ہر حال میں جانا تھا۔ میں مانتا ہوں کہ ایسے جادوگر کے پاس اس طرح جانا خودکشی کے مترادف ہے لیکن میرا جنون عقل کے دروازے پر دستک نہیں دینے دے رہا۔ میرے پاس ایسا کوئی وسیلہ تھا ہی نہیں جس پر مجھے مان ہو۔

میں نے بس کچھ ضروری اسلحہ لیا۔ کچھ اور ضرورت کی چیزیں لیں اور اپنے گھوڑے کی لگام درست کر کے اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ ودھات اسی غار میں ہوگا جہاں وہ اکثر اپنے باپ کیا کرتا تھا۔

میں اسی پہاڑی سلسلے کی طرف بڑھا۔

میں بہت احتیاط سے چور راستے سے اس غار میں داخل ہوا لیکن ودھات وہاں موجود نہیں تھا۔ میں پھر اس کی حویلی کے راستے کی طرف چل دیا۔ اس کی حویلی اس پہاڑی سلسلے سے کافی فاصلے پر تھی۔

میں جلد حویلی پہنچنا چاہتا تھا لیکن مجھے راستے میں اچھا خاصا وقت لگ گیا۔

حویلی کے قریب پہنچا تو رات کی گھمبیر تاریکی میں سوامی کی حویلی کے تمام حصے روشن تھے۔ میں حویلی میں داخل ہونے کا چور راستہ جانتا تھا۔ دیوار پھلانگ کے کامیابی کے ساتھ میں حویلی میں داخل ہو گیا۔

اندر داخل ہونے کے بعد میں درختوں کی آڑ میں چھپتا ہوا حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہونے کا رستہ ڈھونڈنے لگا۔ حویلی کے



سارے دروازوں پر پہرے دار کھڑے تھے۔ میرے پاس بے ہوشی کی دوا میں تر کئے ہوئے رومال تھے۔ میں دیوار سے پشت لگائے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔

میں نے نہایت ہوشیاری سے پہرے دار کو پیچھے سے پکڑتے ہوئے رومال اس کی ناک پر رکھ دی۔ وہ بے ہوش ہوا تو اس کے قریب کھڑے ہوئے پہرے دار نے خنجر پر مجھ پر حملہ کیا۔ وہ جونہی میری طرف لپکا میں نے اپنا خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا۔ اس کے حلق سے چیخ روکنے کے لئے اس کے ناک پر رومال رکھ دیا۔

دونوں پہرے داروں کی اموات کا دوسرے پہرے داروں کو علم نہ ہوسکا۔ میں حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ نچلے سارے کمروں کا میں نے جائزہ لیا۔ وہ نیچے نہیں تھا۔ میں زینہ چڑھ گیا۔ بالکونی کے کمرے کی مشعلیں روشن تھیں۔ میں تیزی سے زینہ پھلانگنے لگا اور پھر کمرے کی دیوار سے چپت چپٹ گیا۔ میں نے آہستہ آہستہ کھڑکی کی طرف جھانکا۔ سوامی اس وقت کمرے میں اکیلا بیٹھا مٹی کے پیالے میں کوئی مشروب پی رہا تھا۔

میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ مجھے اس طرح دیکھ کے سوامی ہڑبڑا اٹھا۔  
 ”تم اس وقت یہاں کیوں آئے ہو۔ تمہیں پہرے داروں نے اندر کیسے آنے دیا؟“  
 میں ڈرامائی انداز میں رونے لگا۔ ”گرو جی! بیمار ہوں، لاغر ہوں، پریشان حال ہوں، بس من میں آپ کا خیال آیا اور آپ کے پاس حاضر ہو گیا۔“

”پہرے داروں نے تمہیں نہیں بتایا کہ میں اس وقت کسی سے نہیں ملتا۔ تم اس وقت جاؤ، صبح آجانا، تمہارا مسئلہ سن لوں گا۔ ابھی میرے آرام کا وقت ہے۔“

میں نے دونوں ہاتھ آپس میں جوڑے سوامی کے قریب گیا اور پھرتی سے اس کی گردن کو اپنے بازوؤں میں جکڑتے ہوئے تلوار اس کے حلق پر رکھ دی۔

”بتا دندے! میری علیشہ کو تم نے کہاں دفن کیا ہے؟“  
 میرے اس سوال پر وہ ہنسا۔

”اگر سب کچھ جان گئے ہو تو سنو۔ تم مجھے مار بھی دو گے تو بھی تمہیں علیشہ کی لاش کے متعلق نہیں بتاؤں گا۔ مجھے کیا تلوار سے ڈراتا ہے کہ ہم موت کے بعد انت جیون پر نظر رکھنے والے موت کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ ایک موت کے بعد تیری بیٹی کا جیون بھی ہزاروں برس ہے۔“

میں سوامی کے دھیان میں تھا۔ علم نہ ہوسکا کہ اس کے آدمی نے پیچھے سے مجھ پر وار کر دیا۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹا تو اس کی تلوار نے سوامی کا سینہ چاک کر دیا۔

شیطانیت کا بادشاہ اپنے ہی ساتھی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس آدمی نے مجھ پر وار کیا۔ خوفناک مقابلے کے بعد اس آدمی کو موت کے گھاٹ



اتارتے ہوئے میں حویلی سے باہر نکلنے کے لئے بھاگا۔ حویلی کے چاروں طرف سے سوامی کے آدمی میرے پیچھے بھاگنے لگے۔ میں ان سے کافی دور تھا۔ میں اپنے گھوڑے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ مجھ پر تیروں کی بارش ہو گئی۔

دو تیر میرے سینے اور چار تیری میری پیٹھ پر لگے۔ میں اسی حالت میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جہاں جہاں سے گزرتا رہا زمین میرے خون سے رنگی رہی۔ سوامی کے آدمی اب میرے پیچھے نہیں آرہے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ زہر بھرے یہ تیر مجھے موت کی نیند سلانے کے لئے کافی تھے۔ گھر آتے ہی اپنے جسم سے تیر نکالے تو دھیرے دھیرے ختم ہوتی زندگی کا درد محسوس ہونے لگا۔ غم موت کا نہیں ہار جانے کا ہے۔ کاش میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا۔ شاید میری روح کو اس وقت تک چین نہ آئے جب تک یہ مقصد پورا نہ ہو.....“

اس سے آگے کتاب میں کچھ نہیں لکھا تھا۔ ہسمیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”لگتا ہے کہ لکھنے والے کی زندگی کے ساتھ ہی کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ خون کی یہ چھینٹیں دیکھو۔ یہ سطریں اس نے اس حالت میں لکھی ہیں۔ جب اس کے سینے اور کمر میں تیر پیوست تھے۔ اس کا جنون اسے موت کے منہ سے تو نہیں بچا سکا لیکن اس کی روح اپنے مقصد کے لئے ابھی تک بھٹک رہی ہے۔“

واصلہ نے ہسمیم کی طرف دیکھا۔ ”ہمیں نہیں ہارنا۔ ہمیں ہر حال میں اس مقصد کو پورا کرنا ہے۔“ ہسمیم نے واصلہ کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔ ”حوصلے مضبوط ہوں تو انسان بڑے سے بڑے خوف کا مقابلہ کر لیتا ہے۔ بس ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہے ہم اس مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس کتاب کو اپنے ساتھ رکھنا۔ ایک لمحے کے لئے بھی اسے خود سے دور نہیں کرنا۔“ واصلہ نے اپنے گلے میں لٹکے ہوئے ایک بیگ میں وہ کتاب رکھ لی۔

وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ ان کی تاحد نظر قبریں ہی قبریں تھیں۔ یہ سب کچھ ایسا ہی تھا جیسے کسی قبرستان کو چار دیواریوں اور چھت کے بیچ قید کر لیا ہو۔ انہی دیواریوں پر چار ہزار سال پرانی زبان میں جو مجوسی بولتے تھے، مختلف قسم کے جادوئی ٹونے اور علامتیں لکھی تھیں۔

دونوں نے چھت کی طرف دیکھا تو یوں لگا جیسے ریگننے والے مختلف قسم کے زہریلے جانور لٹکے ہیں۔ ہسمیم اور واصلہ نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور انہیں قریب سے دیکھنے لگے۔ زنگ آلود زنجیروں سے لٹکی ہوئی اشیاء جو انہیں دور سے ریگننے والے جانوروں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں قریب سے دیکھنے پر واصلہ کو متلی ہونے لگی۔

سانپ اور نیولوں کی جلد کی بنی پوٹلیوں میں کچھ بھر کر انہیں ان زنجیروں سے آویزاں کیا گیا تھا۔ ہسمیم نے پوٹلی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو واصلہ نے اس کا ہاتھ پیچھے کر دیا۔ ”ہم ان پوٹلیوں کی حقیقت جانتے ہیں کہ آتش پرست لوگ مختلف قسم کے جادوئی عملوں میں زہریلے جانوروں کی کھال کا استعمال کرتے



تھے۔ ان پوٹلیوں میں مختلف قسم کے تعویذ یا ٹونوں کا سامان ہوگا۔“

”ہمیں یہ تابوت کھولنا چاہئے۔“

ہصیم نے اپنی توجہ تابوت کی طرف مرکوز کر دی۔

وہ دونوں تابوت کے قریب آئے۔ ہصیم نے تابوت کا جائزہ لیا۔ تابوت سادہ انداز میں بند کیا گیا تھا۔ اسے کھولنا آسان تھا۔  
واصلہ اور ہصیم نے مل کر تابوت کھولا تو سفید غبار سے ان کی آنکھوں کے آگے دھندلاہٹ چھا گئی۔

دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کے آگے سے سفید غبار پیچھے کرنے لگے لیکن وہ کچھ بھی صاف طور پر نہیں دیکھ پا رہے تھے۔

واصلہ نے پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔“

ہصیم نے کہا۔ ”تھوڑا انتظار کرو۔ تھوڑی سی دیر میں دھواں ختم ہو جائے گا۔“

وہ دونوں تابوت کے پاس کھڑے رہے۔ دھندلاہٹ جوں کی توں ہی تھی۔

ہصیم نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی جیب سے لائٹر نکالا اور اسے تابوت کے اندر لے جاتے ہوئے جلا دیا۔ جونہی لائٹر جلا دھواں ایک پل

میں ختم ہو گیا۔

دونوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وہ معصوم بچی جو کچھ دیر پہلے انہیں اپنے پیچھے پیچھے اس ہال تک لے کر آئی تھی۔ وہ ایک لاش کی شکل میں تابوت میں لیٹی تھی۔ خوف سے

واصلہ کا پورا جسم تھرتھرا گیا۔

زندگی سے بھرپور جیتی جاگتی بچی جو انہوں نے کچھ دیر پہلے دیکھی تھی۔ ایک بھیاںک لاش کی شکل میں اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔ اس

کے جسم کی جلد سلیٹی مائل ہو گئی تھی۔ کھلی ہوئی آنکھیں اپنی جگہ اس طرح اکڑ گئی تھیں جیسے وہ لاش واصلہ کو گھور رہی ہو۔ دونوں بغیر کچھ کہے ایک دوسرے

کی طرف گھور رہے تھے۔

ہصیم اور واصلہ تابوت کے پاس بیٹھ گئے اور سر تاپا لاش کا جائزہ لینے لگے۔ انہیں بظاہر تو اس کی موت کی کوئی وجہ نظر نہیں آرہی تھی۔ اس

جگہ کوئی معصوم بچی نہیں ہو سکتی۔ ایسی جگہ پر کسی زندہ انسان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تو یہ بچی کس طرح ہمیں اپنے پیچھے پیچھے یہاں لے آئی۔ ہصیم

نے بچی کی لاش کی طرف ہاتھ بڑھایا تو واصلہ نے اسے لاش کو ہاتھ لگانے سے روکا۔

ہصیم نے اشارتا اسے سمجھایا اور لاش کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس وقت ہصیم کے دل کی دھڑکنیں اس کے قابو میں نہیں تھیں۔ اس نے بچی

کے چہرے کو خفیف سے انداز میں چھوا اور اس کے چہرے کو دونوں طرف سے دیکھا۔ پھر اس کی گردن کا معائنہ کیا۔ اس نے بچی کے بازو بھی دیکھے۔

جب اس نے پاؤں دیکھے تو جس پاؤں سے ان دونوں نے خون رستا دیکھا تھا وہ پاؤں جھلسا ہوا تھا۔

ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”یہی دیکھنا چاہتا تھا۔“



یہ کہہ کے وہ دونوں ایک اور تابوت کی طرف بڑھے۔

انہوں نے وہ تابوت کھولا تو اس میں کسی آدمی کی لاش تھی۔ اس کا پورا جسم جگہ جگہ سے جھلسا ہوا تھا۔

واصلہ نے اپنی آنکھوں کے آگے ہاتھ رکھ لیا۔ ہصیم نے یکے بعد دیگرے بہت سے تابوت کھولے۔ ان میں بہت سے مردوں اور عورتوں کی لاشیں تھیں۔ مردوں کی لاشیں جھلسی ہوئی تھیں اور لڑکیوں کی لاشوں کا سینہ چاک کیا گیا تھا۔

یہ لاشیں دیکھ کے ہصیم دیوار سے سرخ کے رہ گیا۔ واصلہ نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ”یہ ساری لاشیں دیکھ کے کیا کرو گے۔“

ہصیم نے مُردہ لہجے میں کہا۔ ”یہ سب کے سب انہی خوفناک بدروحوں کا شکار ہوئے ہیں۔ اسی علیشہ کے ہاتھوں مرے ہیں جو اپنی شیطانی شکلیوں کا جال نہ جانے کہاں تک پھیلا چکی ہے۔ جتنے لوگ اس کے ہاتھوں مرے ہیں یہ اتنے نہیں ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ پورے گاؤں کو تباہ کر کے وہ کسی اور جگہ کو تباہی کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔“ واصلہ نے کہا۔

ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”لیکن ہماری اس پُر اسرار جگہ پر موجودگی کے پیچھے بھی کوئی بہت بڑا راز ہے۔ کوئی غیبی طاقت ہمیں ان بدروحوں کے خاتمے کے لئے راہ دکھا رہی ہے۔ لیکن ہم سمجھ نہیں پا رہے۔“ یہ کہتے ہوئے ہصیم ان تابوتوں کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے ان تابوتوں کی طرف بڑھنے لگا۔ دو تین تابوت تھے جو ہصیم نے ابھی تک نہیں کھولے تھے۔ واصلہ بھی اس کے ساتھ چلتی ہوئی تابوت تک آ گئی۔

ہصیم نے تابوت کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس کا سر تابوت کی طرف جھکا ہوا تھا۔

اچانک کوئی اس سے ٹکرا کے گزرا۔

وہ سراو پر کئے بغیر بولا۔ ”کہاں جا رہی ہو واصلہ! ادھر رہی رہو میرے پاس۔“

واصلہ جو اس کے داہنی طرف کھڑی تھی، حیرت سے بولی۔ ”میں تو یہیں کھڑی ہوں۔“

ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”تم مجھ سے ٹکرا کے نہیں گزری۔“

”نہیں! میں تو اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں ہلی۔“

واصلہ کا جواب سن کے ہصیم متعجب نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

واصلہ چاروں طرف نظریں گھما کے کچھ سوچنے لگی۔ پھر اس نے مہین سے انداز میں کہا۔

”تمہیں اگر کچھ محسوس ہوا ہے تو دھیان مت دو۔ تم تابوت کھولو۔“

ہصیم نے تابوت کھولنا چاہا تو واصلہ نے اس کے ساتھ مل کر تابوت کا ڈھکن کھولا۔ تابوت میں ایک لڑکی کی لاش تھی۔ اس کا چہرہ جانا پہچانا

لگ رہا تھا۔

ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”یہ لڑکی.....“



دونوں کے ذہنوں میں ایک دھندلا سا عکس ابھرا جو کچھ دیر کے بعد شفاف چہرے میں بدل گیا۔

یہ لڑکی ان دولڑکیوں میں سے ایک تھی۔ جن کی لاشیں گاؤں کی پرانی حویلی میں دفن تھیں۔ لڑکی کی شناخت کے بعد انہوں نے فوراً دوسرا تابوت کھولا۔ اس میں دوسری لڑکی کی لاش تھی۔ ہمسیم کا شک درست ثابت ہوا۔ جن دولڑکیوں کی لاشیں گاؤں کی پرانی حویلی میں دفن تھیں۔ وہ دونوں لاشیں یہاں موجود تھیں۔

ہمسیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”تم سمجھ رہی ہو کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔“

واصلہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ ”شاید تم بھی وہ سوچ رہے ہو جو میں سوچ رہی ہوں۔ یہ دولڑکیاں انہی بدروحوں کا شکار بنی۔ اس کے بعد یہ بھی انہی میں شامل ہو گئیں۔ یہ وہی لڑکیاں ہیں۔ جنہوں نے گدھوں کی شکل میں ہم پر حملہ کیا تھا۔“

ہمسیم دیوار سے پشت لگائے کچھ سوچنے لگا۔

واصلہ اس کے قریب آئی۔ ”تم کیا سوچ رہے ہو؟“ ہمسیم معنی خیز لہجے میں بولا۔

”ذرا سوچو واصلہ! یہ دولڑکیاں ان بدروحوں کا شکار ہوئیں۔ یہ انہی میں شامل ہو گئیں۔ یہاں جتنے لوگوں کی لاشیں ہیں۔ وہ سب انہی بدروحوں کا شکار بنے ہیں۔“

واصلہ نے کہا۔ ”تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ جن لوگوں کی لاشیں یہاں موجود ہیں۔ ان کی روہیں اسی بدروحوں کے گروہ میں علیشہ کے ساتھ ہیں۔ کسی خاص مقصد کے تحت ان لوگوں کی لاشوں کو یہاں محفوظ کیا گیا ہے۔“

ہمسیم بلا تامل بولا۔ ”ہمیں ان لاشوں تک پہنچایا گیا ہے۔ اب ہمیں کسی طرح علیشہ اور سوامی کی لاش مل جائے۔ کتاب کے مطابق ہم علیشہ اور سوامی کی لاش کی اور ان لاشوں کی تدفین اور تکفین کی مذہبی رسومات پوری کریں تو ان کی روہوں کو کتی مل جائے گی اور سوامی کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ معصوم لوگوں کی اموات کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔“

دونوں کا دھیان اس آخری تابوت کی طرف گیا جو انہوں نے ابھی نہیں کھولا تھا۔ دونوں اکٹھے ہی تابوت کی طرف بڑھے۔ ہمسیم تابوت کے پاس بیٹھ کے تابوت کھولنے لگا تو اس نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ واصلہ اس طرف سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ہر دفعہ تابوت کھولتے وقت پورے جسم میں خوف کی تھر تھراہٹ محسوس ہوتی تھی۔

ہمسیم کا ہاتھ بھی کانپنے لگا۔ ہمسیم نے تابوت کھولا تو واصلہ کی چیخیں نکل گئیں۔ ہمسیم نے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ واصلہ ہمسیم کے شانے سے جا لگی اور اونچی اونچی آواز میں رونے لگی۔

تابوت میں شازہ کی لاش تھی۔ ہمسیم کی بھی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ واصلہ کے بال سہلانے لگا۔ ”سنجھا لو اپنے آپ کو۔“

واصلہ نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے ہمسیم کی طرف دیکھا۔ ”مجھے بہت آس تھی کہ شاید شازہ زندہ ہو۔ ایسی ہی امید لے کر جاسم بھی اس کی تلاش میں نکلا تھا۔ وہ بھی نہ جانے.....“



واصلہ پورا جملہ نہ بول پائی تھی کہ ہمسیم نے اسے ٹوک دیا۔ ”میرا دل کہتا ہے کہ جاسم زندہ ہے۔ اس کے حوصلے بہت بلند ہیں۔ ایسے لوگوں کو موت جلدی نہیں لگتی۔“

ہمسیم نے تابوت بند کر دیا۔

بھگی ہوئی نگاہوں میں اسے واصلہ کا چہرہ دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ واصلہ کے آنسو پونچھنے لگا۔

”شازہ جس طرح سے ہماری آنکھوں کے سامنے غائب ہوئی تھی۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ زندہ بچے گی۔“

واصلہ نے ہمسیم کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ دیں۔ ”ہم علیشہ اور سوامی کی لاشیں کہاں ڈھونڈیں؟“

واصلہ کی بات کا جواب ہمسیم تو نہ دے سکا لیکن خوشبو کے ایک جھونکے نے ان کی سانسیں معطر کر دیں۔ یہ وہی خوشبو تھی جو اس خاص بزرگ کی آمد پر فضا میں پھیل جاتی تھی، جس کی مدد سے وہ اس جگہ پہنچے ہوئے تھے۔

ہمسیم جان چکا تھا کہ وہ بزرگ کون ہے۔ وہ روح ہے علیشہ کے باپ کی روح۔ جس کی لکھی ہوئی کتاب ان کے پاس موجود تھی۔

ہمسیم بے چینی سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ”آپ ہمارے سامنے آئیں ہم آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کسی بھی روپ میں ہمارے سامنے آئیں۔“

ہمسیم کو اس کی بات کا کوئی جواب نہ ملا۔ وہ اونچی اونچی آواز میں بولنے لگا۔ ”کہاں ڈھونڈیں ہم علیشہ اور سوامی کی لاش ہمیں یہاں تک پہنچا دیا ہے تو آگے بھی ہمیں رستہ دکھائیں۔“

دیوار کو چیرتی ہوئی روشنی ہمسیم کی آنکھوں سے ٹکرائی۔ ہمسیم کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس روشنی کے ساتھ ہی وہی خوشبو کا جھونکا ان کی سانسوں میں سرایت کر گیا جو اسی مدگار بزرگ کی آمد پر ہر سو بکھر جاتی تھی۔

ان لمحوں میں ہمسیم اور واصلہ پر دباؤ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔

وہ کچھ نہ کہہ پائے۔

روشنی ختم ہوتے ہی اس کا طلسم بھی ختم ہو گیا۔

ان کی آنکھوں کے سامنے وہی کتاب تھی جو واصلہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر سامنے پتھر پر پڑی تھی۔

اس کے صفحات تیزی سے پلٹ رہے تھے۔

کتاب کا وہ صفحہ جس پر کتاب کی تحریر ختم ہو گئی تھی جب پلٹنا تو کتاب کے صفحات پلٹنا بند ہو گئے۔ اس صفحے کے بعد صفحات خالی تھے۔ ان میں کچھ نہیں لکھا تھا۔

وہ صفحات کھلے پڑے تھے۔ لیکن ہمسیم اور واصلہ کو اتنی دور سے کچھ صاف طور پر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ دونوں اس کتاب کے قریب گئے تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔



کتاب کے وہ صفحات جو انہوں نے خالی دیکھے تھے۔ ان میں کچھ لکھا ہوا تھا جو سطریں لکھی تھیں وہ کسی سیاہی سے نہیں بلکہ نور سے لکھی گئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے چھونے پر یہ حروف غائب ہو جائیں گے۔

ہصیم نے سطریں پڑھنا شروع کیں۔ ”جو عمل سوچا ہے کر لو ان مردوں پر۔ مگر یہ سہل نہیں زندگی داؤ پر لگانا ہوگی، یہ کچے گھڑے دیکھو۔“ یہ سطریں پڑھنے کے بعد ہصیم نے صفحہ پلٹنے کے لئے صفحے کو ہاتھ لگایا تو وہ نورانی حروف غائب ہو گئے۔ ہصیم نے کھوئے انداز میں واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”کون سے عمل کے بارے میں لکھا ہے۔“

واصلہ نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ جہاں اسے دو کچے گھڑے نظر آئے۔ وہیں اس کی نظر ٹھہر گئی۔

”یہ گھڑے دیکھو شاید کچھ سمجھ آ جائے۔“ واصلہ نے ہصیم سے کہا۔ وہ دونوں کچے گھڑوں کی طرف بڑھے جو ایک چٹائی کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔

ہصیم نے چٹائی پیچھے کی۔ گھڑے مٹی کے پیالے سے ڈھانپے گئے تھے۔ ہصیم نے گھڑے پر سے مٹی کا پیالہ ہٹایا تو اس کے اندر گلاب کے تازہ پھولوں کی پتیاں تھیں۔ اس نے پتیاں پیچھے کیں تو اس کے نیچے مردوں کی تدفین و تکفین کا سامان تھا۔

ہصیم نے دوسرا گھڑا دیکھا تو اس میں بھی اسی طرح کا سامان تھا۔ سامان کے ساتھ ساتھ سفید چادریں بھی تھیں۔

ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”اب سمجھ رہی ہو کہ کتاب میں کس عمل کا ذکر کیا گیا تھا۔“ واصلہ نے سہمے ہوئے انداز میں ہاں کے اشارے سے سر ہلایا۔

واصلہ نے سامان میں سیاہ کپڑے کو ہاتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ کیا ہے؟“

اس کے کہنے پر ہصیم نے سیاہ کپڑا اٹھوا کر اس میں باقاعدہ لباس تھا۔ جس میں سیاہ چولے کے ساتھ بڑا سیاہ رومال تھا۔ اس نے لباس اٹھا کر ایک طرف رکھنا شروع کیا تو وہ چار لوگوں کا لباس تھا۔ ”دو لباس تو ہم پہن لیں گے لیکن یہ چار لباس کیوں ہیں۔“ واصلہ نے کہا۔

”پتہ نہیں فی الحال ہم دو لباس لے لیتے ہیں۔“

یہ کہتے ہوئے ہصیم نے باقی دو لباس گھڑے میں ڈالنے کے لئے اٹھائے تو واصلہ نے اسے روک دیا۔

”جو چیزیں گھڑے سے نکال رہے ہو۔ وہ واپس اس میں مت ڈالو۔ یہ جادوؤں کے کام بہت رکی ہوتے ہیں۔“

ہصیم نے واصلہ کے چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات دیکھے تو اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہنے لگا۔

”تمہیں گھبراہٹ ہو رہی ہے؟“

ہصیم کے اس سوال پر واصلہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

ہصیم نے اپنا سوال پھر دہرایا تو واصلہ بے چینی سے جبین پیاکی کرنے لگی۔



”یہ کام بہت مشکل ہے۔ ہمارے لئے مردوں کو دیکھنا ہی محال ہے اور تم ان مردوں کی نئے سرے سے تدفین و تکفین کی بات کر رہے ہو۔ ہم کس طرح ان مردوں کو تابوت سے نکال کے زمین میں دفن کریں گے۔“

ہصیم نے واصلہ کی طرف دیکھا اور معنی خیز لہجے میں کہنے لگا۔

”کچھ بھی ہو ہمیں یہ کام کرنا ہے۔ خدا کا کلام پڑھتی رہو۔ تمہارے لئے یہ سہل ہو جائے گا۔ یہ لو لباس، اسے پہن لو۔“

ہصیم نے بھی لباس زیب تن کیا۔ انہوں نے سیاہ رومال اس طرح اوڑھا کہ ان کا چہرہ بمشکل دکھائی دے رہا تھا۔

دونوں مل کر سامان ترتیب دینے لگے کہ ان کے کانوں سے قدموں کی آواز نکلرائی۔

قدموں کی آواز پر دونوں نے خود کو بڑے سے پتھر کے پیچھے چھپالیا۔

دھیرے دھیرے قدموں کی آواز ان کے قریب تر ہوتی گئی۔ کافی دیر گزر گئی لیکن انہیں کوئی نہیں دکھائی دیا۔ اس غار نما کمرے کی مشعلوں کی روشنی میں دور سے کچھ صاف بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اس دوران ایک لڑکا اور ایک لڑکی اندر داخل ہوئے۔ ہصیم کے لئے ان کا چہرہ پہچاننا مشکل تھا۔

ہصیم ان کی طرف بڑھنے کے لئے پتھر سے پیچھے ہٹا تو واصلہ نے اس کا بازو تھام لیا۔ ”ادھر کھڑے ہو کے دیکھتے ہیں۔ یہ دونوں کون ہیں؟“

ہصیم نے آہستگی سے واصلہ کا ہاتھ پیچھے کیا اور اپنی انگلی سے اسے خاموش رہنے کو کہا۔ وہ دھیرے دھیرے پتھر سے پیچھے ہٹا۔ لڑکا اور لڑکی اس سے آگے تھے۔ اس کی طرف ان کی پشت تھی۔ ہصیم قدموں کی آہٹ کے بغیر ان کے پیچھے چلنے لگا لیکن شاید آگے چلنے والے کی قوت سماعت تیز تھی۔ وہ پیچھے پلٹا اور ہصیم کو اپنے دفاع کا موقع دیئے پر اس پر حملہ آور ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا۔ اس نے ہصیم کو زمین پر پٹخ دیا اور اس کے اوپر سوار ہو گیا۔

ہصیم کے چہرے پر سے سیاہ رومال اتر گیا۔ خوشی کی لہر نے اس کے اندر ہلچل مچا دی۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

وہ ولولہ انگیز انداز میں چلایا۔ ”جاسم! ادھر میرے یار!“ جاسم جو دشمن کے انداز میں اس کے اوپر بیٹھا تھا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہصیم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ خوشی کے مارے اس کی قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔

”اب میرے اوپر سے اٹھے گا بھی یا نہیں۔“ ہصیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

واصلہ دوڑتی ہوئی ان کے قریب آ گئی۔ مارے خوشی کے اس کی سانس پھول گئی۔ وہ جاسم کو دیکھتی رہی۔

جاسم کو زندہ دیکھ کے حوصلے کی لہر نے شکتہ ارادوں کو ایک بار پھر جلا دے دی۔

ہصیم نے آگے بڑھ کر جاسم کو گلے لگایا تو اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

جاسم نے ہصیم کے چہرے کو چھوا اور گلو گیر لہجے میں کہنے لگا۔ ”کس قدر بے نیاز ہے وہ پروردگار کہ ہم ایک دوسرے کو زندہ دیکھ رہے ہیں۔“ ہصیم نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے۔



”واصلہ نے تمہارے متعلق کسی خدشے کی بات کی تو میرے دل نے کسی بھی خدشے کو قبول نہیں کیا۔ نہ جانے کیوں میرا دل اس بات پر قائم رہا کہ تم زندہ ہو اور ہم سے ضرور ملو گے۔“

ہصیم کی اس بات پر جاسم جیسے کچھ سوچنے لگا اور کھوئے کھوئے سے انداز میں اس نے اپنی بات شروع کی۔

”تمہاری سوچ تحریر کی اس حد تک جاتی ہے جہاں تک کوئی عام انسان نہیں سوچ سکتا۔ جو کچھ تم نے مجھے بہت پہلے بتایا تھا وہ سب کچھ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ زندہ ہونے کے باوجود موت کے بعد کی دنیا دیکھی ہے۔ سسکیاں سنی ہیں ان لوگوں کی بھنگی ہوئی روحوں کی جو بے موت مرے اور ہمیں یہ سب کچھ دکھانے والی بھی کوئی بھنگی ہوئی روح ہے۔“

ہصیم نے جاسم کی بات مکمل کر دی۔ ”یہ بے چین روح وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مختلف طریقوں سے ہمیں یہاں تک پہنچایا۔ جنہوں نے مختلف روپ دھار کے ہر جگہ ہماری مدد کی۔“

”لیکن تم یہاں کیسے.....“

”ہم جس جگہ تھے۔ وہاں اچانک ہماری آنکھ لگ گئی۔ ہم کب تک سوتے رہے ہمیں کچھ نہیں پتہ۔ بس جب آنکھ کھلی تو ہم اس جگہ موجود تھے۔“

”تم کہاں تھے.....؟“ ہصیم کے سوال پر جاسم نے ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔

”وہ سب کچھ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔“ یہ کہہ کر جاسم واصلہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس سے باتیں کیں۔ ملائکہ کو دونوں سے ملوایا۔ جاسم نے ہصیم سے سیاہ لباس کے بارے میں پوچھا تو ہصیم نے تابوتوں کی طرف اشارہ کیا۔

جاسم نے تابوتوں کی طرف دیکھا تو اس خوفناک منظر پر اس کی نظر ٹھہر گئی۔

وہ پتھرائی پتھرائی آنکھوں سے تابوتوں کی طرف دیکھتا ہوا بے ساختہ ان کی طرف بڑھا۔

اس نے تابوت کو چھوتے ہوئے ہصیم کی طرف دیکھا۔

ہصیم نے اسے اشارتاً کہا کہ تابوت کھول لے۔ جاسم نے تابوت کھولا تو تابوت میں پڑی ہوئی لاش دیکھ کے اس نے منہ چیخے کر لیا اور تابوت بند کرتے ہوئے ہصیم کی طرف دیکھنے لگا۔ ”کیا ان سارے تابوتوں میں.....؟“

”ہاں! ان سارے تابوتوں میں لاشیں ہیں۔ ان لوگوں کی جو عیشہ کا شکار بنے۔“ ہصیم نے کہا۔ جاسم اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیوار سے سر ٹکائے کھڑا ہو گیا۔

ملائکہ اس کے پاس آئی۔ اس نے جاسم کی آنکھوں سے اس کا ہاتھ پیچھے کیا تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ حوصلہ دینے کے لئے لفظوں کا سہارا لیتی۔

جاسم انتہائی رنجیدہ لہجے میں بولا۔ ”سوچا تھا کہ سب دوست مل کے عیشہ کو اس کے ناپاک ارادوں میں ناکام بنا دیں گے لیکن ابھی تک ہم کچھ نہیں کر پائے۔“ جاسم کی یہ بات سن کے ہصیم اس کے قریب آیا۔ اس نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے۔



”حوصلہ رکھو۔ اب ضرور کوئی نہ کوئی رستہ نکل آئے گا۔ اب کچھ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ ادھر آؤ میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔“  
ہصیم جاسم کو لے کر ایک بڑے پتھر کے قریب بیٹھ گیا۔ ملائکہ اور واصلہ بھی ان کے قریب بیٹھ گئیں۔  
ہصیم جاسم کو کچھ سمجھانے لگا تو اس نے ہاتھ سے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ ہصیم خاموش ہو گیا۔

جاسم نے اپنے گلے میں لٹکے ہوئے چمڑے کے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ”تم دونوں نے کچھ بھی نہیں کھایا ہوگا۔“ یہ کہہ کر اس نے بیگ سے کچھ سیب نکالے اور ان دونوں کے آگے رکھ دیئے۔ ملائکہ نے پانی کی بوتل واصلہ کو دی۔ ہصیم اور واصلہ نے پانی پی کر اپنا خشک حلق تر کیا۔  
دونوں میں سُستی بھوک کی وجہ سے تھی۔ انہوں نے ایک ایک سیب اٹھالیا۔ ”یہ تمہیں کہاں سے ملے؟“ واصلہ نے پوچھا۔  
جاسم نے کہا۔ ”ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔ یہاں سے نکل جائیں تو سب کچھ بتا دوں گا۔“

سیب کھانے کے بعد ہصیم نے دوبارہ بات شروع کی۔ جاسم اس کے تھوڑا قریب ہو کر بیٹھ گیا۔ جاسم خاموشی سے ہصیم کی ساری بات سنتا رہا۔ ساری بات بتانے کے بعد ہصیم جاسم کو کچھ گھڑوں کے پاس لے گیا جہاں اس نے مردوں کے تدفین و تکفین کا سامان رکھا تھا۔  
باقی کے دو سیاہ لباس ہصیم نے گھڑے سے نکالے اور جاسم کی طرف بڑھائے۔ ”یہ دیکھو! کسی نے ہمارے لئے پہلے سے چار لباس رکھے ہیں جس نے ہم چاروں کو ملوایا ہے۔ وہی ہم سے یہ کام کروانا چاہتا ہے۔ تم سمجھ رہے ہونا میں کس کی بات کر رہا ہوں۔“

جاسم نے سیاہ لباس ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا ”ہاں سب کچھ سمجھ رہا ہوں اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ جو ہم کرنے جا رہے ہیں اس میں ہماری جان بھی جاسکتی ہے۔ اس میں کام کو پورا کرنے کے چانس بیس فیصد ہیں اور مرنے کا چانس اسی فیصد ہے۔“  
”ہاں میں بھی سمجھتا ہوں لیکن ہمیں یہ کام کرنا ہے چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔“ ہصیم نے کہا۔  
”ٹھیک ہے، شروع کرتے ہیں۔“ یہ کہہ کر جاسم ملائکہ کے پاس گیا۔

دہشت سے لبریز سنسناتے واقعات نے ویسے ہی ملائکہ کے ہوش اُڑا رکھے تھے۔  
ہصیم کی بات سن کے اس کے چہرے کا رنگ فق پڑ گیا تھا۔ وہ سہمی سہمی ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی۔  
جاسم ملائکہ کے قریب بیٹھا تو اس کی خاموش آنکھوں میں خوف کے سائے منڈلا رہے تھے۔ اس نے جاسم کا ہاتھ تھام لیا۔ ”مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ یہ ہم کیسی جگہ پر آ گئے ہیں۔ ہصیم کیا کہہ رہا ہے۔“ جاسم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

”ہصیم جو کچھ کرنے کے لئے کہہ رہا ہے اس میں موت کا خطرہ بہت زیادہ ہے لیکن ہمیں وہ کام ہر حال میں کرنا ہے۔“  
”وہ کیا کرنے کو کہہ رہا ہے؟“ ملائکہ نے اپنا سوال دہرایا۔

جاسم کے لئے ملائکہ کو اس عمل کے لئے تیار کرنا بہت مشکل تھا۔ ہصیم اور واصلہ بھی جاسم کے پاس آ کے بیٹھ گئے۔ واصلہ نے جاسم کی طرف دیکھا۔ ”تم اور ہصیم ہم دونوں کو ذرا اکیلا چھوڑ دو۔ میں اسے سمجھاتی ہوں۔“

جاسم اور ہصیم دوسری جگہ بیٹھ کے باتیں کرنے لگے۔ واصلہ نے ملائکہ سے پوچھا ”تمہیں جاسم نے بتایا ہے علیشہ کے بارے میں۔“



”ہاں مجھے جاسم نے سب کچھ تفصیل سے بتایا ہے۔“

”پھر تو تم سمجھتی ہوگی کہ ان بدروحوں سے چھٹکارا پانا کس قدر ضروری ہے۔ ہم چار دوستوں نے سر پر کفن باندھ کے اس مشن کو پورا کرنے کی قسم کھائی تھی۔ شازہ تو ان بدروحوں کا شکار بن گئی۔ ہم تینوں اپنا مشن پورا کرنے کے لئے ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہیں لیکن تم تو حالات کی زد میں آ کے ہم سے آملی۔ تمہارا یہ برتاؤ ہمارے لئے حیرت کا باعث نہیں ہے کیونکہ تم اپنی جگہ ٹھیک ہو۔ لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہم تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر تم اس خطرناک عمل میں ہمارے ساتھ شامل نہیں ہوگی تو تب بھی لقمہ اجل ہو جاؤ گی اور ہم میں کوئی بھی تمہیں بچا نہیں پائے گا۔ ایک بار دل پر پتھر رکھ لو۔ جینے کی خواہش کو دل سے نکال کے ہمارے ساتھ شامل ہو کے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دو۔“

ملانکہ انتہائی معصومیت سے ساری بات سنتی رہی۔ اس نے جواب میں واصلہ کو کچھ نہیں کہا۔  
واصلہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

جاسم سیاہ لباس پہن چکا تھا۔ تینوں سیاہ لباس میں خوفناک عمل کے لئے تیار تھے۔

جاسم ملانکہ کے پاس آیا۔ اس نے ملانکہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ”اگر شازہ زندہ ہوتی تو یہ سیاہ لباس وہ اوڑھتی۔ آج تھوڑی دیر کے لئے شازہ بن جاؤ، میری شازہ.....“

ملانکہ نے جاسم کی طرف دیکھا تو مروت کا احساس آنسو بن کے اس کی آنکھوں میں چمکنے لگا۔

ملانکہ کے من میں اس احساس نے ہلچل مچادی۔ جاسم کے جملے نے ایک لمحے میں ان دونوں کے بیچ صدیوں کا رشتہ قائم کر دیا۔  
ملانکہ اپنی جگہ پر منجمد ہو گئی۔ جاسم وہاں سے چلا گیا لیکن وہ اس کے کہے ہوئے جملے کے سحر سے نکل نہ سکی۔ اس کے لبوں نے جاسم کا کہا ہوا جملہ دہرایا ”میری شازہ.....“ اس ایک جملے کے ساتھ نہ جانے کتنے جملے ملانکہ نے خود سے جوڑ لئے۔ جاسم ہصیم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ہصیم جاسم اور واصلہ کو سمجھانے لگا۔

”ہم لاشوں کو تابوتوں سے نکالیں گے۔ کچھ مذہبی رسومات پوری کرنے کے بعد ہمیں ان لاشوں کو جلانا ہوگا۔“

”لیکن یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان لاشوں کو جلانا ہوگا۔“

ہصیم نے گھڑے سے نکالے گئے سامان میں سے دیا سلائی اور مٹی کا تیل نکال کے جاسم کو دکھایا اور کپڑوں پر خاکوں کی مدد سے لاش پر پھول گرتے اور پھر اسے آگ میں جلتا دکھایا گیا تھا۔ ہصیم نے وہ کپڑا جاسم کے سامنے پھیلا دیا۔

جاسم کپڑے پر ہاتھ پھیرتا ہوا جائزہ لینے لگا۔ اس نے جلتی ہوئی لاش پر انگلی رکھی اور ہصیم کی طرف دیکھا۔ ”اس جلتی ہوئی لاش کا سر نہیں

ہے۔“

☆=====☆=====☆



حماد کے گاؤں کی گلیاں ویران ہو چکی تھیں۔ اس نے اپنی ماں اور بہن کو شہر بھجوا دیا تھا۔ خود وہ اکیلا اپنے گھر میں اس لئے ٹھہرا ہوا تھا کہ شاید ہمسیم، جاسم، شازہ اور واصلہ کا کچھ پتہ چل جائے لیکن اب اس کے ساتھ پروفیسر زمان بھی تھے۔ حماد پروفیسر زمان کو تمام حالات سے آگاہ کر چکا تھا۔ مختلف قسم کے فلاحی اداروں کے لوگ، صحافی اور پولیس آفیسر مسلسل گاؤں کے دورے کر رہے تھے لیکن کوئی بھی ان اموات کی وجہ نہیں جان سکا۔

گاؤں کے بچے ہوئے چند لوگ جب ان کو بدروحوں کے بارے میں بتانے کی کوشش کرتے تو یہ بات ان کے لئے قابل یقین نہیں تھی۔ حماد پروفیسر زمان کو ان تمام جگہوں پر لے کر گیا جہاں جہاں اس نے اپنے چاروں دوستوں کے ساتھ خوفناک واقعات دیکھے۔ اس نے پروفیسر زمان کو وہ تمام نشانیاں دکھائیں جن سے علیشہ کا ان اموات سے تعلق ظاہر ہوتا تھا۔ پروفیسر جن جن جگہوں پر گئے وہاں خاص نشانیاں تھیں کہ کوئی پراسرار طاقت ہے جس نے سینکڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حماد نے اپنے دوستوں کو ڈھونڈنے کے لئے دن رات ایک کر دیئے۔

پروفیسر زمان اور حماد اپنے گھر میں جاسم اور ہمسیم کی اشیاء کا جائزہ لے رہے تھے۔ حماد پروفیسر کو جاسم کے کمپیوٹر کے پاس لے گیا۔ ”آپ کو اس کی وجہ سے یہ کیس سمجھنے میں کافی آسانی ہو جائے گی۔“ پروفیسر نے کمپیوٹر آن کیا۔ کچھ دیر وہ ماؤس کو حرکت دیتے ہوئے سرچ کرتا رہا۔ جب علیشہ کا کیس اوپن ہوا تو وہ کڑی درکڑی جوں جوں آگے بڑھتا رہا اس کے ہوش اڑتے رہے۔ وہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے لاتعلق جیسے موت کی غار میں داخل ہو گیا۔ سنسنی خیز خوفناک ناقابل یقین حقائق نے تھوڑی ہی دیر میں پروفیسر کو بہت کچھ سمجھا دیا۔ کافی دیر کے بعد جب حماد کمرے میں داخل ہوا تو پروفیسر کمپیوٹر بند کر کے تاریک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ پروفیسر کے قریب بیٹھ گیا۔ پروفیسر کی آنکھیں بند تھیں۔

حماد کو پروفیسر کو اس طرح دیکھ کے پریشانی ہونے لگی۔ اس نے پروفیسر کے ہاتھ کو چھوا تو انہوں نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں۔ حماد نے کہا۔ ”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔ آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں؟“ پروفیسر نے حماد کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا۔ ”میں نے اس کیس کی تفصیلات دیکھ لی ہیں۔ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتا جب تک یہ نہ جان لوں کہ تمہارے چاروں دوست زندہ ہیں یا مردہ۔“

حماد پریشانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ”کیسے پتہ لگایا جائے کہ وہ کہاں ہیں؟“ پروفیسر نے حماد کے بے چین چہرے کی طرف دیکھا۔ ”آج رات کے لئے مجھے اس گھر میں مکمل تنہائی چاہئے۔“



”کیا مطلب؟“ حماد نے کہا۔

”تم آج رات کسی دوسری جگہ چلے جانا۔ مجھے مکمل تنہائی چاہئے۔ میں پتہ لگا لوں گا کہ تمہارے چاروں دوست زندہ ہیں یا مردہ!“  
حماد نے پروفیسر کا ہاتھ تھام لیا۔ ”یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟“

”ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن یہ ضرور پتہ چل جائے گا کہ وہ چاروں زندہ ہیں یا نہیں۔“ پروفیسر نے کہا۔

”آپ کو جو چیزیں چاہئیں آپ مجھے بتادیں، میں آپ کو لادوں گا۔ رات ہونے پر میں کسی دوسری جگہ چلا جاؤں گا لیکن یہ آپ کو بتادوں کہ اس طرح اکیلے آپ کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔“

”تم میری فکر مت کرو، میں اپنا دفاع کر سکتا ہوں۔ تم مجھے کچھ چیزیں لادو۔“

”کیا چاہئے آپ کو؟“ حماد نے کہا۔

پروفیسر نے کاغذ پر چند اشیاء لکھ دیں۔ حماد نے وہ کاغذ لیا اور کمرے سے باہر جانے لگا۔ ابھی اس نے چوکھٹ پر پاؤں ہی رکھا تھا کہ پروفیسر نے اسے پیچھے سے پکارا۔ ”وہ لاکٹ کہاں ہے جو تم لوگوں کو علیشہ کی لاش ملنے سے پہلے ملا تھا۔“

حماد نے پلٹ کر پروفیسر کی طرف دیکھا۔ ”وہ لاکٹ میرے پاس ہے۔“

”اشیاء لانے سے پہلے مجھے وہ لاکٹ لادو۔“ پروفیسر نے کہا۔

حماد اپنے کمرے سے لکڑی کا بکس لے آیا جس میں لاکٹ تھا۔ اس نے بکس پروفیسر کے پاس رکھ دیا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس نے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ شام کی دھیمی دھیمی روشنی، خاموش سنسناتی فضا، انسانوں کے ساتھ ساتھ جیسے پرندے بھی یہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ پروفیسر زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھ گیا۔ اس نے بکس زمین پر رکھا۔ اپنے دونوں ہاتھ بکس پر رکھتے ہوئے اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اس نے ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ کچھ پڑھنا شروع کیا جس کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اسی طرح آسمان کی طرف سراکڑائے کافی دیر تک کچھ پڑھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ سر نیچے کیا۔ بکس میں سے شعاعیں سی نکلنے لگیں جو اس کی آنکھوں سے نکرائیں۔ اس نے آنکھیں کھول لیں۔ بکس سے روشنی باہر آرہی تھی۔

جونہی اس نے آنکھیں کھولیں۔ بکس خود بخود کھل گیا۔ اس نے لاکٹ نکالا۔ جانوروں کی ہڈیوں سے بنا لاکٹ روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ بکس میں سے نکلنے والی شعاعیں اس لاکٹ سے نکل رہی تھیں۔

پروفیسر نے لاکٹ کو اپنی پیشانی سے لگا لیا۔ ”علیشہ کہاں ہے؟“

یہ آواز اس کے منہ سے نکلتے ہی پل بھر میں اس کی آنکھوں کا منظر بدل گیا۔

وہ کھلی آنکھوں سے کوئی منظر دیکھنے لگا جیسے وہ کسی دوسری جگہ موجود ہے لیکن اسے اپنے وجود کی کچھ خبر نہیں۔ بس وہ وہی کچھ دیکھ رہا تھا جو اس کی آنکھیں اسے دکھا رہی تھیں۔ کچھ ایسی ہی شام تھی۔ وقت بھی یہی تھا۔ ایک نوجوان ہوا کے گھوڑے پر سوار تیز گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ گاڑی کے



ڈیک سے ابھرنے والی موسیقی کے سروں میں جھوم رہا تھا۔

اس وقت وہ گھنے جنگل سے گزر رہا تھا جہاں آس پاس کوئی آبادی نہیں تھی۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ کس طرح کی جگہ سے گزر رہا ہے۔ وہ تو پُر کیف انداز میں ڈرائیونگ کا مزہ لوٹ رہا تھا۔ موسیقی کی آواز بند ہو گئی لیکن ڈیک آن تھا۔ غالباً اس کی کیسٹ ختم ہو گئی۔ لڑکے نے کیسٹ چینج کی اور ایک بار پھر موسیقی کا مزہ لوٹنے لگا۔ وہ بار بار اپنی گھڑی کے ڈائل کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ اسے کہیں جانے کی جلدی بھی تھی۔

اچانک اس کی گاڑی رک گئی۔ اس نے گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن گاڑی سٹارٹ نہیں ہوئی۔ اس نے سیٹ کے نیچے سے پانی کی بوتل نکالی اور باہر نکل گیا۔ گاڑی کا بونٹ کھولا اور اس میں پانی ڈالا۔ اس نے بونٹ کے پرزوں کا جائزہ لیا۔ بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آرہی تھی۔

”شاید پانی کا مسئلہ ہے۔“ وہ خود کلامی کرتا ہوا دوبارہ گاڑی میں بیٹھ گیا اور گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوششیں کرنے لگا۔ گاڑی مکمل جام تھی۔ اس نے اسٹیرنگ پر مکا دے مارا۔ ”اوہ شٹ! اسے بھی اس جنگل میں خراب ہونا تھا۔“

وہ گاڑی سے باہر نکل کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ تاحہ نظر انسانی آبادی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ لڑکے نے اپنا موبائل نکالا اور کسی سے مدد کے لئے رابطہ کرنے کے لئے کوشش کرنے لگا۔ اس نے تین چار جگہوں کے نمبر ملائے۔ اس کا موبائل کوئی سنگٹل ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ اس کے پاس سوائے موبائل کے کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ بار بار کوشش کرتا رہا لیکن موبائل کام نہیں کر رہا تھا۔

وہ غصہ و بیزاری میں گاڑی سے پشت لگائے کھڑا ہو گیا کہ اچانک ایک نسوانی مہیب آواز سے وہ چونک پڑا۔ ”سینے!“

اس نے آواز کی سمت میں دیکھا تو اس کی آنکھوں کے سامنے دہلی پتلی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں اس لڑکی کی طرف ٹھہر گئیں۔ اس کی موٹی موٹی نمدار آنکھیں، اس پر کمان جیسی بھونٹیں، تیکھی کھڑی ناک، سر بھرے گلابی ہونٹ، سفید رنگت پر لمبے سیاہ بالوں نے اسے بلا کی خوبصورت بنا دیا تھا۔

تھوڑی دیر کے لئے اپنی پریشانی بھول کر وہ لڑکا اس کے حسن سے مسحور ہونے لگا۔ لڑکی معصومیت سے مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

”میں آپ کی کچھ مدد کر سکتی ہوں۔“

لڑکا سر جھکائے مسکرانے لگا۔ ”آپ میری مدد کیسے کر سکتی ہیں۔ مجھے تو خود کوئی نقص سمجھ میں نہیں آرہا۔“

”شاید مجھے سمجھ آ جائے۔“

”آپ کیا گاڑیوں کا کام جانتی ہیں؟“ لڑکے نے اسے سر تا پا دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے خفگی سے لڑکے کی طرف دیکھا اور گاڑی کے بونٹ کی طرف بڑھ گئی۔

لڑکا تیز تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بونٹ کے آگے کھڑا ہو گیا۔ ”گاڑی تو آپ بعد میں ٹھیک کرنا پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ اس جنگل میں آپ کہاں سے نمودار ہو گئی ہیں۔ کیا آسمان سے اتری ہیں، یہاں دور دور تک نہ تو کوئی آبادی ہے اور نہ کوئی ٹریفک، آپ کہاں سے آئی ہیں؟“

لڑکی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”آسمان سے۔“ لڑکی کی بات کو مذاق سمجھتے ہوئے لڑکے کو بھی مذاق سوچھا۔



”لگتا ہے آج میری زندگی کا آخری دن ہے۔“ لڑکی مسکراتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھی۔ اس نے بونٹ کھولا۔ نہ جانے اس نے کیا کیا، کچھ دیر کے بعد اس نے بونٹ کو بند کر دیا اور لڑکے سے گاڑی شارٹ کرنے کو کہا۔

لڑکا کندھے اچکا تا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس نے گاڑی شارٹ کی۔ گاڑی پہلی ہی بار میں شارٹ ہو گئی۔ لڑکے نے حیرت سے لڑکی کی طرف دیکھا جو بونٹ کے پاس کھڑی مسکرا رہی تھی۔ لڑکا گاڑی سے اُترا۔ اس نے لڑکی کے قریب جا کر انتہائی پُر خلوص لہجے میں کہا ”شکریہ، آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔ دل تو چاہتا ہے کہ کچھ دیر آپ کے پاس ٹھہروں لیکن اب گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے تو مجھے کہیں جلد پہنچنا ہے۔ آپ مجھے اپنا کارڈ دے دیں، میں آپ سے پھر ملوں گا۔“

لڑکی نزاکتوں کی شیرینی میں گھلی جا رہی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر گری لٹوں کو پیچھے کیا۔

”آپ ان سے ملیں گے جن کے ساتھ میں یہاں آئی ہوں۔“

”کیوں نہیں! کدھر ہیں وہ۔“ لڑکے کے سوال پر لڑکی نے آسمان کی طرف دیکھا۔ جس کے ساتھ ہی خونخوار چیلیں لڑکے پر جھپٹ پڑیں۔ فضا لڑکے کی چیخوں سے گونج اٹھی۔

خونخوار چیلیں اس کے جسم سے گوشت نوچ رہی تھیں اور وہ بن آب مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔

ٹائروں کے قریب لڑکے کے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ کافی دیر تک وہ خود کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا رہا بالآخر اس نے خود کو موت کے حوالے کر دیا۔

جونہی اس کے جسم سے جان نکلی خونخوار چیلیں اس کے پیچھے ہٹتی ہوئی زمین کی طرف بڑھیں لیکن جب وہ زمین پر اُتریں تو انہوں نے خوبصورت لڑکیوں کا روپ دھار لیا۔ وہ سب اپنے چہرے سے لڑکے کا خون صاف کرتی ہوئی اس لڑکی کی طرف دیکھنے لگیں جس نے لڑکے کو پھانسا تھا۔

اس لڑکی نے مسکراتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے اپنے ہاتھ پیچھے کئے تو اس کا چہرہ علیشہ کے چہرے میں تبدیل ہو چکا تھا۔

شیطانی شکلیوں کی مالک وہی علیشہ تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ سے گاڑی کی طرف اشارہ کیا تو ایک ہی ساعت میں گاڑی آگ کی نذر ہو گئی۔ گاڑی دھماکے سے پھٹی اور لڑکے کی لاش آگ کے بگولوں کی نذر ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی پروفیسر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

وہ تیز تیز کچھ پڑھنے لگے۔ اس وقت ان کی پیشانی پر پسینہ تھا۔ شاید اس وقت وہ اپنی آنکھوں کا نور کھو بیٹھے تھے۔ وہ کافی دیر تک اپنا عمل پڑھتے رہے۔ ان کی آنکھیں روشن ہوئیں تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ حماد کے گھر کے صحن میں بیٹھا ہوا تھا۔

لاکٹ کو بہت احتیاط سے ڈبے میں ڈال چکا تھا۔ اس نے لاکٹ کا ڈبہ ہاتھ میں لیا اور اپنے اس مخصوص کمرے میں چلا گیا جو حماد نے اسے دیا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کے سوچنے لگا۔

”میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ مجھے جو بھی کرنا ہے بہت جلدی کرنا ہے۔ اس گاؤں کے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد



علیشہ اور اس کے ساتھی کسی دوسری جگہ خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔“ وہ خود کلامی کرتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ وہ کمرے میں ٹہلنے لگا پھر اس نے اپنے بیگ کی طرف دیکھا۔

اس نے بیگ سے ایک پرانی سی کتاب نکالی اور بیٹھ کے وہ کتاب پڑھنے لگا۔ وہ مسلسل دو گھنٹے اس کتاب کا مطالعہ کرتا رہا۔ اس وقت اس نے وہ کتاب بند کی جب حماد کمرے میں داخل ہوا۔ حماد اس کی کہی ہوئی تمام اشیاء لے آیا تھا۔ سامان کمرے میں رکھتے ہوئے حماد نے پروفیسر سے کہا ”آئیں پہلے کھانا کھا لیتے ہیں۔ کھانا کھا کر میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ آپ نے جو عمل کرنا ہے، آپ کر لیجئے گا۔“

☆=====☆=====☆

ہمسم نے کپڑا جاسم کے ہاتھ سے لیا اور اسے زمین پر پھیلا کے اس کا بغور جائزہ لینے لگا۔ جاسم کی بات درست تھی۔ واقعی لاش کا سر نہیں تھا۔ جاسم نے پریشان کن لہجے میں کہا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ ہمیں لاشوں کے سر بھی کاٹنے ہوں گے۔“

ہمسم اپنی بھنویں سیکڑے کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”یہ تو بہت مشکل کام ہے۔“

”اب اگر کچھ کرنے کی ٹھان لی ہے تو ہر مشکل کام بھی کرنا ہوگا۔“ ملائکہ کے اس جملے پر جاسم نے پلٹ کر دیکھا تو ملائکہ سیاہ لباس پہنے ان کے قریب کھڑی تھی۔

جاسم اسے تعجب سے دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ جاسم اس کے قریب گیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا جن کی معصومیت میں ابھی بھی خوف کے سائے منڈلا رہے تھے۔

جاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اتنا حوصلہ تم میں کیسے آ گیا؟“

”تم نے بات ہی ایسی کی تھی۔ میں تمہارا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئی۔“

جاسم نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ ”شکریہ!“

ملائکہ نے اس کی طرف خفگی سے دیکھا۔ ”اگر تھوڑی دیر کے لئے مجھے شارزہ سمجھا ہے تو پھر شکریہ کیوں؟“

جاسم نے فضا کو گھورتے ہوئے کہا۔ ”غلطی ہو گئی بھئی۔“ ملائکہ اور واصلہ ان دونوں کے ساتھ بیٹھ گئیں۔ ہمسم نے دونوں کو سب کچھ سمجھایا۔ وہ چاروں دل کو مضبوط کئے تابوت کی طرف بڑھے کہ اچانک زمین میں زلزلے کی سی غرغراہٹ پیدا ہوئی۔ خوفناک آواز کو محسوس کرتے ہوئے ان چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے قدم آگے بڑھائے۔ غرغراہٹ کی شدت بڑھ رہی تھی جو ایک خوفناک زلزلے کی صورت اختیار کر گئی۔ زمین کا پٹنے لگی، دیواریں ہلنے لگیں۔

یوں محسوس ہو رہا تھا کہ یا تو زمین پھٹ جائے گی یا پھر یہ دیواریں ان کے اوپر آگریں گی۔ چاروں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامتے ہوئے تابوت سے پیچھے ہٹ گئے۔ وہ بار بار گرتے اور پھر خود کو سنبھالتے ہوئے کھڑے ہو جاتے۔ انہیں اپنی موت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اسی بھاگ



دوڑ میں ملائکہ کا ہاتھ جاسم سے چھوٹ گیا۔ وہ زلزلے کے جھٹکوں سے گرتی پڑتی دوڑ دیوار کے قریب جا گری۔

”ملائکہ!“ جاسم اسے پکارتا ہوا اپنے قدموں کو کانپتی زمین پر مضبوطی سے ٹکاتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگا لیکن وہ زیادہ دیر اپنے قدموں پر قابو نہ رکھ سکا اور منہ کے بل گر گیا۔ ہمسیم اس کے پیچھے چلایا۔

”جاسم کیا کر رہے ہو، جیسے رہو اپنے قدموں پر۔“

جاسم جواب میں چلایا۔ ”بہت مشکل ہے لیکن میں کوشش کر رہا ہوں۔“

”میں آؤں۔“

”نہیں، تم اور واصلہ اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ میں ملائکہ تک پہنچ جاؤں گا۔“

جاسم کھڑا ہونے کی کوشش کرتا تو زمین کے جھٹکوں کے باعث پھر زمین پر گر جاتا۔

ملائکہ دیوار سے لگی لوہے کی کسی چیز کو تھامے جھول رہی تھی۔ اس کے لئے خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ چیخ رہی تھی۔ جاسم کہنیوں کے زور پر ریٹکتا ہوا ملائکہ تک پہنچ گیا۔ وہ دیوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے ملائکہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ ملائکہ کو حوصلہ ہو گیا۔ زمین کے ارتعاش کے ساتھ تابوت بھی اپنی جگہ پر ہل رہے تھے۔

اچانک سب تابوتوں کے دروازے ایک ساتھ کھل گئے۔ ان چاروں کی نظریں تابوتوں کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ تابوتوں سے سفید غبار اٹھنے لگا۔ انہوں نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ دھیرے دھیرے اس سفید غبار میں انہیں سائے دکھائی دینے لگے۔ ملائکہ اور واصلہ کی چیخیں فضا میں گونج اٹھیں۔ ان کے دل دہل گئے۔ وہ لوگ جو مُردوں کی شکل میں ان تابوتوں میں تھے۔ زندہ لوگوں کی طرح تابوتوں سے باہر نکلنے لگے۔ وہ دس لوگ تھے جن میں سے کچھ مرد تھے اور کچھ عورتیں تھیں۔

ان چاروں کے تو ہوش اُڑ گئے۔ وہ سکتے کی سی کیفیت میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان مُردوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کا دماغ ان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ ان کے قدم جیسے ان کی جگہ پر منجمد ہو گئے تھے۔ ابھی انہیں وہ لوگ صاف طور پر دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ان کے جسم سفید غبار میں چھپے ہوئے تھے۔ اس وقت ہمسیم اور واصلہ کمرے کے ایک کونے میں کھڑے تھے اور جاسم اور ملائکہ دوسرے کونے میں۔ آہستہ آہستہ وہ لوگ غبار سے باہر نکلنے لگے۔ سب سے پہلے ایک لڑکی اس غبار سے باہر آئی۔

لڑکی جب ان کے قریب آئی تو ان کے دل جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں بھینچ لئے۔ وہ لڑکی شازہ تھی۔ اس وقت شازہ بالکل ایسی ہی حالت میں تھی جس طرح وہ ہمسیم، جاسم اور واصلہ کے سامنے غائب ہوئی تھی۔ وہ زخمی تھی۔ زخموں کے ساتھ ساتھ جسم جگہ جگہ سے جھلسا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی تکلیف کا احساس تھا۔

مارے تکلیف کے اس کے لب کانپ رہے تھے۔ وہ مسلسل ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان چاروں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ جاسم کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ محبت کے احساسات ارمان بن کے مچلنے لگے تھے کہ دوڑ کر شازہ کے قریب چلا جائے لیکن آنکھیں اس



لئے بھیگ رہی تھیں کہ وہ شازہ کی اصلیت جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں ویسا نہیں ہے۔

خود سے دور جاتے ہوئے دیکھ کے شازہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

”مجھے بچالو جاسم، میں بہت تکلیف میں ہوں۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔“ پھر اس کے منہ سے ویسے ہی آوازیں نکلنے لگیں جیسے وہ غائب ہوتے وقت تکلیف سے تڑپ رہی تھی۔

تینوں دوستوں کی آنکھوں میں وہی منظر تازہ ہو گیا۔ انہیں یوں لگنے لگا جیسے وہی شازہ ان کے سامنے کھڑی ہے اور وہ اسی طرح تکلیف میں تڑپ رہی ہے جس طرح تکلیف میں وہ ان کی آنکھوں کے سامنے غائب ہوئی تھی۔ وہ بلک بلک کے رو رہی تھی۔

جاسم شازہ کا اصل روپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا پھر بھی اس کا دل اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ شازہ کے قریب جائے۔ اس نے ملائکہ سے ہاتھ چھڑانا چاہا تو ملائکہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔ ”نہیں جاسم! یہ غلطی مت کرنا۔ تمہاری شازہ مر چکی ہے۔ وہ تمہاری شازہ نہیں ہے۔ وہ تمہیں اپنی طرف مائل کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔“

لیکن جاسم کو جیسے اس کی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ مدہوشی میں اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ملائکہ سے ہاتھ چھڑانے کے لئے زور لگانے لگا لیکن ملائکہ دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھامے اسے جانے سے روک رہی تھی۔

واصلہ کے قدم بھی ڈمگ رہے تھے۔ اس نے ہصیم سے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ شازہ زندہ ہو۔ اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو۔“ لیکن ہصیم چلا رہا تھا۔

”جاسم اس کے قریب مت جانا۔ وہ تمہیں بہکا رہی ہے۔“

ہصیم کی آواز پر جاسم نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے قدم پیچھے کر لئے لیکن شازہ کے رونے کی آواز نے اسے اپنی طرف مائل کر لیا۔ اس نے ملائکہ سے ہاتھ چھڑا لیا اور شازہ کی طرف بڑھنے لگا۔

ہصیم نے جاسم کی طرف دوڑنا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے کہ جاسم شازہ کے قریب جاتا۔ ہصیم اس تک پہنچ گیا اور اس نے اس کے گرد بانہیں حائل کر دیں۔

”پاگل ہو گئے ہو.....“

جاسم اپنے آپ کو ہصیم کی گرفت سے چھڑوانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس دوران ہصیم نے اپنے پیروں کے قریب پڑی ہوئی لوہے کی چیز شازہ کی طرف اچھال دی۔ وہ چیز شازہ کے جسم سے یوں گزر گئی جیسے ہوا میں سے۔ یہ دیکھتے ہی جاسم نے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ ہصیم نے جاسم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

”سنجھا لو اپنے آپ کو۔ تمہاری تھوڑی سی غفلت ہم سب کو موت کے منہ میں لے جائے گی۔“

شازہ کے چہرے سے معصومیت غائب ہو گئی اور اس کے چہرے پر شیطانی تھلکنے لگی۔ آنکھوں میں انگارے دکھنے لگے۔ سفید غبار میں



چھپے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ سامنے آ گئے۔ انہیں دیکھ کے چاروں کے رنگ فق ہو گئے۔ یہ سلیٹی رنگت کی جلد والی خستہ حال چلتی پھرتی لاشیں تھیں۔ جس جس حالت میں، جس انداز میں ان کی موت ہوئی تھی ان مردوں کے جسم پر وہ تمام نشانات موجود تھے۔ شیطان کی پجاری یہ بدروحیں آسیب سے زیادہ بھیانک تھیں۔ وہ چاروں اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہے تھے۔ خوف سے چاروں کے جسموں پر کپکپی طاری تھی۔

واصلہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”تم کیا کہہ رہے تھے ہصیم اور یہ کیا ہو رہا ہے۔“

ہصیم کچھ سوچ رہا تھا اس نے واصلہ کی بات کا جواب نہیں کیا۔

جاسم نے اسے کہا۔ ”ہصیم غلط نہیں کہہ رہا تھا لیکن ہمارے عمل کرنے سے پہلے ہی.....“

”کیا..... کیا ہوا ہمارے عمل کرنے سے پہلے؟“ واصلہ بوکھلاتے ہوئے بولی۔

جاسم نے خوف سے پھرتی ہوئی آنکھوں سے واصلہ کی طرف دیکھا۔ ”یہ تابوتوں سے مردے نہیں نکلے۔ مردے تو اپنی جگہ پر موجود

ہیں۔ ہم اب بھی ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ ان مردوں کی بدروحوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔“

ملائکہ تیز تیز بولی۔ ”یہ صورت حال بہت گھمبیر ہے۔ اب ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا۔“

ہصیم نے گرج دار آواز میں کہا۔ ”حوصلہ مت ہارو۔ مختلف سمتوں میں بکھر جاؤ۔“

مزید کچھ سوچے بغیر ان چاروں نے مختلف سمتوں میں بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ خستہ حال زندہ لاشیں جو ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے زمین پر دھیرے دھیرے چل رہی تھیں۔ ان کے حلق سے خوفناک آواز نکلی۔ جس

کے ساتھ ہی ان کے جسم ہوا کے کسی بھنور میں چرخی کی طرح گھومنے لگے دیکھتے ہی دیکھتے وہ بدروحیں خونخوار چیلوں کا روپ اختیار کر گئیں اور دہشت

ناک انداز میں چنگھاڑتی ہوئی ان کے سروں پر منڈلانے لگیں۔ وہ مختلف سمتوں میں بھاگتے ہوئے چاروں دوستوں پر حملہ آور ہوئیں۔

بھاگتے ہوئے جاسم اور ہصیم چلا رہے تھے۔

”واصلہ، ملائکہ تیز بھاگو۔“

مارے گھبراہٹ کے وہ دونوں ہصیم اور جاسم کی طرح تیز نہیں دوڑ پارہی تھیں۔ وہی ہوا جس کا ہصیم اور جاسم کو ڈرتھا۔ واصلہ اور ملائکہ کو

خونخوار چیلوں نے گھیرے میں لے لیا۔ وہ شور مچاتی ہوئی دونوں کے گرد چکر کاٹنے لگیں۔

دونوں واصلہ اور ملائکہ کی طرف دوڑے لیکن ایک منظر تعجب خیز تھا۔ خونخوار چیلیں اپنی خنجر نما چونچ کے ساتھ لڑکیوں پر حملہ کرتیں لیکن

لڑکیوں کے جسموں کو چھوئے بغیر وہ ان کے پاس سے گزر جاتیں۔ جاسم اور ہصیم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”ابھی ادھر سے دیکھتے ہیں کہ چیلیں ان پر حملہ کرتی ہیں یا نہیں۔“ لیکن کافی دیر تک ایسا ہی ہوتا رہا چیلیں لڑکیوں پر حملہ کرنے کے لئے

بے تاب تھیں لیکن ان لڑکیوں کے پاس کچھ ایسا ضرور تھا جس سے چیلیں انہیں چھوئے بغیر ان کے قریب سے گزر جاتی تھیں۔



چیلیں غصے میں چنگھاڑتی ہوئیں دونوں کی طرف بڑھیں۔ وہ اپنے بلیڈ جیسے پروں کو ہوا میں مارتی ہوئی انتہائی تیز رفتاری سے ان پر حملہ آور ہو گئیں۔ دونوں کا دل اچھل کر جیسے حلق میں آ گیا۔ ان پر غشی طاری ہو گئی۔ ان کی چیخیں فضا میں گونج اٹھیں۔ چیلیں ان کے جسموں کے قریب پہنچیں تو ان کے جسموں کو چھوئے بغیر دوسری طرف اڑنے لگیں۔

دونوں نے بیک وقت اپنے سیاہ لباس کی طرف دیکھا اور یہ بات ان کی سمجھ میں آنے لگی کہ خونخوار چیلوں کا حملہ نہ کر سکنے کی کیا وجہ ہے۔ دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو کچھ سمجھایا اور تیزی سے تابوتوں کی طرف دوڑے۔ واصلہ اور ملائکہ بھی ان کی طرف دوڑنے لگیں۔

ہصیم نے ایک بڑا ٹوکہ اٹھایا۔ انہوں نے ایک تابوت سے لاش نکالی اور اس کا سرتن سے جدا کر دیا۔ ملائکہ اور واصلہ نے چیخ کر آنکھوں کے آگے ہاتھ رکھ لیا۔

جاسم نے تیز تیز بولتے ہوئے واصلہ سے کہا۔ ”ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ بس ہم جیسا کہتے ہیں کرتے جانا۔ بس حوصلہ رکھنا ہے۔ یہ حوصلہ ہی ہمیں موت کے منہ سے بچائے گا۔“

ایک لاش کا سر قلم کرتے ہی چیلوں میں بے چینی پھیل گئی۔ وہ خوفناک آوازیں نکالتے ہوئے ادھر ادھر بے چینی سے اڑتے ہوئے ایک دوسرے سے ٹکرانے لگیں۔ واصلہ اور ملائکہ بھی تیز تیز تابوتوں سے لاشیں نکالنے لگیں۔

ہصیم اور جاسم نے تابوتوں سے نکالی تمام لاشوں کے سر قلم کر دیئے۔ ملائکہ اور واصلہ آخری تابوت کے پاس کھڑی کسی سوچ میں پڑی ہوئی تھیں۔ جاسم ان کے قریب آیا دونوں کی طرف دیکھتے ہی جاسم نے تابوت کھول دیا۔ شازہ جیسے تابوت میں سو رہی تھی۔ جاسم کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے اس کے چہرے کو چھونے لگا۔ ہصیم دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا۔

”جاسم! شازہ کی روح کو علیشہ کے دیئے ہوئے بھیانک روپ سے چھٹکارا دلانے کے لئے یہ ضروری ہے۔ اس کی لاش کا سرتن سے جدا کیا جائے۔“

”نہیں میں شازہ کی لاش کے ساتھ یہ سب ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔“ جاسم نے شازہ کا تابوت مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

”ہمارے پاس ضائع کرنے کے لئے ایک لمحہ بھی نہیں ہے تم ایک مری ہوئی لڑکی کے لئے کئی زندہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہو؟“ ہصیم نے یہ کہہ کر جاسم کو پیچھے دھکیل دیا اور شازہ کی لاش نکال کر اس کا سر قلم کر دیا۔

شازہ کی لاش کا سر قلم ہوتے ہی چیلوں نے زمین کا رخ کیا اور وہ انسانی روحوں کے روپ میں آ گئیں لیکن وہ روہیں خاموش ایک ہی جگہ پر منجمد ہو گئیں۔ وہ جیسے بے حس و حرکت تھیں۔ چاروں دوستوں نے خاص عمل شروع کئے۔ لاشوں کو کفن اوڑھنے کے لئے کفن کے کپڑے کی طرف ہاتھ بڑھائے تو کفن کے کپڑے اپنی جگہ سے غائب ہو گئے۔



ہصیم اور جاسم کپڑا تلاش کرنے لگے تو واصلہ حیرت سے چلائی۔ ”ادھر آؤ ہصیم دیکھو۔“

اس کے بلانے پر ہصیم اس کے پاس آیا تو اس نے تابوت کی طرف اشارہ کیا۔

”تابوت..... میں پڑی ہوئی ساری لاشیں سفید کپڑے میں لپیٹی ہوئی تھیں۔

ہصیم نے سوالیہ نظروں سے واصلہ کی طرف دیکھا کہ جاسم کے حلق سے حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز نکلی۔

”اپنے اوپر دیکھو ہصیم۔“

اس کے پکارنے پر ہصیم نے اوپر دیکھا تو ہوا میں آگ کے گولے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہصیم اور واصلہ نے ایک ہی ساعت میں

دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔ جونہی وہ زمین پر گرے ایک دھماکے نے ہر چیز ہلا کے رکھ دی۔ انہوں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو سارے تابوتوں میں آگ بھڑکی ہوئی تھی۔

یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا تھا۔

ان چاروں کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا وہ ہکا بکا ہو کر یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ جوں جوں تابوت جل رہے تھے۔ بدروحوں کے ہوائی جسم

مدہم پڑ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہوائی جسم سفید غبار میں تحلیل ہو گئے اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد وہ غبار بھی ختم ہو گیا۔

وہ بے یقینی کی کیفیت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ مشکل اور پرخطر کام جس کے لئے وہ اپنی جانیں داؤ پر لگا رہے تھے کیسے

ہو گیا؟ خوشی اور حیرت سے وہ مسکرانے لگے۔ اور اشاروں اشاروں میں ایک دوسرے کو یقین دلانے لگے کہ ان لاشوں کی بدروحوں کو ان بھیانک بدروحوں

کے روپ سے چھٹکارا مل گیا ہے جو معصوم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارتی تھیں۔ انہوں نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ سارے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئے اور جلتے ہوئے تابوتوں کا نظارہ کرنے لگے۔ ہصیم ہوا میں اپنی آنکھیں گھمانے لگا۔

جاسم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ”تم کسے تلاش کر رہے ہو؟“

”اس ہستی کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں جو ہمارے آس پاس ہے لیکن ہمارے سامنے نہیں آتی۔ وہ نیک روح جو کسی نہ کسی طرح ہماری مدد

کر رہی ہے یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے یہ بھی وہی کر رہے ہیں۔“

”ہاں! اور نہ یہ سب کچھ خود بخود کیسے ہو سکتا ہے؟“

واصلہ ان دونوں کے پاس آئی۔ ”میرا خیال ہے ہمیں یہاں ٹھہرنا نہیں چاہئے۔ جتنی جلدی ہو سکے ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے۔“

”لیکن ہم جانیں گے کہاں یہ جگہ کس طرح کی ہے تم تو جانتی ہو۔“ ہصیم نے کہا۔

واصلہ نے جلتے ہوئے تابوتوں کی طرف دیکھا۔ ”مجھے یہ بہتر لگ رہا ہے کہ ہم جگہ بدل لیں۔“

جاسم نے ہصیم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہاں سے نکلتے ہیں۔ رستے ہمیں مل ہی جائیں گے۔“

جاسم کی اس بات پر ہصیم نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے لیکن یاد رہے ہمارے یہ سیاہ لباس ہمیں تحفظ دیں گے۔ یہ لباس نہیں



اتارنے۔ وہ چاروں اسی راستے پر واپس چلنے لگے۔ جس راستے سے گزر کر وہ معصوم بچی کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے اس جگہ پہنچے تھے۔

کتاب واصلہ کے ہاتھ میں تھی۔ ابھی تک وہ خوف کے اثرات سے باہر نہیں نکل سکتے تھے جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے۔ وہ چاروں ڈھیلے ڈھیلے قدموں سے چل رہے تھے۔ ملائکہ سب سے آہستہ چل رہی تھی جاسم کو بار بار ملائکہ کے لئے رکنا پڑتا۔

”ملائکہ ہمارے ساتھ ساتھ چلو۔“

ملائکہ کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

آنکھیں اس کی فضا میں بھٹک رہی تھیں۔

جاسم اس کے قریب گیا تو وہ رک گئی جیسے وہ کافی دیر سے رکنا چاہتی ہو۔

جاسم نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جو گھبراہٹ میں مرجھایا ہوا تھا۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“

ملائکہ نے آگے سے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے پڑی جمی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ جاسم نے اپنے تھرموس سے کپ میں پانی

ڈالا اور کپ اس کی طرف بڑھا دیا۔

ملائکہ نے کپ پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ایک دم اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر گئی۔

جاسم اسے گرتے ہوئے تھام بھی نہ سکا وہ اس کے قریب بیٹھ کے اس کا چہرہ تھپتھپانے لگا لیکن وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

ہصیم اور واصلہ بھی گھبرا گئے۔ واصلہ اس کے ہاتھ پاؤں ملنے لگی جو بالکل ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ ہصیم نے جاسم کے تھرموس سے تھوڑا پانی

لیا اور اس کے منہ پر چھینے مارنے لگا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

ہصیم غصے میں جاسم پر چلایا۔ ”تم اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ تمہیں پتہ بھی نہ چلا کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔“

وہ سب بہت گھبرا گئے۔

واصلہ نے ہصیم کو اس وقت کے غصے پر ٹوکا۔ ”یہ کوئی وقت ہے اس طرح بولنے کا تم پیچھے ہٹ جاؤ میں دیکھتی ہوں۔“

واصلہ نے اس کے دل کی دھڑکن چیک کی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں ٹوٹ رہی تھیں۔ اس وقت واصلہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائیں اور اس کے سینے پر بجلی کے شاک کی طرح جھٹکنے دیئے لگی۔ پھر اس نے

ملائکہ کو مصنوعی تنفس دیا۔

واصلہ کی کوشش کارگر ثابت ہوئی۔ اس کی آنکھوں کے پونے کاٹنے لگے۔

تھوڑی ہی دیر میں اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سب کی جان میں جان آئی۔

جاسم نے اسے پانی پلایا اور اسے سہارا دے کر کھڑا کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس وقت وہ اپنی ٹانگوں کو حرکت نہیں دے پا رہی تھی۔



ہصیم نے واصلہ سے کہا۔ ”تم ادھر ملائکہ کے پاس ہی بیٹھو اسے لٹاؤ۔ میں اور جاسم تھوڑا آگے جا کر دیکھتے ہیں کہ کوئی رستہ ہے۔“  
 واصلہ ملائکہ کے پاس اسی جگہ پر بیٹھ گئی۔ ملائکہ نڈھال ہو کر ایک پتھر پر سر رکھ کے لیٹ گئی۔ وہ اس کے بالوں کو سہلانے لگی۔ ”تم خوفزدہ ہو گئی تھی؟“

ملائکہ نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنے ہونٹوں کو بھیج لیا۔ ”وہ سب کچھ میرے لئے برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔ جاسم نے جس خلوص سے مجھے اپنا ساتھ دینے کے لئے کہا میں انکار نہیں کر سکی لیکن وہ خوفناک منظر ایک پل کے لئے بھی میری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو رہا۔“  
 واصلہ اس کا سر دبانے لگی۔ ”میں سمجھ رہی تھی کہ تم کس کیفیت میں مبتلا ہو حوصلہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“  
 ابھی یہ بات واصلہ کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ ہصیم کے چلانے کی آواز آئی۔ وہ واصلہ اور ملائکہ کو پکار رہا تھا۔  
 واصلہ نے سر اٹھایا تو اس کے چاروں طرف پندرہ پندرہ فٹ کے سیاہ سائے منڈلا رہے تھے۔ وہ دونوں بلاتامل چیخنے لگیں۔  
 ان دونوں نے سیاہ سایوں کے بیچ میں سے بھاگنے کی کوشش کی تو وہ تڑپ کے رہ گئیں۔

سایوں کے قریب پہنچتے ہی ان کے جسم جھلنے لگے۔ وہ اپنی ہی جگہ پر ایک دوسرے سے چپک کر کھڑی ہو گئیں۔ بالکل ایسا ہی حال جاسم اور ہصیم کا تھا۔ جوان کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ بھی ایسے ہی آبی سایوں کی زد میں تھے۔ وہ بے بسی کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔  
 پھر ایک دم ان کے ارد گرد کا منظر بدل گیا۔ یہ جگہ بھی کسی پہاڑ کی غار جیسی تھی۔ ملجلی روشنی میں سرخی مائل پتھروں والی یہ جگہ انتہائی پراسرار دکھائی دے رہی تھی۔ یہ بہت بڑی غار تھی۔ سیاہ سائے ابھی بھی ان کے ارد گرد تھے۔ جیسے وہ سب ان سیاہ آبی سایوں کی حراست میں تھے۔  
 خوف بڑھ جانے سے ملائکہ کی حالت زیادہ بگڑ رہی تھی۔ وہ جاسم کے سہارے کے بغیر چل نہیں سکتی تھی۔ اس وقت وہ وہیں جا رہے تھے جہاں سیاہ سائے انہیں لے جانا چاہتے تھے۔

غار کے ایک تنگ راستے سے گزرنے کے بعد وہ ایک بڑے حصے میں داخل ہوئے تو خونخوار چمگادڑوں نے ان پر حملہ کر دیا۔  
 انسانی لڑکیوں کی شکلوں والی ان کی جسامت کے برابر یہ خونخوار چمگادڑیں ان پر حملہ آور ہوئیں تو وہ الگ الگ جگہوں پر زمین پر جا گرے۔ چمگادڑیں منہ سے خوفناک آواز نکالتے ہوئے ایک بار پھر ان پر حملہ آور ہوئیں۔  
 ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ انہیں اس بات کا احساس ہو گیا کہ اب ان کے سیاہ لباس ان کی حفاظت نہیں کر رہے لیکن جیسے ان خونخوار چمگادڑوں کو کوئی اشارہ ملا اور وہ غار کی پتھرلی چھت کے ساتھ الٹی لنگ گئیں۔ وہ چاروں دوست زمین سے بمشکل اٹھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

سامنے شیطانی دیوتا کی بڑی سی مورتی تھی۔ وہ اس مورتی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ مورتی کے قریب پہنچے تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

مورتی کے دامن میں دو تابوت تھے۔ جن میں علیشہ اور ودھات کی ممیز تھیں۔ یہ وہی ممیز تھیں جن کی تلاش میں انہوں نے کتنی ہی



مشکلات کا سامنا کیا تھا۔ انہیں میٹرز کے حصول کے مقصد نے انہیں سر پر کفن باندھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

آج میٹزان کے سامنے تھیں لیکن وہ ایک قدم بھی اپنی مرضی سے نہیں اٹھا سکتے تھے۔ وہ سیاہ آئینی سایوں کی زد میں تھے۔

مورتی کے قریب ہوا میں سلک کا پلو لہرایا جس کے ساتھ ہی خوبصورت لباس میں حسین و جمیل علیشہ ان کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ودھات کا بھی ہوائی جسم ہوا میں نمودار ہو گیا۔

علیشہ اور ودھات ایک ساتھ کھڑے تضحیک آمیز انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

ان سب پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔

علیشہ ایک خوبصورت بلا کے روپ میں ان کے سامنے کھڑی ان پر ہنس رہی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی طیش کے تاثرات نہ تھے۔ آنکھوں میں انگارے نہیں دکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر انتہائی اطمینان تھا۔

اس کے لبوں کی مسکراہٹ ان کا سینہ چیز رہی تھی۔ ہصیم انتہائی طیش میں چلایا۔ ”تمہاری شیطانیت کا کھیل اب ختم ہونے والا ہے۔“

علیشہ ایک بار پھر مسکرائی۔ ”اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے۔ کتنی سانسیں رہ گئی ہیں تمہاری۔ موت کی دہلیز پر کھڑے ہو کر سنے نہیں دیکھا کرتے۔ ابھی تک جس کی وجہ سے تم بچے ہوئے ہو وہ اب تمہیں بچانے نہیں آئے گا۔“

علیشہ کے خاموش ہوتے ہی ودھات ان چاروں کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”تم چاروں کو ہم اتنی آسان موت نہیں دیں گے۔ چند لوگوں کو ختم کر دینے سے تم کیا سمجھتے ہو کہ تم نے ہمارا کھیل ختم کر دیا۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

دیوار میں پتھر کا دروازہ گرج دار آواز کے ساتھ پیچھے ہٹا۔ سامنے بے شمار لوگ آگ دیوتا کی پوجا میں مصروف تھے۔

ودھات نے تضحیک آمیز انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ ”جانتے ہو یہ لوگ کون ہیں۔ یہ سب لوگ اسی طرح کی بدروحوں میں جنہیں تم ابھی ختم کر کے آرہے ہو۔ بس میرے ایک اشارے پر یہ سینکڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔“

یہ منظر دیکھ کر ہصیم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ تھوڑی دیر پہلے محسوس ہونے والی جیت کی خوشی شکست کے احساس میں بدل گئی۔

☆=====☆=====☆

ادھر پروفیسر زمان اپنے پورے گیان کے ساتھ اپنے عمل میں مصروف تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے ہوئے تھے۔ پروفیسر زمان

پورے گھر میں اکیلا تھا۔ حماد اس کے کہنے پر وہاں سے چلا گیا تھا۔

آس پاس کے گھر بھی ویران پڑے تھے۔ حماد بھی اپنے گھر کے قریب کسی خالی گھر میں ٹھہر گیا تھا۔ پروفیسر زمان نے لکڑی کا بکس اپنے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس بکس میں جانوروں کی ہڈیوں سے بنا ہوا وہ لاکٹ تھا جس سے علیشہ کا خاص تعلق تھا۔ اس لاکٹ میں چھپی ہوئی طاغوتی طاقتیں صرف پروفیسر زمان ہی سمجھ سکتے تھے۔ اس وقت پورے گھر کی بجلی بند تھی۔ پروفیسر نے خود یہ بجلی بند کی تھی۔



اندھیرے میں ڈوبے ہوئے گھر کے ایک تاریک کمرے میں پروفیسر آگ جلائے بیٹھا ہوئے تھا۔ لکڑی کا بکس جس میں لاکٹ تھا انہوں نے اپنے سامنے رکھا ہوا تھا۔ عمل شروع کرنے سے پہلے ہی ان کے چہرے پر گھبراہٹ کے تاثرات تھے۔ پیشانی پسینے سے تر تھی۔ ان کی آنکھوں میں بہت سے خطروں کے خدشات تھے۔ اسے کسی انہونی کی سروش سنائی دے رہی تھی۔ اس سروش کے پیچھے اسے کئی شیطانی چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ اس نے اپنا خاص عمل پڑھنا شروع کیا۔ ہونٹوں کی تیز جنبش کے ساتھ وہ کافی دیر تک خاص عمل پڑھتا رہا۔

لاکٹ کے ڈبے سے شعاعیں نکلنے لگیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو تیز شعاعوں سے اس کی آنکھیں چندھیا ہو گئیں۔ اس نے لاکٹ ڈبے سے باہر نکالا۔

لاکٹ روشنی میں جگمگا رہا تھا۔

اس نے لاکٹ اپنی پیشانی پر رکھا۔ تو چند ہی ساعتوں میں اسے علیشہ اور اس کے ارد گرد کا منظر دکھائی دینے لگا۔ یہ منظر انتہائی بھیاں تک تھا۔

ہصیم، جاسم، ملائکہ اور واصلہ چاروں بے بسی کی حالت میں گھٹنے ٹیک کے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں چاروں طرف سے شیطانی بدروحوں نے گھیر رکھا تھا۔ جو ہوا میں معلق ہیولوں کی طرح تیر رہی تھیں۔

علیشہ اور ودھات دیوتا کی مورتی کے آگے کھڑے فاتحانہ مسکراہٹ سے ان چاروں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

علیشہ لفظوں کو چباتے ہوئے بول رہی تھی۔ ”ان چاروں کو اتنی آسان موت نہیں دینی۔ ان کو آہستہ آہستہ موت کا مزہ چکھانا ہے۔“

پروفیسر زمان نے لاکٹ پیچھے کرتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور تیزی سے باہر صحن کی طرف دوڑا۔ صحن میں دھوپ چھاؤں کا ایک پرانا درخت تھا۔ اس کے ہاتھ میں دو سفید رومال تھے۔ اس نے درخت کی ایک شاخ پر ایک سفید رومال باندھا اور پھر اس کے باقی حصے کو چھ گرہوں میں تقسیم کر دیا۔

اسی طرح اس نے دوسری شاخ سے دوسرا سفید رومال باندھا۔ اس کے بھی باقی حصے کو چھ گرہوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ درخت کے تنے سے پشت لگائے اس طرح کھڑا تھا کہ اس کا پورا جسم شاخوں میں تقریباً چھپ گیا تھا۔

اس کے داہنے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا جس میں اس کی ضرورت کا کچھ سامان تھا۔

اس نے تھیلے سے ایک پرانی سی خستہ حال کتاب نکالی اور اس کے صفحات پلٹتے ہوئے اپنا مطلوبہ صفحہ ڈھونڈنے لگا۔

ایک خاص صفحے پر اس کے ہاتھوں کی حرکت رک گئی تو اس نے اپنی تمام تر توجہ اس صفحے پر مرکوز کر دی۔ تھوڑی دیر تک اس نے وہ صفحہ پڑھا اور پھر کتاب بند کر کے واپس اس تھیلے میں رکھ دی۔

اس نے پانی سے بھری ہوئی سفید بوتل نکالی وہ بوتل ہاتھ میں پکڑے اسی حالت میں درخت کے ساتھ چپک کے کھڑا ہو گیا۔

اس نے آنکھیں بند کیں اور کچھ پڑھنے لگا۔ اس بار وہ جو کچھ بھی پڑھ رہا تھا بلند آواز میں پڑھ رہا تھا۔ اس نے تھوڑا تھوڑا پانی اپنے ہاتھ



میں ڈالا اور اسے ہوا میں اچھال دیا۔ ہوا میں اچھلتے ہی پانی کے قطرے آگ کی چنگاریوں میں بدل گئے۔

اور اس کے بعد پروفیسر بند آنکھوں کے ساتھ علیشہ کو اور اس کے ارگرد کے منظر کو صاف طور پر دیکھنے لگا۔

اس نے اپنے بیگ سے ایک لکڑی کا ٹونکا لایا اور اسے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر گھما دیا۔

وہ یہ عمل بار بار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی ہتھیلی سے خون بہنے لگا۔

ودھات نے علیشہ کی طرف دیکھا۔ ”ان کو ان کی موت کا نظارہ نہیں دکھاؤ گی۔“

علیشہ نے مسکراتے ہوئے ان چاروں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ان چاروں کے گرد دس فٹ اونچی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ چاروں ایک

دوسرے سے چپک کر بیٹھ گئے۔ آگ بہت جلدی ان کے قریب آرہی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کے جسم آگ کی تپش سے سلگنے لگے۔

زندگی ان کے ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان لمحوں میں ان کی ساری

امیدیں ختم ہو گئی تھیں۔

وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے زندگی کے یہ بچے کچھ لمحے دوستی کے سپرد کر رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ آگ کی تپش برداشت کرتے

رہے۔ پھر تکلیف ان کی برداشت سے باہر ہو گئی اور وہ چیخنے لگے۔ اسی لمحہ اچانک سفید غبار کے دو بھنور نمودار ہوئے جس نے علیشہ اور ودھات کو

لپیٹ میں لے لیا۔ جس کے ساتھ ہی ان چاروں دوستوں کے گرد بھڑکتی ہوئی آگ بجھ گئی لیکن ان چاروں دوستوں کے پاؤں جادوئی قوت کے زیر

اثر زمین پر ہی گڑے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے تھے۔

سفید غبار کے بھنوروں میں علیشہ اور ودھات کے ہوائی جسم جیسے غائب ہو گئے۔ چاروں دوست لمبا لمبا سانس لیتے ہوئے حیرت سے

زرد پڑی ہوئی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی خوش نصیبی پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح وہ موت کے منہ سے نکل سکتے ہیں۔ ان

کے دل کی دھڑکنیں ابھی بے ترتیب ہی تھیں۔ ان کے ارد گرد موجود ہر اسرار مخلوقات بھی غائب ہو گئیں۔ ان لمحوں میں پروفیسر زمان کے ہاتھ پر ان

کے جادوئی عمل سے ٹونخو دبنخو دگھوم رہا تھا۔

پروفیسر اپنے عمل میں اس قدر محو تھا کہ اس کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور اسے اس بات کا احساس تک نہ تھا۔

لٹو اس کے ہاتھ پر بالکل ایسے ہی گھوم رہا تھا جیسے علیشہ اور ودھات کے گرد سفید غبار کا بھنور۔ پروفیسر کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔

عمل پڑھتے پڑھتے اس کی زبان رک رہی تھی الفاظ دم توڑ رہے تھے۔

جیسے رتی کا ایک سرا اس کے ہاتھ میں تھا اور دوسرے سرے پر علیشہ اور ودھات کی شیطانی شکلیوں کا زور۔ سرا پروفیسر کے ہاتھ سے نکلنے

کے لئے زور لگا رہا تھا وہ رفتہ رفتہ بے بس ہوتا جا رہا تھا۔ پھر یک لخت اس پر عرشہ طاری ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ علیشہ اور

ودھات کے گرد سفید غبار کا بھنور بھی غائب ہو گیا۔

اور وہ صحیح سلامت چاروں دوستوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔



علیشہ سرا پر کر کے خوفناک انداز میں چیخنے لگی۔ اس نے سر نیچے کیا تو وہ بھیانک چڑیل کا روپ دھار چکی تھی۔

واصلہ اور ملائکہ مارے دہشت کے چیخنے لگیں۔ علیشہ پرندے کی طرح ہوا میں پرواز کرتے ہوئے ان کے گرد منڈلانے لگی۔ پھر وہ ان کے قریب کھڑی ہو گئی۔

وہ نوکیلے ناخنوں سے ہوا میں غیبی لکیریں کھینچنے لگی۔ ”میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو زندہ دفن کر دیں۔ تم اب بھی کوئی گڑبڑ کر سکتے ہو جو کچھ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوا۔ کیسے ہوا؟“ لیکن وہ اس کے سوال کا جواب نہ دے سکے۔

پروفیسر زمان کافی دیر تک بے ہوش پڑا رہا۔ وہ حماد کے گھر کے صحن میں گرا پڑا تھا۔

حماد کے گھر کے آس پاس کے چھ سات گھربالکل ویران تھے۔ اس گھر کے مکین اب اس دنیا میں نہیں تھے۔

وہ آتش پرست بدردحوں کا شکار بن گئے تھے۔ ان اجڑے ہوئے گھروں کے سنائے آہ بکا کر رہے تھے۔ پروفیسر کو کسی نے چھوٹا سے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ کافور کی خوشبو اس کے حلق تک جذب ہو گئی۔

اس نے کانپتے ہوئے پونوں سے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو اسے سفید کفن میں لپیٹے ہوئے دھندلے دھندلے سے سائے دکھائی دیئے۔ وہ اپنے نڈھال جسم کو سنبھالتا ہوا اٹھ کے بیٹھا تو اس کا جسم زخموں سے چھلنی تھا۔ اسے یہ زخم کیسے لگے اسے معلوم نہیں تھا۔ وہ اپنے درد کرتے جسم کے حصوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو سنسناہٹ کا جھٹکا اس کے پورے جسم سے گزر گیا۔ حماد کا صحن مرد، عورتوں، بوڑھوں اور بچوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب نے سفید کفن اوڑھے ہوئے تھے۔

پروفیسر نے صحن کے دروازے کی طرف دیکھا جو باہر کھلتا تھا۔ وہ اس دروازے کے قریب گیا جو کھلا ہوا تھا۔ اس نے باہر جھانکا تو حیرت سے سن ہو گیا۔ یہ لوگ ان گھروں سے آرہے تھے جو ابھی تھوڑی دیر پہلے ویران پڑے تھے۔

پروفیسر واپس اپنی جگہ پر درخت کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اس نے ان لوگوں سے پوچھا ”آپ لوگ کون ہیں؟“ ان کی سرد آنکھیں پروفیسر پر مرکوز تھیں اور ایک لمحے کے لئے بھی نہ جھپکتی تھیں۔ ان کے چہروں پر جیتی جاگتی زندگی کی کوئی رعنائی نہیں تھی۔

وہ پروفیسر سے کیا چاہتے تھے۔ ان کی آنکھوں میں پروفیسر کے لئے غصہ اور سوال کیوں تھا؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ ”آپ یہاں کیوں جمع ہو گئے ہیں؟ ان گھروں میں تو کوئی بھی نہیں رہتا۔ وہاں کے مکین تو مر چکے ہیں تو پھر آپ لوگ ان گھروں سے کیسے آرہے ہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو ان گھروں میں کوئی نہیں تھا۔“

پروفیسر سوال پر سوال کئے جارہا تھا۔ اس کی اپنی ہی آواز اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔

وہ لوگ پتھر کی مورتیوں کی طرح ساکت اور خاموش تھے۔ پروفیسر کی نظر ان کے پیروں پر پڑی تو اس نے یک لخت آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ ان لوگوں کے پیرزین پر نہیں تھے۔ وہ سارے سارے ہوا میں معلق تھے۔

کچھ دیر بعد پروفیسر نے آنکھیں کھولیں تو حماد کے صحن میں سوائے اس کے اور کوئی نہیں تھا جو سوال اس نے مردوں سے پوچھے وہی اس



کے ذہن میں گونجنے لگے۔ وہ خود ہی ان سوالوں کے جواب ڈھونڈنے لگا۔

وہ سب سمجھنے لگا کہ ان سب سوالوں کا جواب اس کی ناکامی ہے اور وہ جانتا تھا کہ اگر جلد ہی مزید وہ کچھ نہ کر سکا تو علیشہ اور ودھات کا یہ پُر اسرار کھیل کبھی ختم نہ ہوگا اور ان چاروں دوستوں کی زندگی کا فیصلہ بھی تھوڑی ہی دیر میں ہو جائے گا۔

اس نے اپنی کتاب نکالی اور تیز تیز صفحات پلٹنے لگا۔ اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا وہ خود کامی کر رہا تھا۔ ”مجھے ہر حال میں یہ جنگ جیتی ہے۔ اچھائی اور برائی کی جنگ۔“

اسے کتاب میں ایسی کوئی چیز نہیں مل رہی تھی۔ اس نے کتاب زمین پر دے ماری۔ اس کا دل و دماغ ہار تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ درخت سے پشت لگائے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کے ذہن میں کئی پراسرار علوم کی کتابوں کے صفحے پلٹ رہے تھے۔ اس وقت اس کا ذہن زندگی اور موت کے متعلق یکجا انداز میں سوچ رہا تھا۔

اس نے سجدے کے انداز میں اپنی پیشانی زمین بوس کی، کافی دیر تک وہ اسی حالت میں رہا۔ جب اس نے سر اوپر اٹھایا تو اس کے بے چین چہرے پر سکون تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں اور کچھ دیر اسی طرح بیٹھا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور درخت کے آس پاس کچھ ڈھونڈنے لگا۔ اس کی نظر پہلے پر پڑی اس نے پہلے اٹھایا اور درخت کے قریب ہی کچی جگہ کھودنے لگا۔ اس نے باقاعدہ قبر کھودی۔ اس کے بعد اس نے سر کی طرف دیا جلایا اور اسی جگہ آلتی پالتی مار کے بیٹھ گیا۔

یہ اس کی آخری کوشش تھی جس میں اسے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ وہ چاروں دوستوں کو بچا بھی سکے گا کہ نہیں۔ اس نے دونوں بازو گھٹنوں پر اکڑا لئے اور کوئی خاص عمل پڑھنے لگا۔

کچھ دیر تک وہ مکمل یکسوئی سے عمل پڑھتا رہا پھر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں تو قبر خاص قسم کی روشنی سے پُر نور تھی۔ اس نے لمبا سانس کھینچا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس قبر میں لیٹ گیا۔ جانوروں کی ہڈیوں سے بنا علیشہ کا لاکٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے لاکٹ اپنے سینے پر رکھ لیا۔

☆=====☆=====☆

چاروں دوست زندگی اور موت کے کھیل کے مہرے بنے ہوئے تھے اور یہ کھیل علیشہ بڑی دلجوئی سے کھیل رہی تھی۔ چاروں دوستوں کو تڑپا تڑپا کر مارنے میں اسے تسکین مل رہی تھی۔ ودھات نے ایک سفید کپڑا علیشہ کی طرف اچھال دیا۔ علیشہ نے وہ کپڑا اٹھا اور مسکراتے ہوئے وہ کپڑا چاروں دوستوں کی طرف اچھال دیا۔ کپڑا جونہی ان چاروں کے قریب گرا ان کے قدموں کے نیچے زمین میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ یہ دیکھتے ہوئے واسلہ اور ملائکہ چیخنے لگیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے دراڑیں بڑھنے لگیں اور زمین کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے لگیں۔ ملائکہ اور ہمسیم کے قدموں تلے کی زمین دو حصوں میں کھل گئی۔



دونوں ایک ہی جھٹکے میں زمین کے اندر گرے لیکن گرتے گرتے انہوں نے زمین کا کنارہ تھام لیا۔ وہ اس کھلی زمین میں لٹکے چپختے لگے۔ جاسم اور واصلہ کے قدموں تلے کی زمین بھی دو حصوں میں کھلنے والی تھی لیکن وہ دونوں ہمسیم اور ملائکہ کو باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ زمین شدید جھٹکوں سے کانپ رہی تھی۔ وہ بھرپور کوشش کے باوجود انہیں باہر نہیں نکال پارہے تھے کہ اچانک بھونچال ختم ہو گیا۔ زمین کے جھٹکے ختم ہو گئے۔ جاسم اور واصلہ ہمسیم اور ملائکہ کو باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

انہوں نے تعجب سے علیشہ اور ودھات کی طرف پلٹ کر دیکھا تو علیشہ اور ودھات اپنی جگہ پر موجود نہیں تھے۔ ان کے سامنے پروفیسر زمان ہوا میں ہاتھ اکڑائے کھڑے تھے۔ چاروں کے قدم بھی زمین پر جکڑے ہوئے نہیں تھے۔

وہ آزاد تھے۔ وہ دوڑتے ہوئے آگ دیوتا کی موت کی طرف بڑھے۔ مگر وہ اپنی جگہ پر ساکت ہو کر رہ گئے۔

علیشہ اور ودھات کی مٹی کے سرتن سے جدا تھے اور ان کے جسم آگ میں سلگ رہے تھے۔ نیبی طاقتوں کی موت نے ایک بار پھر بھونچال مچا دیا تھا۔ آگ دیوتا کی موتی اس طرح پھٹنے لگی جیسے اس کے اندر کسی آتش گیر مادے کا دھماکہ ہوا۔ اس کے ٹکڑے ہوا میں بکھر گئے۔ بڑے بڑے پتھر اپنی جگہ سے اکھڑ کے زمین پر گرنے لگے۔ پروفیسر اس بھونچال میں اپنی جگہ پر اسی حالت میں کھڑا تھا۔

وہ اپنی جان بچاتے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ اسی دوران ایک بڑا سا پتھر اپنی جگہ سے اکھڑ کے پروفیسر کی طرف آنے لگا تو ہمسیم چلاتا ہوا پروفیسر کی طرف بھاگا لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے پتھر پروفیسر کے جسم سے اس طرح گزر گیا جیسے ہوا میں سے گزرا ہوا اور پروفیسر اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے۔

ہمسیم تعجب سے دیکھتا رہ گیا۔ ”پروفیسر کا جسم ہوائی ہے کہیں پروفیسر.....“

واصلہ کی چیخ پر وہ اپنے خیال سے چونک گیا۔ واصلہ کے پاؤں پر بڑا پتھر گرا ہوا تھا۔

وہ پتھر پیچھے کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے پتھر پیچھے نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے پاؤں سے خون بہہ رہا تھا۔ ہمسیم اس کے پاؤں سے پتھر ہٹانے لگا جاسم اور ملائکہ اس کے قریب آئے۔ ہمسیم نے پتھر پیچھے ہٹایا تو واصلہ کا پاؤں شدید زخمی تھا۔ ملائکہ نے اپنے دوپٹے میں سے کپڑا پھاڑ کر اسے پاؤں پر باندھ دیا۔ جاسم چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ پروفیسر کہاں ہے۔

ہمسیم اور جاسم کی نظر اس جگہ مرکوز ہوئی جہاں تھوڑی دیر پہلے پروفیسر کھڑا تھا لیکن اب وہاں پروفیسر نہیں تھا بلکہ اسی جگہ انہیں مٹی کی ایک بڑی سی ہانڈی دکھائی دی جو وہاں پہلے نہیں تھی۔

دونوں تجسس میں اس ہانڈی کی طرف بڑھے۔ ہانڈی کے قریب پہنچے تو جھر جھری کی لہر ان کے جسموں سے گزر گئی۔ کسی احساس نے ان کا دل بھیجنے کے رکھ دیا۔ ہانڈی میں چمکدار شفاف پانی تھا جس میں ہمسیم اور جاسم کو ان کے گھر والوں کے منتظر چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ جاسم، واصلہ اور ملائکہ کو بھی اس ہانڈی کے قریب لے آیا۔ جونہی ملائکہ اور واصلہ ہانڈی کے قریب آئیں تو اس چمکدار پانی میں کچھ اور چہروں کے عکس دکھائی دینے لگے۔ وہ چہرے واصلہ اور ملائکہ کے گھر والوں کے تھے۔ دونوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

چاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اکٹھے اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈال دیئے۔ کچھ دیر تک وہ اپنا ہوش کھو بیٹھے۔ ان کی



آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔

جب ان کی آنکھوں کی بینائی واپس آئی تو وہ چاروں حماد کے گھر پر تھے۔ وہ اس قبر کے پاس کھڑے تھے جس میں پروفیسر نے خود کو موت کی نیند سلا لیا تھا۔ حماد پروفیسر کی لاش کے پاس بیٹھا رو رہا تھا۔ وہ چاروں دوست اس کی طرف بڑھے۔

حماد بے یقینی کی سی کیفیت میں ان چاروں کو دیکھنے لگا۔ پروفیسر کی لاش کے قریب بیٹھتے ہوئے جاسم نے سوالیہ نظروں سے حماد کی طرف دیکھا۔ حماد گلوگیر لہجے میں بولا۔ ”علیشہ اور ودھات کے خاتمے کے لئے اور تم چاروں دوستوں کی زندگی بچانے کے لئے پروفیسر نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی۔ جو کام وہ جیتے جی نہ کر سکے۔ وہ کام انہوں نے اپنے ہمزاد سے کروایا۔ اب کبھی کوئی آتش پرست بدروح کسی کی جان نہیں لے گی۔“

”ان شاء اللہ۔“ ان کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔ ان کے چہروں پر زمانے بھر کی تھکن نمودار ہو گئی تھی۔ جاسم ان سے الگ ہو کر درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر پچکیاں بھرنے لگا۔ ہمسیم اس کے پاس گیا اور پوچھا۔

”شکر کرو کہ زندہ سلامت واپس آ گئے ہیں میرے دوست۔“

”اگر تم اسے زندگی کہتے ہو تو پھر موت کیا ہوتی ہے۔“ جاسم نے غم ناک نظروں سے اسے دیکھا۔ ”ہم بھی تو موت کے پردے پھاڑ کر اس دنیا میں واپس آئے ہیں۔ کیا تم ایسی زندگی کے لئے شازہ کے لئے بھی کلمات ادا کر سکتے ہو۔“ یہ کہہ کر اس کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔ ہمسیم پر بھی افسردگی چھا گئی۔

”شازہ ہماری بہترین دوست تھی۔ اس نے قربانی دے کر ہم سب سے ایک بڑا کام لیا ہے۔ ہمیں شازہ کا مرہون منت ہونا چاہئے۔ اس نے تو حیات جاوداں پالی ہے جاسم۔ وہ اس دنیا میں زندہ ہے اور ہم اس دنیا میں۔ اس نے اپنی دنیا کے گمراہ آتش پرستوں کی شیطانی قوتوں کو ختم کرنے میں ہماری مدد کی تھی۔ ہم اسے کیسے بھول سکیں گے۔“

ملائکہ اور واصلہ ان کے قریب آ گئیں۔ واصلہ نے ہمسیم اور ملائکہ نے جاسم کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیئے۔ دونوں نے اشک بار نظروں سے انہیں دیکھا۔

”ہمیں بھی شازہ کی موت کا افسوس ہے لیکن دیکھو ہم نے کتنے لوگوں کو شیطانی دستبرد سے بچایا ہے۔ یہ جو بستیاں اجڑ گئیں ہر گھر کی ایک ایک شازہ مار دی گئی تھی۔ یہ بستیاں ہماری شازہ کے لہو سے سیراب ہوئی ہیں ان میں پھر زندگی دوڑے گی۔“

”ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عظیم کام لیا ہے۔ بڑے مقصد کی خاطر قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں۔“ ہمسیم نے جاسم کو دلاسا دیتے ہوئے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”لیکن دیکھو دوست۔ قدرت نے تمہیں شازہ کے بدلے ایک دوسری شازہ دے دی ہے۔“ اس نے ملائکہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیوں ملائکہ میں سچ کہہ رہا ہوں؟“ ملائکہ کی آنکھیں حیا سے جھک گئیں۔

☆=====ختم شد=====☆